واعظ

جلد سوم

سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کے مواعظ حسنہ کا مجموعہ

فرید بک سٹال لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلطان الواعظین جناب مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب

کے

مزید نئے بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

واعظ

(تیسرا حصّہ)

ان وعظوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ معراج شریف، کمالاتِ نبوت، اسوۂ حسنہ کے علاوہ دین و دنیا کی کامیابی پانے اور شیطانی چالوں سے بچاؤ کا درس دیا گیا ہے۔ نئی تہذیب کے نقصانات اور پورے پورے مسلمان بننے کی ہدایات کے علاوہ ان میں بزرگانِ دین کی صحبت اختیار کرنے اور اچھی زندگی حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے نیز مدلل طور پر اہلِ سنت کی تائید اور مخالفین حق کی تردید کی گئی ہے اور قرآن و احادیث و ارشاداتِ سلف کے ساتھ ساتھ سبق آموز حکایات و نتیجہ خیز لطائف بھی سنائے گئے ہیں۔

ناشر

فرید بُک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

نام کتاب :- ———— واعظ (سوئم)
کاتب :- ———— صادق علی
مطبع :- ———— جنرل پرنٹرز ۲۲/۱۰ ریٹیگن روڈ ۔ لاہور
قیمت :- ———— روپے

شہد

"شہد کی ایک بُوند کئی مکھیوں کو پکڑ لیتی ہے
من بھر سرکہ میں ایک بھی نہیں ڈوبتی"

⊙

نرمی

"سخت کلمات کی نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں ۔ یہ بیہودہ بات ہے کہ جس برتن میں کچھ ڈالنا چاہیں پہلے ہی اس میں چھید کرلیں"

⊙

اِس کتاب میں آپ

شیرینی و حلاوت اور نرمی و لطف ہی پائیں گے

تُرشی و سختی کا نام تک نہیں

⊙ ⊙

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں
صاحبِ معنی کو صرف اِک لفظ کافی ہو گیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝

پہلی نظر

کتاب "واعظ" کا پہلا حصہ شائع ہُوا تو جن حضرات نے اسے منگوا کر پڑھا اُنھوں نے اپنے خطوط میں اور اکثر احباب نے بالمشافہ بھی اُس کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا۔ انھیں پڑھ سُن کر مَیں حیران رہ گیا۔ اس لیے کہ میری اُمید سے بھی کہیں زیادہ اُسے شرفِ قبولیت سے نوازا گیا اور اس امر کا اقرار کیا گیا کہ "واعظ" اپنے موضوع پر ایک بے مثل تالیف ہے اور سلسلۂ مواعظ میں ایسی حسین و جمیل اور دلکش کڑی آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔

عقائد و اعمال کی اِصلاح کے لیے میری یہ کوشش بڑی مفید اور بار آور ثابت ہوئی۔ اِس سے عوام و خواص، چھوٹوں، بڑوں، مردوں، عورتوں اور اپنوں، بیگانوں، سبھی نے فائدہ حاصل کیا اور ہر خیال کے افراد نے میری اِس تالیف کو سراہا اور یہ واقعہ ہے کہ

"واعظ"

آج تقریباً ہر واعظ کے پاس موجود ہے

واعظ کے پہلے حصہ میں بارہ وعظ درج ہیں۔ یہ وعظ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ اور عام فہم طرزِ بیان کی بدولت مبتدیوں کے علاوہ کہنہ مشق مقررین میں بھی بے حد مقبول ہوئے اور اُن کی افادیت کے پیشِ نظر شائقین کے اصرار پر مَیں نے مزید بارہ ۱۲ وعظوں کا بھی مجموعہ واعظ حصّہ دوم کی صورت میں شائع کر دیا۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے یہ دوسرا حصہ بھی پہلے حصہ کی طرح بہت مقبول ہُوا، اور شائقین کرام کی پیاس بجھی نہیں بلکہ وہ اس پیاری طرز میں لکھے ہوئے مزید وعظوں کے طالب ہوتے اور پے در پے اصرار کرنے لگے کہ اب تیسرا حصہ بھی شائع کیا جائے۔

یہ واقعہ ہے کہ جب سے میں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا ہے۔ صرف "ماہِ طیبہ" ہی کی تدوین و ترتیب میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ دوسرے کسی کام کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے۔ تاہم سلسلہ تالیف کے لیے جو وقت بھی ملتا ہے اُسے غنیمت سمجھ کر کچھ نہ کچھ لکھ ڈالتا ہوں۔

واعظ کا یہ تیسرا ۳ حصہ

بھی میری اسی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس تیسرے حصہ میں بھی بارہ ۱۲ وعظ درج ہیں اور بالکل اسی رنگ کے جس رنگ کے پہلے دو حصوں میں چوبیس ۲۴ وعظ گزر چکے ہیں۔

اِس تیسرے ۳ حصہ کی اِبتداء

پچیسویں وعظ سے ہوتی ہے اور چھتیسویں وعظ پر اس کی انتہا ہے۔ خدا نے چاہا تو وقت آنے پر چوتھا حصہ بھی آپ کے سامنے آجائے گا۔

ابُو النُّور محمد بشیر

فہرست مضامین

واعظ کے پہلے اور دوسرے حصہ میں چوبیس وعظ گذر چکے اور اب یہ تیسرا حصہ پچیسویں وعظ سے شروع ہوتا ہے۔

مضامین	نمبر صفحہ

چھبیسواں [۲۶] وعظ
خلقِ عظیم

ستائیسواں [۲۷] وعظ
معراجِ پاک

اٹھائیسواں [۲۸] وعظ
کمالاتِ نبوت

انتیسواں [۲۹] وعظ
فوز و فلاح

چونتیسواں ۳۴ وعظ
اُسوۂ حسنہ

پنتیسواں ۳۵ وعظ
صحبتِ صالحین

چھتیسواں ۳۶ وعظ
اچھی زندگی

یارب! جلّ شانہٗ

دردِ دل کر مجھے عطا یا ربّ — دے مرے درد کی دوا یا رب
لاج رکھ لے گنہگاروں کی — نام رحمان ہے ترا یا رب
عیب میرے نہ کھول محشر میں — نام ستّار ہے ترا یا رب
تُو نے میرے ذلیل ہاتھوں میں — دامنِ مصطفےٰ دیا یا رب
میں نے سُبحانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ — خاک پہ رکھ کے سر کہا یا رب
صدقہ اس دی ہوئی بلندی کا — پستیوں سے مجھے بچا یا رب

تُو حسنؔ کو اُٹھا حسَن کرکے
ہو مع الخیر خاتمہ یا ربّ

(حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یارسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم

ہو تم روحِ روانِ بزمِ ہستی یا رسول اللہ
تمہارے دم سے بنتی ہے یہ بستی یا رسول اللہ
تمہی ہو مظہرِ توحیدِ باری یا رسول اللہ
تمہی پر ختم ہے پیغمبری بھی یا رسول اللہ
نبوت میں رسالت میں کمالات و فضیلت میں
نہیں ملتا تمہارا کوئی ثانی یا رسول اللہ
تمام اسرار تم پر خالقِ اسرار نے کھولے
کوئی بات اس نے پوشیدہ نہ رکھی یا رسول اللہ
تمہیں سے ہم گنہگاروں کی اُمیدیں ہیں وابستہ
تمہی اک لاج رکھوگے ہماری یا رسول اللہ!

(حضرت عزیز حاصل پوری)

مدحِ چار یار رضی اللہ عنہم

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

بیاں ہو کس زباں سے مرتبہ صدیقِ اکبر کا — ہے یارِ غار محبوبِ خدا صدیقِ اکبر کا
رسل اور انبیاء کے بعد جو افضل ہو عالم سے — یہ عالم میں ہے کس کا مرتبہ؟ صدیقِ اکبر کا

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

نہیں خوش بخت محتاجانِ عالم میں کوئی ہم سا
ملا تقدیر سے حاجت روا فاروقِ اعظم سا
حسن درعالمِ پستی سرِ رفعت اگر داری
بیا فرقِ ارادت بر درِ فاروقِ اعظم سا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اللہ سے کیا پیار ہے عثمان غنی کا
محبوبِ خدا یار ہے عثمان غنی کا
رُک جائیں مرے کام حسنؔ ہو نہیں سکتا
فیضان مددگار ہے عثمان غنی رضہ کا

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

اے حُبِّ وطن ساتھ نہ یوں سوئے نجف جا — ہم اور طرف جاتے ہیں تُو اور طرف جا
کہہ دے کوئی گھیرا ہے بلاؤں نے حسن کو — اے شیرِ خدا بہرِ مدد تیغ بکف جا

(حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

کتابِ واعظ

بات کیا پوچھتے ہو واعظ کی — حشر تک یہ کتاب ہے زندہ

اِس کی تنویر کی بدولت ہیں — واعظوں کے دماغ تابندہ

حق کو حاصل ہوئی خوشی اِس سے — اور باطل ہُوا ہے شرمندہ

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"

(حاجی حق حق کوٹلوی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب "واعظ" کا تیسرا حصّہ

کتاب واعظ کے پہلے اور دوسرے حصّہ میں چوبیس وعظ گزر چکے اور اب یہ تیسرا حصّہ پچیسویں (۲۵) وعظ سے شروع ہوتا ہے۔

۲۵ پچیسواں وعظ

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری!

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (پ۱۱ ع ۵)

ترجمہ: "بیشک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسولؐ جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان"۔

حضرات! آج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جہاں میں "تشریف آوری" کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے آیت کریمہ بھی وہ تلاوت کی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی کا ذکر فرمایا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب فرما کر فرما رہا ہے کہ تمہارے پاس رؤف و رحیم رسول تشریف لے آئے۔ بھائیو! غور کرو! کہ ہم سب اس خطابِ الٰہی کے مخاطب ہیں۔ گویا یہ سارا عالم ایک اجتماعِ عظیم ہے اور اس اجتماعِ عظیم کو خدا مخاطب فرما کر فرما رہا ہے۔ کس بات کا بیان فرما رہا ہے! اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اور آپ کے اوصاف و کمالات کا!

معلوم ہوا کہ کسی مجمع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا بیان کرنا یہ سنتِ الٰہیہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اصل ہے۔ ذکرِ میلاد شریف اور محفلِ میلاد پاک کی۔ پس آج بشیر بھی جو ایک اجتماعِ عظیم کو مخاطب کر کے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا ذکر کرنے والا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ایک ایسی اہم بات ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بھی کی۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے؟ ہم کہتے ہیں۔ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے بلکہ آپ سے بھی پہلے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی اور ان سے بھی پہلے خود خدا تعالیٰ سے بھی ثابت ہے۔ پڑھیئے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ

ذکرِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

حضرات! یہ ذکرِ مصطفیٰ ایک ایسی اَمٹ چیز ہے، کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ مٹ جائے۔ دیکھیئے! ایک بات سمجھاؤں آپ کو۔ ذکر کے لیے ذاکر کی ضرورت ہے۔ جس طرح کوئی فعل بغیر فاعل کے وقوع میں نہیں آسکتا اسی طرح بغیر ذاکر کے ذکر کا وجود بھی ناممکن ہے۔ اگر ذاکر ہے تو ذکر بھی ہے۔ اور اگر ذاکر نہ رہا تو ذکر بھی نہ رہا۔ اب دیکھیئے۔ ایک ہے ذکرِ خدا، اور ایک

ہے ذکرِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا ذکر کرنے والے میں اور آپ اور ہم سے اوپر دیگر اللہ کے مقبول بندے ہیں اور یہ سب مخلوق ہیں۔ ان میں خالق کوئی بھی نہیں۔ اور مخلوق جتنی ہے۔ وہ سب کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کے مطابق فنا پینے والی ہے گویا ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ذکرِ خدا کا کوئی بھی ذاکر نہ رہے گا۔ اور یہی وہ وقت ہے جب قیامت آجائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَایُقَالَ فِی الْاَرْضِ اللّٰہ اللّٰہ۔

(مشکوٰۃ شریف صـ ۴۷۲)

یعنی "جب زمین میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا۔ تو قیامت آجائے گی"۔ اس حدیث کے ماتحت بین السطور لکھا ہے۔ اَی لَایُذْکَرُ یعنی اللہ کا ذکر باقی نہ رہے گا۔ اور کوئی ذاکر نہ پایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب کہ "ذکرِ خدا مٹ جائے گا۔ لیکن اے میرے بھائیو! کیا شان ہے ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے والے جہاں میں اور آپ اور ہم سے اوپر دیگر اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ وہاں حضور کا ذکر کرنے والا خود خدا بھی ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاکرین میں مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ اور ظاہر ہے کہ مخلوق تو بے شک جامِ فنا پینے والی ہے مگر خالق فنا سے پاک و منزہ ہے۔ خالق وہی ہے جو فنا نہ ہو سکے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ساری مخلوق فنا بھی ہو جائے لیکن ذکرِ مصطفیٰ پھر بھی نہ مٹے گا۔ اس لیے کہ سارے ذاکر نہ رہیں تو نہ رہیں ایک ذاکر خالق تو ہے۔ جو باقی ہے اور باقی رہے گا۔ پس نہ تو خدا مٹ سکتا ہے۔ اور نہ ذکرِ مصطفیٰ ہی مٹ سکتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

پڑھیئے درود شریف: اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ

ہاں تو! خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ "بیشک تمہارے پاس تشریف لائے" "تشریف لائے" یہ جملہ بتارہا ہے کہ تشریف لانے والے محبوب ہمارے پاس تشریف لانے سے پہلے بھی کہیں تشریف فرما تھے۔ دیکھئے جب یوں کہا جائے کہ فلاں مولانا صاحب لاہور میں تشریف لائے۔ تو اس کا یہ معنی ہے کہ مولانا صاحب اس سے پہلے لاہور کے سوا کسی دوسرے شہر میں تشریف فرما تھے اور اب وہاں سے لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ تو میرے بھائیو! یہ جن کے متعلق خدا یوں فرمارہا ہے۔ کہ بیشک تمہارے پاس تشریف لائے۔ وہ ہمارے پاس تشریف لانے سے پہلے بھی کہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھے۔

نورانی تارہ

چنانچہ حضرت علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب روح البیان میں یہ روایت درج فرمائی ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبریل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار (۷۰۰۰۰) برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اُسے بہتر ہزار (۷۲۰۰۰) مرتبہ چمکتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا: وَعِزَّةِ رَبِّيْ اَنَا ذٰلِكَ الْكَوْكَبُ (روح البیان صفحہ ۹۷۴ جلد ۱)

"قسم ہے میرے رب کی وہ تارہ میں ہی تھا"

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ جبریل امین کی اس قدر طویل عمر کے باوجود راز یہ کھلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہزارہا سال جبریل سے بھی پہلے موجود تھے۔ معلوم ہُوا کہ سارے فرشتے۔ جن اور انسان۔ زمین و آسمان۔ دنیا و مافیہا اور کائنات کا ہر ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اور آپ کے سامنے ہی مخلوق ہوا۔ پھر آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جس محبوب کے ہوتے ہوئے اور جس کے سامنے کائنات کا ہر ذرہ بنا۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر کیسے رہ سکتی ہے؟

کسی قصبہ میں سب سے بڑی عمر والے کسی بزرگ سے آپ پوچھ کر دیکھیں کہ کیوں صاحب! یہاں کے فلاں صاحب! یہاں کے فلاں صاحب کو آپ جانتے ہیں۔ اس

قصبہ کی فلاں گلی، فلاں کوچہ کی آپ کو کچھ خبر ہے؟ تو وہ جواب یہی دے گا کہ کیوں نہیں؟ یہ قصبہ میرے سامنے ہی تو آباد ہوا۔ اس کا ایک ایک کوچہ، ایک ایک گلی میرے ہوتے ہوئے تو بنی۔ فلاں صاحب کو جانتا کیوں نہیں؟ وہ میرے ہی تو ہاتھوں میں پلا پوسا۔ بلاتشبیہ اس کائنات کا ہر ذرہ اور ہر کونہ اس محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں کیوں داخل نہ ہو۔ جس کے ہوتے ہوتے یہ دنیا آباد ہوئی۔ اور جس کے سامنے ہی حضرت آدم علیہ السلام بھی پیدا فرمائے گئے۔ سچ فرمایا علیحضرت نے کہ ؎

دل فرش پہ ہے تری نظر سرِ عرش پر ہے تری گذر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

لباسِ بشریّت

ہاں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت بھی تھے جبکہ خدا کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی ساری مخلوق سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نورِ پاک کو پیدا فرمایا گیا۔ میرے بزرگو! یہ "بشریت" تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت بھی تھے جبکہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ فرمائے گئے تھے۔ تو غور کر لیجیے کہ حضورؐ اس وقت کیا تھے؟ بھائیو! اس وقت حضورؐ نور ہی نور تو تھے اور اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہی نور ہی ہے۔ یہ نورِ پاک پیدا سب سے پہلے کیا گیا۔ اور اس کا ظہور سارے انبیاء کرام علیہم کے بعد ہُوا، اور جب یہ نورِ پاک ہمارے پاس تشریف لانے لگا تو "جیسا دیس ویسا بھیس" کے مطابق حکمت کا تقاضا یہ ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائیں۔ تو یہیں کا لباس زیب تن فرما کر تشریف لائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس نورِ پاک کو "بشریت" کا لباس پہنایا۔ اور ہمارے پاس بھیجا اور فرمایا "بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے" یہ "تم میں سے" جو فرمایا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ لباسِ بشریت میں تشریف لائے۔ حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس "بشریت"

پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن خوب یاد رکھیے کہ لباس بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی۔ زید اگر کشمیر جا کر گرم کپڑے پہن لے تو لباس بدل جائے گا مگر زید وہی رہے گا۔ پھر وہ کسی گرم ملک میں جا کر ململ کی قمیص اور تہ بند باندھ لے تو صرف لباس ہی بدلا۔ مگر زید وہی رہا۔ لوہے کو چاقو کی شکل میں لے آئیے تو نام ہی بدلا۔ مگر لوہے کی حقیقت بدستور موجود ہے۔ تالا بنا لیجئے تو نام ہی بدلے گا۔ مگر لوہا، لوہا ہی رہے گا۔ تلوار گھڑ لیجئے تو نام تلوار ہو گیا۔ مگر لوہے کی حقیقت وہی رہی۔

میرے بزرگو! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سرتاپا نور تھے اور نور ہی ہیں۔ ہاں ہمارے پاس تشریف لاتے ہوئے آپ نے لباسِ بشریت زیبِ تن فرما لیا اور یہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو ہمارے لباس میں ملبوس ہمارے پاس بھیجا۔ تاکہ ہم حضور سے مانوس ہو سکیں۔ اور حضور سے مانوس ہو کر ہم حضور کے فیوض و برکات سے مستفید ہو سکیں۔ لیکن میرے بھائیو! اس کا یہ معنی نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سطحی نظر سے دیکھ کر انھیں اپنی مثل سمجھنے لگیں۔

یاد رکھیے! یہ بہت بڑی جرأت اور بے ادبی ہے۔ اور اگر کسی کی عقل یہ کہے کہ اس میں بے ادبی کی کونسی بات ہے جبکہ دو آنکھیں ہماری اور دو ہی چشمان مبارک حضور کی تھیں۔ دو ہاتھ ہمارے اور دو ہی حضور کے بھی تھے۔ پھر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حضور ہماری مثل تھے تو اس میں کیا بے ادبی ہے؟ تو میں گذارش کروں گا کہ فرعون کی بھی دو آنکھیں تھیں۔ اور تمھاری بھی دو ہی آنکھیں ہیں۔ اُس کے بھی دو کان تھے اور تمھارے بھی دو ہی کان ہیں۔ تو پھر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تم فرعون کی مثل ہو۔ تو خدا لگتی کہنا۔ کہ اس سے تمھارا دل تو نہ دُکھے گا؟ اور تم بُرا تو نہ مناؤ گے؟ اگر نہیں تو پھر ایسے شخص سے شکوہ بھی کیا؟ اور اگر بُرا مناؤ گے اور اسے اپنی توہین سمجھو گے تو خدارا محبوبِ کبریا کو بھی اپنی مثل نہ کہو۔ کہ یہ بات بہت نہیں۔ فرعون کی مثل کہنے سے بھی کہیں زیادہ بُری بات ہے۔

بن مانس

میرے بھائیو! اس طرح ظاہری و سطحی نظر سے بندر کو دیکھئے تو وہ انسان سے بہت ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ دو ہاتھ اُس کے اور دو ہی انسان کے۔ پھر کیا کسی بندر کو انسان کی مثل کہنا زیبا ہے؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ایک فرق تو ہے۔ بندر کی دُم ہوتی ہے۔ مگر انسان کی نہیں۔ تو صاحبان! بندر کی ایک قسم "بن مانس" کی بھی ہے کہ بن مانس کی دُم نہیں ہوتی تو فرمائیے اب کیا ارشاد ہے۔ کیا بن مانس کو کسی معزز آدمی کی مثل یا اس معزز آدمی کو بن مانس کی مثل کہہ لینا جائز ہے۔؟ صاحبِ عقلِ سلیم کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے۔ مگر بن مانس کی جو کہانی ہے۔ وہ مولانا رُومی کی زبانی سنیئے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

ہر چہ مردم مے کند بوزینہ ہم — آں کند کو مرد بیند مبدم
آں گماں بردہ کہ من کردم چو او — فرق را کے داند آں استیزہ رو

"یعنی جو کچھ آدمی کرتا ہے۔ بندر بھی نقال بن کر وہی کچھ کرنے لگتا ہے اور پھر گمان کرنے لگتا ہے۔ کہ میں بھی انسان کی مثل ہوں۔"

خدا تعالیٰ ایسی سمجھ سے دُور رکھے۔ اور عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

مِنْ اَنْفُسِكُمْ

حضرات! مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کی ایک دوسری قرأت بھی ہے اور وہ ہے مِنْ اَنْفَسِكُمْ۔ یعنی "ف" کی زبر ہے۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

وَقُرِئَ مِنْ اَنْفَسِكُمْ بِفَتْحِ الْفَاءِ اَىْ مِنْ اَشْرَفِكُمْ وَاَفْضَلِكُمْ (روح البیان ج ۱ صفحہ ۹۷۲) یعنی یہ یُوں بھی پڑھا گیا ہے۔ مِنْ اَنْفَسِكُمْ "ف" کی زبر کے ساتھ۔ یعنی تم سب سے زیادہ نفیس تر۔ اشرف و افضل۔

اس قرأت کے مطابق اب آیت کا یہ معنی ہو گا کہ "بیشک تمھارے پاس تشریف لائے۔ تم سب سے زیادہ نفیس تر۔ افضل و اشرف رسول۔"

میرے بھائیو! علمارِ کرام ومفسرینِ عظام نے یہ بھی لکھا ہے

جانِ جہان کہ جس طرح سارے بدن میں "جان" نفیس تر اور سارے
اعضاء سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہے۔ اسی طرح رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم سارے
جہان میں جان کی مثل نفیس تر اور افضل و اشرف ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ
علیہ وسلّم سارے جہان کی جان ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔ اس لیے کہ جان
ہی کی وجہ سے زندگی ملتی ہے اور سارے جہان کی بقاء بھی حضور صلی اللہ علیہ
وسلم ہی کی بدولت ہے۔ ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہوں تو کچھ نہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

تو گویا خدا تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تمھارے پاس وہ رسُول تشریف
لائے جو تم سب اولین و آخرین کی جان ہیں۔ اور جیسے کہ جان کے سوا بدن بیکار ہے
ویسے ہی تم بھی اس رسول کے سوا بیکار ہو۔ یعنی اگرچہ کیسے ہی نیک و متقی بن جاؤ۔
اعمالِ صالحہ اختیار کر لو اور بڑے پرہیزگار و پارسا ہو جاؤ۔ مگر ہمارے اس رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تابعداری نہ پائی گئی تو کچھ بھی نہیں ہو ؎

نہ ہو کچھ ذائقہ عشقِ محمّد کا اگر دل میں
تو زہدِ خشک سے زاہد کو استغفار بہتر ہے

میرے بزرگو! قرآنِ پاک میں خدا تعالیٰ نے پانچ نبیوں (علیہم السّلام)
کو اُن کی قوم کا بھائی کہہ کر یاد فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔
اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ نُوْحٌ ____
حضرت ہود علیہ السلام کے لیے فرمایا:۔
وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ____
حضرت صالح علیہ السلام کے لیے فرمایا:۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا ____
حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے فرمایا:۔
وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ____
اور حضرت لُوط علیہ السّلام کے لیے فرمایا:۔
وَاِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ____

اور جب ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مبعوث فرمانے کا ذکر فرمایا
تو یوں فرمایا۔ کہ تمھارے پاس تمھاری جان آگئی۔
سبحان اللہ! کیا شان ہے رسُولِ دوجہان اور جانِ جہان صلی اللہ علیہ وسلّم
کی۔ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہماری جان ہیں۔ جانِ جہان ہیں بلکہ جانِ ایمان
ہیں ؎

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
اور ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

بھائیو! یہی وجہ ہے کہ جتنی محبت و شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی امت
سے ہے اتنی محبت و شفقت کسی نبی کو اپنی اُمت سے نہ تھی۔ بھائی اگرچہ بھائی
پر مشفق و مہربان ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی جو شفقت جان کو اپنے بدن پر ہوتی
ہے۔ اُس جیسی شفقت بھائی کو بھائی پر نہیں ہو سکتی۔ جس طرح جان اپنے بدن
کی حفاظت میں کوشاں رہتی ہے۔ اس طرح کوئی بھائی اپنے بھائی کی حفاظت
نہیں کیا کرتا۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ جس طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم
نے اپنی اُمت کو بچانے کی کوشش فرمائی ہے اس طرح کی کوشش کسی
دوسرے نبی میں آپ کو نظر نہ آئے گی۔ بھائی بھائی سے تنگ آکر اس کا مخالف
بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جان بہر حال اپنے بدن کے ساتھ ہی لگی رہتی ہے۔ وہ کبھی بدن

کی تکلیف نہیں چاہتی۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ جب پہلے نبیوں کی امتوں نے ان کی بات نہ مانی اور راہِ ہدایت اختیار نہ کی تو انبیاء سابقہ علیہم السلام نے اپنی نافرمان اُمتوں کی ہلاکت کی دُعائیں مانگ لیں اور وہ ہلاک ہو گئیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب آپ کی تبلیغ سے کچھ فائدہ نہ حاصل کیا اور کفر پر ہی اڑے رہے تو حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر یہ دعا مانگ لی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔

چنانچہ یہ دُعا مانگنے سے اللہ کی طرف سے ایک عذابِ عظیم پانی کے طوفان کی شکل میں آیا اور سب ہلاک ہو گئے۔ مگر جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم نے ستایا اور حد سے زیادہ تنگ کیا تو باوجود اس کے کہ فرشتوں نے بھی آکر عرض کیا۔ کہ حضور! اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان گستاخوں کا بیڑا غرق کر دیں۔ مگر جانِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب یہی دیا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ ہلاک ہو جائیں۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے پہچان لیں اور راہِ ہدایت پر آجائیں۔ چونکہ حضور علیہ السلام جان ہیں اور جان بدن کی ہلاکت کبھی نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ نے قوم کے لیے ہلاکت کی دُعا نہ فرمائی۔ بلکہ آپ سے جب ہلاکت کے لیے دعا مانگنے کے لیے عرض کیا گیا تو ؎

یہ سُن کر رحمۃ اللعالمین نے ہنس کر فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

اور دُعا مانگی تو یہ مانگی کہ ؎

کہ اے پروردگار آمرزگاران کو معافی دے
نہ کر ان کی خطاؤں کا شمار ان کو معافی دے

قیامت کے روز

میرے بھائیو! کل قیامت کے روز جو بڑا ہی ہولناک روز ہوگا سب نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے اور کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے دُور بھاگے گا۔ چنانچہ

خدا فرماتا ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۔ یعنی اس روز انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ بھائیو! اس روز بھائی تو بھائی سے بھاگے گا مگر اُس دن بھی کوئی شخص اپنے بدن سے بیزار نہ ہوگا۔ بلکہ اپنے بدن ہی کے بچاؤ کے لیے کوشاں ہوگا یہی وجہ ہے کہ سارے انبیاء کرام علیہ السلام بھی اس روز نفسی نفسی فرما رہے ہوں گے مگر ایک جانِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے جو اُمتی اُمتی فرما کر اپنے جانِ عالم ہونے کا مظاہرہ فرما رہے ہوں گے اور اپنی امت کو بچانے کے لیے زیرِ عرش سجدہ ریز ہو کر جنابِ الٰہی میں شفاعت فرمائیں گے اور اپنے غلاموں کے لیے موجبِ نجات بن کر دکھائیں گے اور نقشہ یہ ہوگا ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سُناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
خاک افتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے
آپ گر کر سجدے میں ہم کو اٹھاتے جائیں گے

استغفار

حضرات! دیکھئے۔ ہم میں سے جب کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو گناہ کرتے ہاتھ پاؤں یا آنکھ وغیرہ ہیں۔ مگر توبہ کرنے کے لیے اُو نادم ہونے کے لیے جان ہوتی ہے۔ اور جان اس فکر میں رہتی ہے کہ توبہ کو خدا قبول فرمالے۔ تاکہ میرا بدن خدا کی گرفت سے بچ جائے۔ بھائیو! اسی طرح گناہ کرتے تو ہم ہیں۔ لیکن ان گناہوں کی معافی کے لیے استغفار حضور فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو معصوم بلکہ معصوموں کے بھی سردار ہیں۔ مگر یہ جو روایات میں آتا ہے کہ دن میں ستر مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ تو یہ استغفار جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم گناہگاروں کی طرف سے ہوا کرتا تھا۔ آپ کا اپنے لیے استغفار فرمانا نہ تھا۔ اس لیے کہ استغفار تو وہ کرے۔ جو گناہگار ہو۔ اور حضور تو سرتاپا معصوم بلکہ سید المعصومین ہیں۔ مگر چونکہ آپ ﷺ ہماری جان ہیں اور استغفار کرنا جان ہی کا کام ہے۔ اس لیے آپ ہی اپنی اُمت کے لیے استغفار

فرمایا کرتے تھے۔ ؎

باہمہ جسمیم باجان تو باشش ! باہمہ موریم سلیمان تو باشش !

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کی جان ہیں۔ میرے بھائیو! اب یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ انسان ہمیشہ کام کیا کرتا ہے جس سے اس کی جان راحت میں رہے۔ اور اس کی جان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان ہیں تو ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہو۔ اور آپ ہم سے ناراض ہو جائیں۔

میرے بزرگو! خوب یاد رکھو۔ کہ جو کام خلافِ شرع ہیں۔ اُن کاموں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچتا ہے اور آپ خلافِ شرع کاموں سے ناراض ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے لڑکے کی شادی ہو۔ اور اس کی برادری کی یہ ضد ہو۔ کہ اس شادی میں رقص و سرود اور باجے گاجے ضرور ہوں۔ اگر یہ کام نہ ہوئے تو ہم ناراض ہو جائیں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ برادری کو خوش رکھنے کے لیے ان خلافِ شرع حرکات کو اپنا لیتے ہیں۔ حالانکہ ان خلافِ شرع حرکات سے ہمارے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر کس قدر ظلم ہے اور کتنی ناعاقبت اندیشی ہے کہ برادری کو تو ناراض نہ کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر لیا جائے۔ میرے بھائیو! ایسے موقعہ پر سچا مسلمان وہ ہے جو برادری اگر بگڑے تو بگڑنے دے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ ہونے دے۔ اور اس کا طرزِ عمل اس شعر کے مطابق ہو کہ ؎

میرے عمل سے نہ خویش خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

مطلب یہ کہ یا رسول اللہ! میرے اس خلافِ شرع حرکات سے رُک جانے کے باعث خویش و اقربا سب ناراض ہو گئے ہیں۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

اس لیے کہ آپ تو خوش ہیں نا۔

خلافِ شرع حرکتیں

حضرات! آج کل بیاہ شادیوں میں اس قدر خلافِ شرع حرکتیں ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ! خوب یاد رکھیے کہ یہ باجے گاجے، ڈھول ڈھمکے، رقص و سرود وغیرہ شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ آج کل جس بیاہ شادی میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں لوگ اسے "شادی" سمجھتے ہی نہیں۔ اسی واسطے ان خرافات کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس قدر اہتمام کہ ایک جگہ تو انھیں خرافات میں کچھ اس قدر منہمک ہوئے کہ اصل بات ہی بھول گئے۔ چنانچہ:

لطیفہ

ہمارے ہی علاقہ کے ایک گاؤں کا قصہ کسی نے سنایا تھا کہ اس گاؤں میں ایک برات آئی۔ اور برات والے ساتھ ہی ایک رنڈی کو بھی ناچنے کے لیے لائے۔ چنانچہ رات دن خوب ناچ گانا ہوا، اور دوسری خلافِ شرع حرکات بھی جی بھر کے کیں۔ باجوں اور آتشبازیوں کا بھی زور رہا۔ دوسرے روز دلہن کو پالکی میں بٹھا کر جب واپس ہوئے تو راستے میں یاد آیا کہ ارے! "نکاح پڑھانا تو یاد ہی نہیں رہا"۔ چنانچہ پھر وہاں سے پلٹے اور نکاح پڑھایا۔ اور دوبارہ پھر دلہن کو پالکی میں بٹھایا۔ اور گھر آئے۔ دیکھا آپ نے فضول رسموں میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ اصل بات کا خیال ہی نہ رہا۔ میرے بھائیو! اس قدر بھی غفلت کیا ہوئی۔ کہ دین کا خیال ہی نہ رہے۔ افسوس! کہ آجکل یہ غفلت عام ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ سچا مسلمان وہ ہے جو ایسے موقعوں پر جانِ جہان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ کرے اور انھیں رنج نہ پہنچائے۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

میرے بزرگو! خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پھر اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ "وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے"۔ یعنی ہر وہ بات جو تمہیں تکلیف دے اور تم اس سے مشقت میں پڑ جاؤ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا غمخوار آقا ملا ہے ہم کو۔ بخدا ایسی شفقت و رحمت ماں باپ کو بھی اپنی اولاد پر نہیں ہوتی۔ جیسی شفقت و رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ہے۔ میرے بھائیو! ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ جس پر عمل پیرا ہونے سے ہم ہر قسم کی تکلیف سے بچ سکتے ہیں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

بغیر منڈیر کے چھت پر سونا

ہمیں بغیر منڈیر کے چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ (ترغیب و ترہیب ص۵۵۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر منڈیر کے چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ شفقت ہے۔ گویا فرمایا گیا ہے کہ بغیر منڈیر کے اگر چھت پر سو جاؤ گے تو رات کے کسی حصہ میں اگر کسی ضرورت کو اُٹھے اور نیند کے عالم میں منڈیر کے نہ ہونے کی وجہ سے نیچے گر گئے تو ہاتھ پیر تمہارے ٹوٹیں گے۔ اور رنج ہمیں پہنچے گا۔

دھوپ چھاؤں میں سونا

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دھوپ میں اور کچھ سائے میں سونے سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۵۵۳ پر یہ احادیث موجود ہیں اور اطباء سے پوچھ لیجئے۔ کہ دھوپ چھاؤں میں سونے سے آدمی بیمار پڑجاتا ہے اور برص کا مرض لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی شفقت کی بناء پر ہے کہ دھوپ چھاؤں میں لیٹنے سے اگر تم بیمار ہو گئے تو یہ بات ہم پر گراں گزرے گی۔

سمندر کے جوش کے وقت بحری سفر نہ کرو

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

بھی فرمایا ہے۔ کہ "سمندر جب جوش میں ہو۔ اور اس میں طوفان کا عالم ہو۔ تو بحری سفر نہ کرو۔" سبحان اللہ! کیا کیا شفقت آمیز ارشادات ہیں۔ ماں باپ بھی تو اس قدر شفقت نہیں کرتے۔ اسی طرح فرمایا۔ جوتا پہنو، تو اُسے جھاڑ کر پہنو۔ بستر پر لیٹو تو پہلے اُسے جھاڑ لو۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ جوتے میں یا بستر پر کوئی موذی جانور ہو، جو تمہیں کاٹ لے۔ اور تم تکلیف اور مشقت میں پڑجاؤ۔ اور ہمیں تمہاری یہ مشقت گراں گزرے۔ میرے بھائیو! وہ جو ایک شاعر نے لکھا ہے نا کہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ!
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ تو محض ایک شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے۔ لیکن "عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" کے مطابق یہ بات بالکل حق اور درست ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور میں واقعی سارے جہان کا درد ہے اور آپ کے کسی غلام کو کہیں بھی کوئی تکلیف ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رنج پہنچتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جب کہ آپ سارے عالم کی جان ہیں۔ اور جان کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ جسم کے کسی حصہ کو کوئی تکلیف پہنچے تو جان بے قرار ہو جاتی ہے۔ سر زخمی ہو تو جان بے قرار۔ ہاتھ زخمی ہوں تو جان بے قرار۔ پیر زخمی ہوں۔ تو جان بے قرار ہو جاتی ہے۔ یعنی چاہے سر زخمی ہو۔ جو بلند ہے۔ اور چاہے پیر زخمی ہوں جو پست ہے۔ جان دونوں ہی کے لیے بے قرار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امت میں سے اعلیٰ مرتبے رکھنے والوں پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ہے تو مجھ جیسے ادنیٰ لوگوں کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت موجود ہے۔ اسی لیے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

اچھے ان کے ہیں تو اے کیفؔ بُرے کس کے ہیں
اپنی امت ہے محمد کو پیاری ساری

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سارے جہان کی جان ہیں اور سارا جہان

گویا بدن ہے۔ تو اس جہان میں کافر بھی ہیں۔ اور کافروں نے یقیناً جہنم میں جانا ہے۔ تو ان کا جہنم میں جانا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجبِ تکلیف نہ ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بدن کے کسی حصہ کا جب تک جان سے تعلق رہتا ہے۔ اس وقت تک جان کے لیے اپنے اس حصۂ بدن کی تکلیف موجبِ رنج و تکلیف ہوتی ہے اور جب کوئی حصۂ بدن جان سے بے تعلق ہو جائے تو پھر جان کو اس کی تکلیف کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ مثلاً دیکھئے ایک انگلی خراب ہو جائے اور اُسے کاٹ کر الگ پھینک دیا جائے تو اب چونکہ اس انگلی کو کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا ہے۔ اور اس کا جان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس لیے اب چاہے اس انگلی کو آگ میں ڈال دیجئے۔ اُسے سانپ کاٹ لے یا بچھو ڈس لے۔ چاہے اس کا قیمہ کر دیجئے۔ جان کو اس کی کوئی تکلیف نہیں۔ اس لیے کہ اب اس انگلی کا جان سے تعلق کوئی نہیں رہا۔ بس اِسی طرح کافر وہ لوگ ہیں جو جانِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ چکے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ اب چاہے وہ جہنم میں جائیں یا انھیں سانپ اور بچھو کھا جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا؟ "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" تو غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ جو سراسر حضور ہی سے متعلق ہیں۔ اور وہ انھیں کے تھے، انھیں کے ہیں اور انھیں کے رہیں گے — بُرے سہی۔ لیکن ہیں تو انھیں کے دامن گیر۔ ایک اُنگلی زخمی ہو جائے۔ اور زخمی ہو جائے۔ لیکن رہے جان سے متعلق ہی۔ تو دیکھ لیجئے۔ جان اس کے لیے بے قرار ضرور رہے گی۔ بلکہ جان بے قرار رہتی ہی الم رسیدہ اعضا کے لیے ہے۔ اور جو صحیح سالم اعضا ہیں۔ اُن کی طرف سے تو وہ مطمئن ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۶)

"میری شفاعت میری امت کے گناہگاروں کے لیے ہے۔"

سبحان اللہ! کس قدر شفقت و رحمت ہے۔ کہ اپنے الم رسیدہ غلاموں کے

لیے اعلان فرما دیا کہ میں ان کی شفاعت فرماؤں گا۔ نیک لوگوں کی بھی حضور شفاعت تو فرمائیں گے۔ لیکن محدثین نے لکھا ہے کہ وہ شفاعت رفعِ درجات کے لیے ہوگی اور وضعِ سیئات یعنی گناہوں کے بخشوانے کی شفاعت تو مجھ جیسے گناہگاروں کے لیے ہے۔ تو بھائیو! ہم گنہگار سہی۔ لیکن ہیں تو انہی کے۔ اسی لیے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

سبحان اللہ! اعلیحضرت کی شاعری بھی کیا ایمان افروز شاعری ہے آپ اسی نسبتِ غلامی کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ ؎

تجھ سے در۔ در سے سگ۔ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے، دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

ہاں تو خدا نے فرمایا ہے۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ "یعنی جو بات تمھیں مشقت میں ڈالنے والی ہو۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گزرتی ہے۔" میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے کہ پہلی امتوں میں بڑے بڑے گراں احکام نازل ہوئے۔ ایک قبولیت توبہ ہی کے لیے دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے نازل ہُوا۔ کہ اگر اپنی توبہ کی قبولیت چاہتے ہو تو — فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ "آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔" چنانچہ انھوں نے گوسالہ پرستی کے جرم میں اپنی توبہ کے لیے ایک دوسرے کو قتل کیا تو اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ غور فرمالیجئے۔ کہ یہ حکم کس قدر سخت ہے۔ مگر چونکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی اُمت کا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر اس قدر سخت احکام نازل نہیں فرمائے۔ اُمتِ موسیٰ علیہ السلام کو قبولیت توبہ کے

لیے سچے دل سے نادم ہو کر دو آنسو بہا دینا ہی کافی ٹھہرایا۔ اور یہ سب صدقہ ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ؎

صدقے اِس رحم کے اِس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے،

اختیارِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو! آپ نے سُنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ:۔

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶)

"اگر میں اپنی امت پر یہ بات شاق نہ سمجھتا تو انہیں نمازِ عشاء دیر سے پڑھنے کا حکم دیتا۔ اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

مطلب یہ کہ نمازِ عشاء دیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے ساتھ مسواک ضرور کرنے سے چونکہ میری اُمت مشقت میں پڑ جائے گی۔ اس لیے میں نماز دیر سے پڑھنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسی حدیث کے حاشیہ پر دیکھ لیجئے۔ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ:

لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ ای لَفَرَضْتُهُمْ عَلَیْهِمْ تَاخِیْرَهٗ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ — یعنی اگر امت کا مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز رات کے تیسرے حصہ میں پڑھنا فرض کر دیتا۔"

میرے بھائیو! غور کرو کہ اس حدیثِ پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ثابت ہوا یا نہیں؟ اور یہ بات ثابت ہوئی یا نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کو چاہیں۔ فرض قرار دے دیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو فرض قرار نہ دیں۔

میرے بھائیو! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہی ہو۔ کہ "جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:۔ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ۔ یعنی اگر مجھے اُمت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں

"تاخیرِ عشاء اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔ مگر چونکہ مجھے اپنی امت کی مشقت منظور نہیں۔ اس لیے میں ان باتوں کو فرض نہیں فرماتا" کس لیے ہے؟

کیوں صاحب! جسے کوئی اختیار ہی نہ ہو۔ اُسے اپنے خیال اور اپنی شفقت کو درمیان لانے کا کیا حق ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی اختیار نہ تھا۔ اور تاخیرِ عشاء اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا خدا کا عائد کردہ فرض تھا۔ تو پھر حضور کو اپنی امت کا مشقت میں پڑنے کا خیال ہوتا یا نہ ہوتا بہرحال امت پر یہ باتیں فرض ہی ہو جاتیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرما رہے ہیں۔ کہ اگر مجھے امت کا خیال نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا۔ حضور کے اس ارشاد سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ اختیار حاصل ہے۔ کہ کسی بات کو اگر چاہیں تو امت پر فرض فرما دیں۔ اور نہ چاہیں تو فرض قرار نہ دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے بھی اس حکم کی تعمیل امت پر فرض ہو جاتی ہے اور شریعت بن جاتی ہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کہ اگر کوئی شخص یوں لکھ دے کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" تو وہ کس قدر جاہل اور مقامِ رسالت سے بے خبر ہے۔

رسول کے چاہنے سے

میرے بزرگو اور دوستو! اس پرفتن دور میں ایک خیال بھی سننے میں آتا ہے کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" حالانکہ رسول کے چاہنے سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جسے رسول چاہتا ہے اُسے خدا بھی چاہتا ہے۔ آپ نے ابھی ابھی سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے چاہنے سے تاخیرِ عشاء اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کا فرض نہ ہونا" ہو گیا۔ اسی طرح خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنیئے۔ حضور فرماتے ہیں:

لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّهَبِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳)

"اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں"

دیکھیے حضور علیہ السلام صاف فرما رہے ہیں۔ کہ اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ سونے

کے بن جائیں اور میرے ساتھ ساتھ چلا کریں۔ کیوں صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود یوں فرما رہے ہیں کہ میں چاہوں تو پہاڑ بھی سونے کے ہو جائیں اور چلنے بھی لگیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا"۔ پھر کیوں نہ کہا جائے کہ ایسا لکھنے والا یا کہنے اور سمجھنے والا رسول کو رسول مانتا ہی نہیں۔ اور جو رسول کو رسول مانتا اور دل و جان سے اس پر فدا ہے۔ اس کا نعرہ یہ ہے کہ ؎

"تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا — تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول"

شفاعت

میرے بھائیو! اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ اس نے ہمیں ایسا غمخوار رسول عطا فرمایا۔ کہ جسے ہمارا مشقت میں پڑنا گوارا نہیں وہ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے آج ہمیں ایک کانٹا چبھ جانا بھی منظور نہیں۔ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت میں ہمارا جہنم میں جانا کیسے منظور فرمائے گا۔؟ ؎

دوزخ میں اُن کا چاہنے والا نہ جائے گا
کیونکہ رسولِ پاک سے دیکھا نہ جائے گا
اُلفت ہے دل میں اُن کی غلام نبی ہوں میں
دوزخ میں مَیں تو کیا میرا سایہ نہ جائے گا

بھائیو! جو آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) آج اپنے غلاموں کو ہر مشقت سے بچا رہا ہے۔ کل بھی وہی آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں ہر تکلیف سے بچائے گا۔ اور ہم اگر گنہگار ہیں تو ہماری شفاعت فرمائے گا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے کہ

نماز لعصیاں کسے در گرد
کہ دارد چنیں سیدِ پیش رو
اگر دفترِ از گنہ پاک نیست
چہ او عذر خواہد بود باک نیست

اور ایک اور بزرگ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

شانِ اُمت پروری حضرت دکھاتے جائیں گے
ہم گنہ گاروں کو حضرت بخشواتے جائیں گے
ہم گنہ گاروں کی خاطر حشر کے دن شاہِ دیں
زیرِ عرشِ کبریا آنسو بہاتے جائیں گے
دوستو میدانِ محشر میں شفیع المذنبیں
اُمتی یا اُمتی کہہ کر بلاتے جائیں گے
بخشوا کر اپنی امت کو وہ شاہِ بحر و بر — خانۂ فردوس میں ہم کو بساتے جائیں گے

حضرات! کل قیامت کے روز ہر ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دامن میں پناہ لینا پڑے گی اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ فرمائیں گے اور کوئی شفاعت کے لیے تیار نہ ہوگا۔ ہاں ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غمخوار و شفیع ہوں گے جو اَنَا لَهَا۔ اَنَا لَهَا "میں ہوں شفاعت کے لیے" فرماتے ہوئے گنہگاروں کی ڈھارس بندھائیں گے۔ اور زیرِ عرش سجدہ ریز ہو کر ہم گنہگاروں کی نجات کا انتظام فرمائیں گے۔ میرے بھائیو! ذرا غور تو کرو۔ کہ جس آقا کے در پر کل ہمیں جانا پڑے گا اور جس کے وسیلہ سے کل ہمیں جلالِ ایزدی سے بچنا ہے، آج اگر اسی کے در پر جانے سے روکا جائے اور اُسے یاد کرنے اور "بلانے" سے بھی منع کیا جائے تو کس قدر ظلم ہے۔ اور کس قدر ناعاقبت اندیشی ہے! میرے بھائیو! ہم تو آج بھی اپنے آقا و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر شوق و محبت سے حاضر ہوتے ہیں۔ ان کا نام لے کر دُور سے بھی ہدیہ صلوٰۃ و سلام حاضر کرتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی اَغِثْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰه کہنے کے عادی ہیں اور ان شاء اللہ کل بھی اسی طرح درود و سلام پڑھتے ہوئے اور اغثنی یا رسول اللہ کہتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جائیں گے۔ لیکن آج اگر کسی کو نہ اُن کے در پر جانے کا شوق ہے اور نہ ہی

اُن پر درود و سلام بھیجنے کی تڑپ ہے۔ اور نہ ہی اغثنی یا رسول اللہ کہنے کی عادت ہے۔ تو وہ کل قیامت میں کس منہ سے وہاں حاضر ہوگا۔ اور کس منہ سے اغثنی یا رسول اللہ کہے گا۔ بھائیو! اگر اغثنی یا رسول اللہ یہاں کہنا شرک ہے تو کل قیامت کے ہولناک دن میں بھی شرک ہی رہے گا۔ وہاں کا شرک توحید نہیں بن جائے گا۔ پھر یہ تو بڑی مشکل ہوگی کہ اگر کل یہ نعرہ نہ لگایا تو خدا تو اس جلال میں ہوگا۔ کہ

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْم

فرما کر یوں فرمائے گا

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار

وہاں تو قہرِ ایزدی کا سامنا ہوگا۔ اس قہرِ ایزدی سے بچنے کے لیے رحمۃٌ للعالمین کی پناہ لازمی ہوگی۔ اور اس دامن میں پناہ لینے کے لیے دربارِ رسالت کی حاضری لازمی ہوگی اور اَغثنی یا رسول اللہ کا نعرہ بھی ضروری ہوگا۔ اور اگر یہ سب باتیں وہاں بھی شرک نظر آتی رہیں تو پھر اُن سے دُور ہی رہنا پڑے گا۔ اور جو اُن سے دُور رہا تو اُس کا جو ہولناک نتیجہ ہے ظاہر ہے کہ ؎

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہُوا ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

پھر کیوں نہ آج ہی اُن سے تعلق پیدا کیا جائے اور آج ہی ان کا محتاج بنا جائے۔ اور دن رات ان کا نام لیا جائے۔ اور اگر آج ان باتوں سے لگاؤ نہیں۔ اور خیال یہ ہو کہ جائز نہیں۔ تو پھر کل جو مشکل پیش آنے والی ہے۔ اُس کا حل یقیناً کوئی نہیں۔ اسی لیے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا بہت خیال ہے اور آپ پر ہر وہ بات جو ہمیں مشقت میں ڈالے گراں گزرتی ہے۔

ہماری پرواہ

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اسے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ خود فرماتا

ہے: وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْن ۔ یعنی "اللہ تعالیٰ سارے عالموں سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔" اُسے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ ان باتوں سے پاک و منزہ ہے کسی کا بیٹا مر جائے۔ اُسے کوئی پرواہ نہیں۔ وہ مالک و مختارِ حقیقی اور بے نیاز و غنی ہے۔

میرے بھائیو! اُدھر اللہ تعالیٰ بے نیاز و بے پرواہ ہے اور اِدھر ہم سراپا احتیاج اور اس امر کے متمنی ہیں۔ کہ ہماری کسی کو پرواہ ہو۔ اور ہمارے دُکھ درد میں کوئی شریک ہو۔ ہم نے گویا عرض کی۔ کہ الٰہی! تیری ذاتِ پاک کو تو کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہماری کسی کو پرواہ بھی ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ہمیں مخاطب فرما کر فرمایا۔ کہ میرے بندو! گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمہاری پرواہ رکھنے والا بھی پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ ہے میرا محبوب جنابِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ وہ رسُول ہے جو تمہارے دُکھ درد میں شریک ہے اور تمہاری ہر مشکل میں تمہاری پرواہ فرماتے ہوئے تمہارے کام آنے والا ہے۔ یہی وہ رسول ہے۔ جس کی یہ شان ہے کہ جو بات بھی تمہیں مشقت میں ڈالے۔ وہ اس پر گراں گزرتی ہے۔ اور جس کے قلبِ انور میں تمہاری اتنی محبت ہے۔ کہ اتنی محبت ماں کو بھی اپنی اولاد سے نہیں ہوتی۔

روزہ و سحری

میرے بزرگو! ماہِ رمضان کو دیکھیئے۔ اس مہینے میں اللہ تعالےٰ نے ہم پر روزے فرض کئے ہیں۔ اور روزہ کیا ہے؟ صبح سے شام تک نہ کھانا نہ پینا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مہینے میں سارا سارا دن کھانے پینے سے روک دیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نہ کھانا اور نہ پینا۔ یہ بات ہمارے لیے ایک مشقت کا کام ہے۔ اب دیکھیئے کہ اس موقعہ پر ہماری پرواہ رکھنے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً" (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۴)

یعنی سحری اُٹھو اور کھاؤ۔ کہ اس میں برکت ہے۔"

سبحان اللہ! ہمارے غمخوار آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ میری امت کو مہینہ بھر میں بھوکا پیاسا رہنا ہے۔ تو اپنی امت کے لیے سحر کا اٹھنا اور کچھ کھا پی لینا ضروری قرار دے دیا۔ تاکہ میرے غلام سحری کے وقت کچھ کھا پی لیا کریں اور دن بھر انھیں روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت کا سامنا نہ ہو۔ اور پھر روزہ افطار کرنے کے لیے یوں فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا (کتاب مذکور)

یعنی "جو شخص روزہ جلدی افطار کرے وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے"

دیکھا آپ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد پاک سنا کر روزہ جلدی افطار کرنے کی تلقین فرما دی۔ گویا غمخوار آقا کو ہر صورت میں اپنے غلاموں کی سہولت ہی منظور ہے۔ اُدھر سحری کھلائی۔ اِدھر روزہ جلدی کھلوایا معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی ہماری بڑی پرواہ ہے اور آپ ہماری راحت وسہولت ہی میں خوش ہیں۔ بھائیو! خدائے بے نیاز نے ہمیں فرمایا کہ میرے روزے میں نہ کھاؤ نہ پیو۔ اور رسول غمخوار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں یوں فرمایا۔ کہ میری سنت سحری میں خوب پراٹھے اور گھی کھاؤ۔

بھائیو! دیکھ لو جس کسی نے ساری عمر پراٹھے نہ کھائے ہوں۔ جسے عمر بھر گھی نہ میسر آیا ہو۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت کرمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی پراٹھے کھلاتا ہے۔ گھی کھلاتا ہے۔ دودھ پلاتا ہے اور دہی کھلاتا ہے۔ سچ فرمایا ہے اعلیٰحضرت نے کہ ؎

رب معطی ہے یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں!
ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں!

صیام وصال

حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صیامِ وصال رکھا کرتے تھے اور صیامِ وصال کا یہ معنی ہے کہ آپ خود بنفسِ نفیس ایسے متواتر روزے بھی رکھتے تھے۔ جن میں رات کو اور سحری کو بھی آپ کچھ تناول نہ فرماتے

تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ادائے مبارک کو بھی اپنانا چاہا اور جب انھوں نے بھی صیامِ وصال رکھنے شروع کر دیئے تو وہ کمزور ہونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کی کمزوری ونقاہت کو ملاحظہ فرمایا تو صحابہ کو ایسے روزے رکھنے سے منع فرما دیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ حضور! آپ خود تو ایسے روزے رکھتے ہیں۔ پھر ہمیں منع کیوں فرماتے ہیں تو ارشاد فرمایا:- اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۴)

"تم میں سے میری مثل کون ہے؛ میں تو رات کو سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلا بھی دیتا ہے اور پلا بھی دیتا ہے"

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ سوتے یہاں ہیں اور ہوتے وہاں ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ مجھے تمھارے اس دنیوی کھانے پینے کی کیا حاجت؟ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ کیوں صاحب! کوئی ہے ایسا شخص جو کئی روز متواتر کچھ کھائے نہ پیئے اور پھر اُسے کوئی تکلیف نہ ہو اور وہ یوں کہے کہ مجھے تمھارے اس دنیوی کھانے پینے کی حاجت نہیں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔

بھائیو! جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہتے ہیں۔ اُن سے کہیے کہ تم بھی ذرا متواتر کھانا پینا چھوڑ کر دکھاؤ تو۔ پھر دیکھو۔ تمھارا بھی تارا سنگھ والا حال ہوتا ہے یا نہیں۔ بھائیو! خبردار! کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل نہ کہنا۔ اور اس بات کا کبھی وہم تک بھی نہ لانا۔ دیکھو حضور خود صحابہ سے فرما رہے ہیں؛ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ کون ہے۔ تم سے میری مثل۔؟ تو جب صحابہ کرام میں بھی حضور کی مثل کوئی نہیں تو آج کون ان کی مثل ہو سکتا ہے۔ ؎

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صیامِ وصال سے روکنا اسی لیے ہے کہ امت

کہ تکلیف نہ ہو۔ سبحان اللہ! کیا غمخواری ہے۔ بخدا تارا سنگھ اگر کلمہ پڑھ لیتا تو کبھی "مرن برت" کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتا۔ بھائیو! بچے کی ماں کو دیکھو۔ کس طرح اپنے بچوں کو زبردستی بھی کھلاتی پلاتی ہے۔ بچے کو کھانے پینے کی طرف دھیان نہ ہو تو ماں خود بلا کر زور سے بھی اُسے کھلا پلا دیتی ہے۔ دیکھ لو ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیں غلاموں کو گویا زبردستی کھلا پلا رہے ہیں۔ میرے بھائیو! اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے کس کس احسان کا ذکر کروں۔ بخدا حضور کے دنیا بھر پر اتنے احسان ہیں کہ ان کا شمار ہی نہیں۔ خدائے بے نیاز کی توحید عین ایمان ہے مگر ایسی برائے نام توحید جس کے ساتھ اقرار رسالت اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہو۔ بیکار اور زبانی جمع خرچ ہی ہے۔

بھائیو! یہ دنیا کی ساری نعمتیں سب صدقہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور ان نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ سیر و تفریح۔ بال بچوں میں رہنا وغیرہ سب اداہائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو ان سب باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ پھر اگر ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے کو نکال دے تو پھر ایسے شخص کو چاہیے کہ صرف خدا ہی کو دیکھے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے۔ نہ بیٹا۔ نہ باپ۔ وہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے۔ بس اسی کی نقل اُتارے۔ وہ نہ کھاتا ہے۔ نہ پیتا ہے۔ بس یہ بھی کھانا پینا چھوڑ دے۔ پھر دیکھیے کیا لطف آتا ہے۔ بزرگو اور دوستو! یہ سب بہاریں اور رونقیں ہیں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں۔ ؎

ہے انھیں کے دم قدم سے باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے تو کچھ نہ تھا گر وہ نہ ہوں تو کچھ نہیں

ماں

میرے بھائیو! ایک اور بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آپ معلوم کر چکے کہ ماں اپنے بچوں کے کھانے پینے اور اُن کی صحت و تندرستی کا خیال رکھتی ہے۔ اور جن بچوں کی ماں ہو وہ صاف ستھرے اور کھانے پینے والے بچے ہوتے

ہیں۔ ماں اپنے بچوں کو طرح طرح کی نعمتیں کھلاتی ہے۔ ہاں جن کی ماں مر گئی ہو۔ اُن پر اگر فاقے آئیں تو تعجب نہیں۔ میرے بزرگو! خدا کے فضل سے ہم اپنا غمخوار آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھتے ہیں۔ ہمارے نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کھلانے پلانے والے موجود ہیں۔ ہمیں اگر کوئی یوں کہے۔ کہ یہ تو حلوہ خور ہیں۔ شب قدر کو حلوے کھاتے ہیں۔ عید کو سویاں کھاتے ہیں۔ میلاد شریف کی مٹھائی کھاتے ہیں۔ گیارہویں شریف کے چاول کھاتے ہیں۔ وہ تو سچ کہتا ہے ہم بیشک سب کچھ کھاتے ہیں۔ ہمارا کھلانے والا زندہ ہے۔ ہم یتیم نہیں ہیں۔ ہم اپنا وہ رسُول رکھتے ہیں۔ جو ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہے۔ وہ عطا فرماتا ہے اور ہم کھاتے ہیں۔ ہاں جن کا رسُول بقول اُن کے مر کر مٹی میں مل گیا ہے۔ انھیں اگر نہ حلوہ ملے۔ نہ مٹھائی۔ تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ یتیم کا یہی حال ہوتا ہے۔

لطیفہ

اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سُن لیجئے۔ ایک بادشاہ نے بھرے دربار میں حاضرین سے سوال کیا۔ بتاؤ میری ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں؟ میرے اس سوال کا جو معقول جواب دے گا۔ اُسے منہ مانگا جواب دوں گا۔ اور جو جواب نہ دے سکا اُسے مروا ڈالوں گا۔ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر جواب دینے کے لیے اُٹھنا۔ بادشاہ کا یہ اعلان سُن کر سب دم بخود رہ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اُٹھ کر جواب دے۔

اس مجلس میں ایک دانا ظریف بھی تھا۔ وہ اُٹھا اور کہنے لگا۔ حضور! میں بتاتا ہوں۔ کہ آپ کے ہاتھ پر بال کیوں نہیں ہیں۔ بادشاہ نے کہا، بتاؤ۔ وہ بولا۔ حضور! یہ آپ کی سخاوت کا نتیجہ ہے۔ آپ اتنے بڑے سخی ہیں۔ کہ ہر وقت خیرات کرتے ہی رہتے ہیں۔ پس آپ کی ہتھیلیوں کے بال خیرات دے دے کر گھس گئے ہیں۔ اس جواب سے بادشاہ خوش ہُوا۔ اور پھر پوچھا۔ اچھا تمھاری ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں۔ چالاک ظریف بولا۔ حضور! آپ جب دیتے ہیں۔ مجھی کو دیتے ہیں۔ آپ کے بال دے دے کر اور میرے لے لے کر گھس گئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اور یہ جو سارے حاضرین بیٹھے ہیں۔ ان کی ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں۔ وہ بولا۔ حضور! آپ جب بھی

خیرات دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیتے۔ ہمیشہ مجھی کو دیتے ہیں۔ پس آپ کے بال خیرات دے دے کر۔ میرے لے لے کر۔ اور ان سب کے حسد سے ہاتھ مل مل کر گھس گئے ہیں۔

بھائیو! شب قدر کو۔ عیدین کو۔ گیارھویں شریف کو جب بھی اللہ حلوہ، مٹھائی اور میٹھے چاول دیتا ہے۔ بحمد اللہ ہمیں کو دیتا ہے۔ دینے والا دیتا ہے لینے والے لیتے اور کھاتے ہیں۔ اور ہاتھ ملنے والے ملتے اور تلملاتے ہیں۔

؎ سب کرشمہ ہے تیری بگڑی ہوئی تقدیر کا

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے "تمہاری بھلائی کے چاہنے والے!" بھی ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری اصلاح اور ہمارا نیک ہو جانا مطلوب ہے۔ آپ نہیں چاہتے کہ ہم میں کوئی روحانی و جسمانی خرابی نظر آئے چنانچہ آپ کی جملہ تعلیم پاک ایسی تعلیم پاک ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور آج اگر ہم میں کوئی خرابی ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پاک سے غفلت برتنے ہی کے باعث ہے۔

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

خدا تعالیٰ نے پھر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ناموں میں سے دو نام عطا فرمائے اور فرمایا میرا یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کے لیے رؤف بھی ہے۔ اور رحیم بھی۔

شرک

بھائیو! بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک و متصرف اور عالم ماننا شرک ہے۔ اس لیے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ بھائیو! اگر اللہ کی کسی صفت کا کسی لحاظ سے بھی کسی مخلوق میں ماننا شرک ہے تو پھر "موجود" بھی اللہ کی صفت ہے تو پھر کسی مخلوق کو موجود بھی نہیں ماننا چاہیے "حیّ" بھی اللہ کی صفت ہے۔ پھر کسی مخلوق کو زندہ بھی نہ ماننا چاہیے۔ سمیع و

متکلم وغیرہ بھی اسی کی صفات ہیں۔ تو پھر کسی کو سننے والا۔ دیکھنے والا اور کلام کرنے والا بھی نہیں ماننا چاہیے۔ اور شرک سے بچنے کے لیے سب کو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہی ماننا چاہیے۔ حالانکہ اس موقعہ پر سب یہی کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! یہاں شرک نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ "موجود" ذاتی ہے۔ اور بغیر کسی کے موجود کرنے کے خود بخود ہی موجود ہے۔ اور مخلوق جو موجود ہے۔ وہ اللہ کے موجود فرمانے سے اور اس کی مہربانی سے موجود ہے۔ اس لیے جب کہ اس صفت کی نوعیت بدل گئی تو شرک نہ رہا۔ اسی طرح دیگر صفات بھی اللہ کی ذاتی صفات ہیں۔ اور مخلوق کی اس کی عطا سے۔ پس اسی طرح مالک و متصرف اور عالم یہ صفات بھی اللہ کی تو ذاتی ہیں۔ وہ خود بخود سب کا مالک ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی تملیک سے سب کے مالک ہیں۔ وہ متصرفِ ذاتی ہے۔ اور اس کا محبوب متصرف باذنہٖ۔ اور اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو پھر یہاں کیا کہیے گا۔ کہ قرآن پاک ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا ہے۔ کہ:۔

إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

اور یہاں اپنے حبیب کے لیے فرمایا ہے۔ کہ

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

گویا قرآن پاک ہی کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی رؤف و رحیم ہے اور اللہ کا محبوب بھی رؤف و رحیم ہے۔ ہمارے پاس تو وہی جواب ہے کہ اللہ کا رؤف و رحیم ہونا ذاتی ہے اور اس کے محبوب کا رؤف و رحیم ہونا عطائی ہے۔ مگر جو لوگ اس فرق کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کیا کہیں گے۔ مگر وہ کچھ کہیں۔ قرآن تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان رؤف و رحیم فرما رہا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفاتِ الٰہیہ کے مظہر اتم ہیں ؎

نبی ہمارا خدا کا پیارا رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے
طبیب بھی ہے حبیب بھی ہے علیم بھی ہے کریم بھی ہے

خدا کا تحفہ

میرے بھائیو! اب میں روح البیان کی ایک روایت سنا کر اپنا یہ وعظ ختم کرتا ہوں۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں ایک ایمان افروز روایت درج فرمائی ہے۔ وہ سنیے اور سر دھنیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض حکماء سے یہ مروی ہے کہ :-

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ رَأْسَہٗ مِنَ الْبَرَکَۃِ۔ وَعَیْنَیْہِ مِنَ الْحَیَاءِ۔ وَاُذُنَیْہِ مِنَ الْعِبْرَۃِ وَلِسَانَہٗ مِنَ الذِّکْرِ وَشَفَتَیْہِ مِنَ التَّسْبِیْحِ۔ وَوَجْہَہٗ مِنَ الرِّضَاءِ۔ وَصَدْرَہٗ مِنَ الْاِخْلَاصِ۔ وَقَلْبَہٗ مِنَ الرَّحْمَۃِ۔ وَفُؤَادَہٗ مِنَ الشَّفْقَۃِ وَکَفَّیْہِ مِنَ السَّخَاوَۃِ۔ وَشَعْرَہٗ مِنْ نَبَاتِ الْجَنَّۃِ وَرِیْقَہٗ مِنْ عَسَلِ الْجَنَّۃِ وَلَمَّا اَکْمَلَہٗ بِہٰذِہِ الصِّفَاتِ اَرْسَلَہٗ اِلٰی ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا تو آپ کے سرِ انور کو برکت سے پیدا فرمایا۔ چشمانِ مبارک کو حیا سے اور مقدس کانوں کو عبرت سے پیدا فرمایا۔ زبانِ پاک کو ذکر سے۔ لبہائے مبارک کو تسبیح سے اور چہرۂ انور کو رضا سے پیدا فرمایا۔ سینۂ انور کو اخلاص سے۔ دل مبارک کو شفقت سے اور ہتھیلیوں کو سخاوت سے اور بالوں کو جنت کی کیاریوں سے اور لعابِ دہن شریف کو جنت کے شہد سے پیدا فرمایا۔ اور جب آپ کو ان کمالاتِ عالیہ سے مکمل فرما دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وجودِ رحمت اس اُمت کی طرف بھیج دیا۔ گویا یہ اللہ کا ایک خاص تحفہ ہے جو خدا نے ہم عاجزوں کو عطا فرمایا۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

چھبیسواں وعظ

خُلقِ عظیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ط (پ ۲۹ ع ۳)

اور بیشک تمھاری خو بڑی شان کی ہے۔

حضرات! آج مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے محبوب کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ تمھاری خُو بڑی شان کی ہے۔ اور تمھارا خُلق خُلقِ عظیم ہے۔ اعلیحضرت نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

ترے خُلق کو رب نے عظیم کہا تری خلق کو رب نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور پاک کے خُلقِ پاک کی کہ خدا تعالیٰ

اُسے عظیم فرما رہا ہے۔ میرے بھائیو! جسے خدا تعالیٰ عظیم فرمائے اور جسے اللہ تعالیٰ بڑا قرار دے۔ اُس کی عظمت کو کون بیان کر سکتا ہے؟ یہ دیکھیے پہاڑ کس قدر اُونچے اور بڑے ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کو سبھی بڑا سمجھتے ہیں۔ کسی دلیر اور قوی آدمی کی نسبت چٹانوں سے کی جاتی ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں مرد تو چٹان ہے۔ میرے بھائیو! یہ پہاڑ ہماری نظر میں تو بڑے ہی بلند و بالا اور بڑے ہوتے ہیں۔ مگر خدا کے سامنے یہ سب پہاڑ ہیچ ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ (پ ۲۸ ع ۶) ۔ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ اللہ کے خوف سے جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا۔

دیکھا آپ نے عظمتِ کلام پاک کو کہ کلام پاک کی عظمت کے سامنے یہ پہاڑ ہیچ ہیں۔ اور ان کے لیے قرآن کی عظمت کا بار ناقابلِ برداشت ہے۔ اسی طرح سمندر ہماری نظر میں بڑا وسیع اور ناپیدا کنارہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سمندر کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (پ ۱۶ ع ۳) تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

گویا یہ سمندر کی پہنائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیچ ہیں اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ میرے بھائیو! یہ ساری دنیا جس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بڑے بڑے سمندر ہیں اور جس میں چھ برِاعظم ہیں اور ان میں بڑی بڑی وسیع و عریض اشیاء ہیں۔ یہ جنگلات اور یہ جمادات کا عالم۔ درندوں۔ پرندوں اور جملہ حیوانات کی دنیا۔ چاند۔ سورج۔ کواکب اور زمین و آسمان کی بے پناہ پہنائیاں اور وسعتیں۔ یہ

ساری کائنات۔ عرش و فرش۔ بحر و بر۔ حجر و شجر۔ شمس و قمر اور دنیا و ما فیہا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی عظمت اور بڑائی رکھتی ہے؟ آئیے خود خدا ہی سے پوچھیے۔ خدا فرماتا ہے:۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (پ ۵ ع ۸)

یعنی فرما دو یا رسول اللہ! کہ سارا سامانِ دنیا تھوڑا ہے اور زائل و فانی ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے سارے ساز و سامان کو "تھوڑا" فرما رہا ہے۔ ہم نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا کہ الٰہی! کائنات کا سب کچھ تیرے سامنے تھوڑا ہی ہے۔ آخر تیرے سامنے کوئی چیز بڑی بھی ہے؟ تو خدا تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے کہ میرے بندو! یہ ساری کائنات میرے سامنے ہیچ اور تھوڑی ہے۔ یہ دریا۔ پہاڑ۔ سمندر وغیرہ سب ہیچ اور تھوڑے ہیں مگر ــــ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

اے میرے کملی والے محبوب! تیرا خُلق بہت بڑا وسیع اور عظیم ہے۔

سبحان اللہ! پڑھیے درود شریف۔

صلی اللہ علیک وسلّم یا رسول اللہ
صلی اللہ علیک وسلّم یا حبیب اللہ

میرے بزرگو! اب خود ہی اندازہ لگا لیجیے۔ اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلق پاک کی عظمت کا کہ خود خدا تعالیٰ اس خلقِ پاک کی بڑائی اور وسعت کا اعلان فرما رہا ہے۔ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کچھ ایسے رؤف و رحیم اور خلیق و کریم بن کر تشریف لائے ہیں کہ اپنے تو بھلا حضور کے اپنے ہیں ہی۔ بیگانوں نے بھی اس عالم میں حضور کے چشمۂ فیض و کرم سے حصہ پایا اور حضور نے اپنے دشمنوں پر بھی لطف و کرم کی بارش فرمائی: ؎

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

طائف میں

دیکھیے سرزمینِ طائف میں جہاں دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد تکالیف دیں۔ اور حضور پر پتھر بھی برسائے۔ وہاں جب حضور سے عرض کیا گیا۔ کہ یا رسول اللہ! ان دشمنوں کی ہلاکت کے لیے دعا فرمائیے۔ تو ؎

یہ سن کر رحمۃ للعالمین نے ہنس کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

میدانِ اُحد میں جب آپ کا دندانِ مبارک شہید کیا گیا تو ؎ (پنجابی شعر)

پتھر مارن والے نائیں کیہا رسول سچا دیں
ہن بھی جے توں میں قول اَویں کدی نہ دوزخ جا دیں

عقبہ کی شرارت

میرے بھائیو! ہمارے حضور کو دشمنوں نے بڑا تنگ کیا اور بڑی بڑی اذیتیں دیں۔ مگر حضور ہمیشہ دعا ہی فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن معیط نے آپ کی گردنِ مطہر میں چادر ڈال کر حضور کی گستاخی کی۔ ایک روز آپ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں گئے تو عقبہ نے آپ کی پشتِ انور پر بوجھ رکھ دیا تاکہ حضور کو سرِ انور اٹھاتے ہوئے تکلیف ہو۔ شاعر لکھتا ہے۔ ؎

سجدے میں سر تھا بوجھ اُٹھانے تو کس طرح
البتہ التجا تھی یہ ربِّ غفور سے
اللہ میری قوم کی لغزش معاف کر
باز آئے جلد اپنے یہ فسق سے فجور سے

بھائیو! کفارِ مکہ نے حضور کو بڑا ہی تنگ کیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے بددعا فرما دیتے تو اُن کا صفایا ہو جاتا۔ مگر اللہ رے خلقِ مصطفےٰ کہ اُن کے لیے دعائیں ہی فرماتے رہے۔ ؎

سر سے پا تک ہر ادا ہے لاجواب   مصطفےٰ ہیں آپ خود اپنا جواب

ہیں دعائیں سنگِ دشمن کے عوض   اس قدر ترمیم ایسے پتھر کا جواب

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا رہینِ منت ہے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل اور اس کے غلام اور دوست بھی موجود تھے۔ حضور نے ابوجہل کو دعوتِ اسلام دی۔ اسلام کی طرف بلایا تو مردود ابوجہل غصہ میں آگیا اور حضور کو بُرا بھلا کہنے لگا اور حضور کے سرِ انور کو زخمی بھی کر دیا۔ حضور نہایت غمگین ہو کر واپس گھر تشریف لائے۔ اس واقعہ کو حضرت حمزہ کی باندی دیکھ رہی تھی۔ اس نے حضرت حمزہ کی بیوی یعنی حضور کی چچی سے سارا واقعہ کہہ دیا۔ حضور کی چچی کو بڑا رنج ہوا۔ جب حضرت حمزہ گھر آئے تو بیوی نے حضرت حمزہ سے کہا کہ آج ہمارے فرزند محمد[1] بن عبد اللہ کو یتیم سمجھ کر ابوجہل نے مارا ہے۔ آپ محمد[1] کے چچا ہیں۔ آپ کو محمد[1] کی حمایت کرنا چاہیے۔ حضرت حمزہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور باہر نکل آئے اور ابوجہل کو تلاش کر کے ایسا پیٹا کہ مردود کا سر پھٹ گیا اور اس سے فرمایا کہ تو نے محمد[1] کو لاوارث سمجھ رکھا ہے؟ خبردار! آئندہ اُس کو مت ستانا۔ خوب سن لو کہ میں بھی اُس کا حمایتی ہوں۔ حضرت حمزہ حضور کا بدلہ لے کر گھر واپس آئے اور حضور کے پاس آ کر دیکھا کہ حضور نہایت غمگین بیٹھے ہیں۔ وجہ پوچھی تو حضور نے بھی سارا قصہ سنایا۔ حضرت حمزہ نے کہا۔ اے محمد! خوش ہو جاؤ۔ کہ جس ابوجہل نے تمہیں ستایا ہے اُسے میں خوب پیٹ کر آیا ہوں اور اس کا سر پھوڑ کر آ رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ چچا میں اس سے خوش نہیں ہوا۔ اگر مجھے خوش کرنا ہے تو میری مرضی پر چلو۔ چچا نے کہا۔ اچھا بتاؤ میں کیا کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ؎

اگر خوش کرنا ہے مجھ کو تو چچا جان یوں کیجیے
مرے اللہ کی توحید کا اقرار کر لیجیے!

[1] صلی اللہ علیہ وسلم

اے چچا! میں بدلہ لینے سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں مجھے خوش کرنا ہے تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائیے۔ حضرت حمزہ نے فوراً پڑھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

دیکھا آپ نے کہ ہمارے حضور کا دل خوش ہوا تو بدلہ لینے سے نہیں۔ بلکہ توحید و رسالت کے اقرار سے۔

اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا

بھائیو! جو کہا جاتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ یہ بالکل غلط اور خلافِ نقل و عقل ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ اگر اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہوتا۔ تو تلوار کا اثر تو صرف جسم پر ہی ہوتا ہے مگر اسلام جہاں گیا ہے۔ وہاں دلوں تک پہنچا ہے اور اسلام لانے والوں نے ہزارہا مصائب و آلام برداشت کرکے بھی ایک بار اس نعمت سے مشرف ہوکر پھر اس نعمت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہوتا تو مسلمان ہونے والے چند دنوں ہی میں پھر جاتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اسلام لاتے رہے۔ وہی مبلغ بن جاتے رہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ وہ یہ تو بتائیں۔ کہ وہ لوگ جو تلوار کے زور سے دوسروں کو مسلمان کرتے رہے وہ خود کس تلوار سے مسلمان ہوئے تھے۔ بھائیو! ناچار یہی ماننا پڑے گا کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں بلکہ خلقِ مصطفےٰ کی تلوار سے پھیلا ہے۔

پٹھان

اچھا صاحب! یہ جو ہمارے پٹھان بھائی ہیں۔ ماشاءاللہ جری دلیر اور اس قدر اپنی ہٹ کے پکے کہ کچھ ہو جائے۔ مگر اپنے ارادہ کو کبھی ترک نہیں کرتے۔ ہمارے پٹھان بھائیوں کی زیادہ تر خوراک گوشت ہے' اور گوشت بھی بیل کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے' اس کی عادات کا کچھ اثر کھانے والے پر ضرور پڑتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے خنزیر ایک بے غیرت جانور ہے اور جو لوگ خنزیر کھاتے ہیں۔ مثلاً اہلِ یورپ

تو ان میں بھی غیرت کا فقدان ہے۔ بلکہ انگریزی ڈکشنری میں تو لفظ غیرت کا وجود ہی نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ نہ صرف انگریزی ہی بلکہ سوائے عربی زبان کے دنیا بھر کی کسی بھی زبان میں ایسا لفظ موجود نہیں۔ جس کا معنیٰ "غیرت" ہو۔ "شیم" شرم یا خودداری وغیرہ یہ اور چیزیں ہیں اور "غیرت" ایک مخصوص جذبہ ہے۔ جو اسلام نے پیدا فرمایا ہے اور "غیرت" کا لفظ بھی اسلام ہی نے دیا ہے۔ تو جس جانور کا گوشت کھایا جائے۔ اُس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی غذا کتوں کا گوشت مقرر کرے اور اس کا کھانا ثواب سمجھنے لگے تو یقیناً وہ کاٹیں کاٹیں کرنے لگے گا۔

ہاں تو بیل کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ اپنی ہٹ کا پکا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہیں ریلوے لائن میں کھڑا ہو اور گاڑی آجائے تو بیل اپنی آنکھیں نکال کر سیدھا انجن کو دیکھتا رہے گا۔ مگر لائن سے ہٹنے کا نہیں۔ یہی عادت کچھ ہمارے پٹھان بھائیوں میں ہے اور اس کا تجربہ ڈوگروں نے محاذِ کشمیر پر کرلیا ہے۔ ہمارے پٹھان غازی نہ کسی بم سے ڈریں، نہ تلوار سے، میدان میں ڈٹ گئے تو ڈٹ گئے۔ تلوار تو کیا تلوار کا باپ بھی آجائے تو یہ نہ ہٹیں۔ اور سیانے اس قدر کہ انگریز کو بھی چنے چبا دیتے تھے۔ فقیر ایپی کے کارنامے کسے یاد نہیں۔

لطیفہ

کہتے ہیں کہ انگریز کے دور میں انگریزوں نے علاقہ پاکستان یعنی آزاد علاقہ میں کچھ دُور ریل لے جانا چاہی۔ اور پٹھان مجاہدین سے اس امر پر گفتگو کی۔ کہ ہم تمہارے علاقہ میں چند میل ریلوے لائن بچھانا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے عوض اتنے لاکھ روپیہ دیں گے۔ پٹھان مجاہدین نے مان لیا اور روپیہ لے کر معاہدہ کرلیا کہ اس حد تک ریلوے لائن بچھالو۔ انگریز اپنی کامیابی پر خوش ہوتے اور ریلوے لائن پر بھی ہزاروں روپیہ خرچ کرکے لائن بچھادی اور جب پہلی مرتبہ اس پر انجن چلایا تو مجاہدین بگڑ گئے اور لائن کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور کہا۔ "ہم نے معاہدہ کیا تھا کہ ریلوے لائن بچھالو۔ یہ کب کہا تھا کہ

اِس پر انجن بھی چلالو ——

لائن بھی اکھیڑ دی اور مال موذی بھی لے لیا۔

ہاں تو یہ مجاہدین پٹھان جو تلوار کے باپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ بتایا جائے کہ ان لوگوں کو کس تلوار نے مسلمان کیا ہے؟ کیا اس لوہے کی تلوار نے یا خلقِ مصطفےٰ کی تلوار نے؟ ——

اور سُنیے! سرزمین کشمیر کا راجہ ہری سنگھ تھا۔ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ اور حیدر آباد دکن جہاں کا نواب مسلمان تھا۔ وہاں غیر مسلموں کی کثرت ہے۔ حالانکہ اگر اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہوتا تو ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ حیدر آباد میں جہاں اسلامی تلوار تھی مسلمان زیادہ ہوتے مگر معاملہ برعکس نظر آتا ہے کہ جہاں اسلامی تلوار چلانے والا ہے۔ وہاں مسلمان کم ہیں اور جہاں اسلامی تلوار چلانے والا کوئی نہیں۔ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ معلوم ہُوا کہ جس تلوار کے زور سے اسلام پھیلا ہے۔ وہ تلوار لوہے کی نہیں۔ بلکہ وہ اخلاقِ نبوی کی تلوار ہے۔

تعلیم نبوی میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم پاک ایسی اخلاق آموز اور رحمت بھری تعلیم ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ساری لڑائیاں جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے حضور کا ارشاد ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

"جو تجھ سے قطع کرے تو اس سے مل اور جو تجھ پر
ظلم کرے تو اُسے معاف کر دے"

سبحان اللہ! کیا رحمت بھرا ارشاد ہے اور اسی ایک ارشاد پر عمل شروع ہو جائے۔ تو سارے افتراق و فساد دور ہو سکتے ہیں۔ میرے بھائیو! حضور کی اسی تعلیم نے عرب کے بڑے بڑے جابروں کو متواضع اور بڑے بڑے ظالموں کو محسن بنا دیا تھا۔ بت پرستوں کو خدا پرست اور دنیا پر مرنے والوں کو عافیت کا شیدائی

کر دیا تھا۔ دلوں میں کچھ ایسا خوفِ خدا پیدا کر دیا تھا کہ ہر مسلمان چھوٹا ہو یا بڑا اپنے اللہ سے ڈرنے لگا اور ہر بات میں عاقبت کو پیشِ نظر رکھنے لگا۔

فاروق اعظم اور ایک شخص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ سحری کے وقت مسجد میں آرہے تھے کہ کسی شخص کے پاؤں پر آپ کا پاؤں آگیا۔ وہ شخص بے خبری میں کہنے لگا

کہا اس نے اندھا ہے اے بے خبر — لگے معذرت کرنے حضرت عمر
کہ اندھا نہیں ہوں خطاوار ہوں — خطا بخشنے کا طلب گار ہوں

بزرگوں کے الطاف تو دیکھئے
کہ کیا کیا کرم عاجزوں پہ کیے

دیکھا آپ نے فاروقِ اعظم کی تواضع اور آپ کے اعتراف کو؟ سبحان اللہ! اس قدر جلیل القدر ہستی کہ قیصر و کسریٰ ان کے نام سے لرزہ براندام۔ اور تواضع کا یہ عالم کہ ایک عام شخص سے طالبِ عفو ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم بڑے آدمی ہیں۔ چاہے کسی کو موٹر کے تلے کچل ڈالیں۔ ہمیں کوئی کیوں پوچھے؟ یہ سارا کمال تعلیمِ نبوی کا تھا جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان عامل تھے۔

میرے بھائیو! ہمارے آقا کا ارشاد ہے: خِیَارُکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقاً۔ یعنی تم میں سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؂

در ہمہ احوال و افعال اے فتا
قبلۂ خود ساز خلقِ مصطفےٰ

یعنی ہر مسلمان کو اپنے جملہ احوال و افعال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق کو سامنے رکھنا چاہیئے اور ہر وقت حضور ہی کو دیکھنا چاہیے۔ بھائیو! اخلاق وہی اخلاقِ حسنہ ہیں۔ جو حضورؐ نے سکھائے اور یہ جو نئی روشنی کے اخلاق ہیں۔ یہ تو انتہائی درجہ کی بد اخلاقیاں ہیں۔ کتوں سے پیار، انسانوں سے نفرت،

نحوست وغرور، خداترسی سے نفور، عریانی و فحاشی اور ریا کی و عیّاشی وغیرہ۔ یہ
ساری باتیں ایسی ہیں جو ہمارے حضور کی تعلیم کے سراسر خلاف ہیں انسان و مسلمان
ہونا اخلاقِ نبوی کو اپنانے کا نام ہے۔ ہم دنیا میں آزاد نہیں چھوڑے گئے ہم غلام
ہیں حضور سرورِ کائنات کے۔ یاد رکھیئے اگر ہمیں عزّت و شرافت درکار ہے تو
ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے آقا و مولا کے دامن گیر ہو جائیں۔ حضور کا دامن
پکڑ لینے سے اللہ کی نظر میں ہم ذی وجاہت و عزّت بن سکتے ہیں اور اگر حضور
سے ہم جُدا ہو گئے تو سمجھ لیجئے ذلیل و خوار ہو گئے۔

ایک مثال

دیکھئے ایک مثال عرض کروں۔ ایک بوتل ہو جس میں پیشاب
بھرا ہوا اور وہ بوتل جیب میں ہو، ایسی حالت میں اگر کوئی
نماز پڑھنے لگے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ مگر کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے
کہ اس کی جیب میں چونکہ پیشاب ہے۔ اس لیے اس کی نجاست کی وجہ سے
نماز نہ ہوگی۔ اچھا صاحب! اور جو نمازی بغیر اس بوتل کے نماز پڑھنے لگے اُس
کی تو نماز ہو جائے گی نا؟ یقیناً ہو جائے گی۔ مگر اس نمازی کے پیٹ میں پیشاب
ہے اور نہ صرف ایک بوتل بھر۔ بلکہ ممکن ہے دو بوتل پیشاب ہو۔ تو اگر جیب
میں پیشاب ہونے سے نماز نہیں ہوتی تو پیٹ میں پیشاب ہونے سے نماز
کیسے ہو جاتی ہے؟ کیوں صاحب! یہ سوال ہے، قابلِ غور؟ آیئے میں اس کا
جواب آپ کو دوں سنیئے۔ نجاست جس مقام سے بنی ہو۔ وہ جب تک اپنے
منبع یعنی جائے پیدائش کے ساتھ لگی رہے۔ اس وقت تک وہ نجاست نہیں
کہلاتی۔ نجاست اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے منبع سے جُدا ہو جائے۔ یہ
پیشاب جس جگہ بنا ہے۔ جب وہاں ہی رہے گا۔ یہ پلید نہیں۔ پلید اس وقت
ہوگا۔ جب کہ اپنے اس مقام کو چھوڑ دے گا۔ تو وہ جو پیٹ کا پیشاب ہے۔ وہ چونکہ
اپنے اصل مقام ہی پر موجود ہے۔ اس لیے وہ نجس نہیں ہے اور اس کے ہوتے
ہوئے نماز ہو جائے گی۔ اور جو بوتل کا پیشاب ہے وہ چونکہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے اور

دوسری جگہ آچکا ہے اس لیے وہ نجس ہے اور اس کے ہوتے ہوئے نماز ہرگز نہ
ہوگی۔ یہ بوتل کا پیشاب، پیشاب کہلایا ہی اپنے مقام سے الگ ہو کر ہے۔ جب تک
اپنے مقام پر تھا۔ اس کا یہ نام نہ تھا۔ اپنے منبع سے الگ ہوا تو پیشاب کہلانے لگا۔

بلاتشبیہ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس دنیا میں آئے ہیں۔
ہماری اصل حضور ہیں۔ ہم جب تک اپنی اصل کے دامنگیر رہیں گے۔ ذی وجاہت
و معزز بنے رہیں گے اور جب حضور سے جُدا ہوئے تو نہ وہ عزّت رہی اور نہ
وہ وجاہت۔ وہ لوگ جو حضور سے کٹ کر اغیار کی بوتلوں میں نظر آتے ہیں وہ
اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ ماڈرن اور اپ ٹو ڈیٹ تو کہلا سکتے ہیں۔ مگر
مسلمان اُسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے
قدموں سے لپٹے رہیں۔

میرے عزیزو! اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی نظر نہ ہٹانا۔ کوئی کچھ
کہے اور نئے نئے خیالات و اجتہادات کے چکر میں پھنسائے۔ مگر تم اپنے نبی
کے قدموں سے چمٹے رہو۔ اگر خدا سے کچھ پانا ہے تو حضور ہی کے وسیلہ سے
پا سکتے ہو۔

دوسری مثال

یہ دیکھو۔ یہ آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ یہ اس کمرے میں ہے اور
انجن وہ دور دوسرے کمرے میں ہے۔ چکی بیچاری حیران
ہے کہ میں انجن کی حرکت اپنے آپ میں کیسے پیدا کروں؟ انجن وہ دور رہے
اور میں بہ اس سے دور ہوں۔ آخر انجن اور چکی میں ایک وسیلہ و واسطہ بنایا
گیا جسے پٹا کہا جاتا ہے۔ پٹے نے ایک طرف انجن کو آغوش میں لیا اور
دوسری طرف چکی کو آغوش میں لیا اور اُدھر انجن سے حرکت لینے لگا اور ادھر
چکی کو حرکت دینے لگا۔

بلاتشبیہ کہاں خالق اور کہاں مخلوق۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی احتیاج۔
مگر کہاں وہ اور کہاں ہم۔ آخر اللہ نے اپنی مخلوق پر کرم فرمایا اور خالق و مخلوق

کے درمیان ایک وسیلۂ عظمیٰ پیدا فرما کر ہم میں بھیجا۔ اور اس کا نام رکھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُدھر وسیلے نے خدا کی رحمت کو آغوش میں لیا اور ادھر ہم گنہ گاروں کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیا اور اُدھر اللہ سے لینے لگے اور ادھر ہمیں دینے لگے۔ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ کا ہے حرفِ مشدد کا

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

بھائیو! یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ انجن چلتا ہو تو اس کے پہیئے پر ہاتھ رکھ لیجیے تو کچھ ایسا خطرہ نہیں۔ مگر پٹے کی یہ شان ہے کہ جو اس کی طرف بڑھا، اور دست درازی کی تو فوراً پکڑا گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ گویا انجن یہ کہتا ہے کہ جس کسی نے پٹے کی طرف دست درازی کی اُسے میں نہ چھوڑوں گا۔

میرے بھائیو! ابنِ تیمیہ نے بھی اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں لکھا ہے کہ خدا کو گالی دینے والا بے ایمان اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ مگر جو بے ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اس کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ گویا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی وہ بچ نہیں سکتا۔ جو مرتا ہے پٹے ہی میں پھنس کر مرتا ہے اور جو بھی کافر ہے۔ وہ نبوت و رسالت ہی کا مارا ہوا ہے۔

بھائیو! بارگاہِ رسالتؐ کی بے ادبی سے بچتے رہو۔ یہ مقام بڑا ہی نازک مقام ہے ایسا نازک کہ

ع

نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

افسوس! کہ اس پُرفتن دور میں بعض لوگ مقامِ نبوت کی عظمت و اہمیت کو گھٹا کر اپنے مقام کو نہ صرف یہ کہ برابر بلکہ اُونچا دکھانے کی بے سُود کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ دیکھیے جو لوگ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت نہیں

مانتے وہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ شریفہ و سیرتِ مطہرہ کو قابلِ اتباع نہیں مانتے اور اپنے مزعومہ معانیٔ قرآن کو مسلمانوں سے منوانا چاہتے ہیں۔ گویا حضور نے جو کچھ فرمایا ہے اور کر کے دکھایا ہے۔ وہ حجت نہیں (معاذ اللہ) اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ماننے کے قابل ہے۔

بھائیو! اگر دین و دُنیا کی کامیابی حاصل کرنے کی تمنّا ہے تو اخلاقِ نبوی کو اپناؤ۔ حضور فرماتے ہیں: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں "تاکہ بزرگ اخلاق کی تکمیل کر دوں"۔ جس قدر بھی اخلاقِ حسنہ ہیں، اُن کی تکمیل حضور نے فرمائی ہے اور انسانیت نام ہے اخلاقِ حسنہ کا۔ اور اخلاقِ حسنہ کا منبع و مخزن ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جسے مسلمان بننا ہے، بلکہ جسے انسان بننا ہے وہ آئے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ کا دامن گیر ہو جائے۔ ورنہ ایسا شخص جس میں اخلاقِ نبوی کی جھلک نہیں وہ مسلمان تو کیا انسان کہلانے کا بھی حقدار نہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

---

۲۷ ستائیسواں وعظ

معراجِ پاک

"پہلے حصہ میں معراج شریف کا جو وعظ درج ہے۔
یہ وعظ اس سے مختلف ہے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سُبْحَانَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (الآیۃ)
ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَآءِ (الحدیث)

حضرات! ہمارے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور بہت سے کمالات اور نعمتیں عطا ہوئیں۔ وہاں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کمال "معراج پاک"

کا بھی عطا ہوا یعنی ہمارے حضور ۲۷ ویں رجب شریف کو جاگتے میں اور اپنے جسم انور کے ساتھ مکہ معظمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر اور پھر آسمانوں سے عرشِ اعظم اور لامکاں تشریف لے گئے اور سر انور کی مبارک آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار اس شان سے کیا کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ یعنی آپ کی پلک بھی نہ جھپکی۔ ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو جمال
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی!

یہ جو کچھ میں نے کہا ہے صحابہ کرام و اجلہ محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ چنانچہ شارح بخاری حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

فَالْحَقُّ اِنَّهٗ اِسْرَاءٌ بِرُوْحِهٖ وَجَسَدِهٖ یَقْظَةً فِی الْقِصَّةِ کُلِّهَا وَاِلٰی هٰذَا ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُحَدِّثِیْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَالْمُتَکَلِّمِیْنَ ـــــ

(مواہب لدنیہ ص۳ ج ۲)

"یعنی حق یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کی یہ ایک سیر تمام جسم و روح کے ساتھ اور جاگتے ہوئے ہوئی ہے اور یہی مذہب ہے۔ جمہور محدثین و فقہاء اور متکلمین کا۔"

حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج شریف میں فرماتے ہیں:۔

صحیح آن است کہ وجود اسرار و معراج ہمہ در بیداری و بجسد بود۔ و جمہور علماء از صحابہ و تابعین و اتباع و من بعدہم از محدثین و فقہاء و متکلمین برین اند۔ (مدارج النبوۃ ص۹ ج ۱) "صحیح یہ ہے کہ واقعہ سیر و معراج شریف سب بیداری میں اور جسم شریف کے ساتھ تھا۔ جمہور علماء صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین میں سے اور ان کے

بعد کے محدثین کرام و فقہاء و متکلمین سبھی اس بات پر متفق ہیں"
اور طبرانی شریف کی صحیح روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا :-

اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَمَرَّةً بِفُؤَادِهٖ ۔ (مواہب لدنیہ ص۳۷ ج ۲)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا ۔ ایک بار دل سے اور ایک بار چشم سر سے "

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی کریم کسی اپنے خاص دوست کو اپنے گھر بلائے اور اپنے محل میں دوست اپنے دوست کی ضیافت کرے تو یہ بات قرین قیاس نہیں کہ وہ کریم اپنے دوست سے پردہ کرے اور اپنا جلوہ اُسے نہ دکھائے ۔ میرے بھائیو! یہی حقیقت ہے جو میں نے بیان کی کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگتے ہوئے جسم انور کے ساتھ شرفِ معراج حاصل کیا اور سر انور کی چشمانِ مبارک سے اپنے رب کا دیدار پایا ۔ اسی لیے اعلیٰحضرت نے بھی لکھا ہے کہ :

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

قانونِ قدرت

حضرات ! پہلے میں مختصراً آجکل کی عقل کا ایک اعتراض اور اس کا جواب سُنا دوں ۔ تاکہ معراج پاک کے سچے واقعہ کو سنتے ہوتے یہ برائے نام عقل "کوئی شور نہ مچا سکے ۔ آج کل یہ کہا جاتا ہے کہ جس بات کو عقل تسلیم کر لے اور جو بات مشاہدہ میں آجائے وہ قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور جو بات عقل میں نہ آئے اور اس کا مشاہدہ نہ ہو ۔ وہ قانونِ قدرت کے مخالف ہے ۔ حالانکہ عقل کی یہ بات عقل کی بات نہیں ہے ۔ قانونِ قدرت کا ہماری یہ محدود عقل احاطہ نہیں کر سکتی ۔ اسی طرح ہمارا تجربہ یا

مشاہدہ بھی قانونِ قدرت کو محدود نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقلوں نے سارے قانونِ قدرت کو معلوم کر لیا ہے ۔ اور جو بات ہمارے مشاہدے کے خلاف ہوگی وہ قانونِ قدرت کے خلاف ہوگی ۔ ہماری عقل ، ہمارا علم ، ہمارا تجربہ اور ہمارے مشاہدات سب محدود ہیں اور ان میں آئے دن نئی نئی تحقیقات سے اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔ کئی تھیوریاں ہیں جو ایک وقت ثابت تھیں اور سب پر ان کا یقین تھا ۔ مگر بعد میں ایک محقق اُٹھا اور اُس نے اُن ساری تھیوریوں پر پانی پھیر دیا جیسے کہ مشہور ہے کہ پچھلے زمانہ کے ڈاکٹر پھل کو چھلکا اُتار کر کھانے کی ہدایت کیا کرتے تھے مثلاً ہری چھیل کا کیلا ہے ۔ پہلے ڈاکٹروں کا خیال یہ تھا کہ کیلے کو چھلکا اُتار کر کھایا جائے ۔ مگر آج کل تھیوری بدل گئی ہے ۔ اب ڈاکٹر یوں کہا کرتے ہیں ، کہ پھل کو چھلکے سمیت کھانا مفید رہتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ بہت ممکن ہے یہ تھیوری بھی بدل جائے اور آئندہ یوں کہا جانے لگے کہ پھل کا چھلکا ہی کھانا چاہیئے اور اندر کا گودا پھینک دینا چاہیئے ۔ یعنی ہری چھیل کا کیلا لیجیے اور چھلکا اُتار کر تناول فرما لیجئے اور اندر کا گودا پھینک دیجئے اور دیکھ لیجئے گا ۔ اگر کسی وقت یہ تھیوری اسی شکل میں سامنے آگئی تو یورپ کی ہر بات پر "آمنّا" کہنے والے ایسا ہی کیا کریں گے ۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے لیے یورپ کا نائی بڑا معتبر ہے ۔ یعنی یورپ کی ہر بات چاہے وہ عقل و نقل اور شریعت و طبیعت کے خلاف بھی کیوں نہ ہو ۔ ان لوگوں کے لیے وہ اچھی ہی ہے اور اُسے اپنانا ہی چاہیے ۔ مثلاً آج تک کھانا بیٹھ کر ہی کھایا جاتا رہا ہے اور ہمیں یہ شکوہ تھا کہ مقلدینِ یورپ چائے ، سوڈا وغیرہ کھڑے کھڑے کھانے لگے ہیں اور

کھڑے ہو کر کھانا

یہ ایک خاص انگریزی طرز ہے ۔ کہ میز پر کھانا چُن دیا جاتا ہے اور کھانے والے حضرات میز کے ارد گرد اپنے اپنے ہاتھوں میں پلیٹیں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر کھانا اپنی اپنی پلیٹوں میں لے کر میز کے ارد گرد پھیر پھر اور گھوم گھوم کر کھاتے ہیں یہ تو

اب اس انتظار میں ہوں کہ دیکھیں یہ لوگ دوڑ دوڑ کر کھانا کب شروع کرتے ہیں۔ سچ کہا ہے اکبرالہ آبادی نے۔ ؎

ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر اے حضور!
آپ خوش قسمت تھے جو بندر سے انساں بن گئے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہماری عقل، مشاہدہ اور ہمارے تجربات محدود ہیں۔ یہ قانونِ قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ خدا کا قانون بڑا وسیع ہے۔ پھر کئی ایسی باریک تبدیلیاں ہوتی ہیں جو ہزاروں سالوں کے بعد جا کر ایسی صورت اختیار کرتی ہیں کہ ہم ان کو محسوس کر سکیں۔ پس ہماری عقل، ہمارا تجربہ و مشاہدہ صرف انھیں قوانین کو معلوم کر سکتا ہے جو ہمارے زمانہ میں ہوں۔ اس لحاظ سے ہمارا مشاہدہ محدود اور وقتی ہوگا اور کامل ہرگز نہ ہوگا۔ اس کی مثال عرض کروں۔ دیکھیئے ایک شخص دن کے نو بجے پیدا ہوا، اور شام سے پہلے پہلے دو بجے فوت ہو گیا۔ اب اگر وہ بچہ اپنے اس پانچ گھنٹے کے مشاہدہ سے نتیجہ یہ اخذ کرے کہ سورج کا طلوع اور غروب سب جھوٹ ہے۔ سورج نہ چڑھتا ہے نہ ڈوبتا ہے بلکہ ہر وقت روشن ہی رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس بچے نے اپنے محدود مشاہدہ کی بناء پر ایک غلط اصول قائم کر لیا ہے۔ اگر وہ شام تک زندہ رہتا تو یقیناً سورج کا غروب ہونا بھی دیکھ لیتا اور اگر دوسری صبح بھی زندہ رہتا تو سورج کا طلوع ہونا بھی دیکھ لیتا۔ میرے بھائیو! یہی حالت دنیا کی ہماری عمروں کے مقابلے میں ہے۔ دنیا کی عمر لاکھوں، کروڑوں سال ہے۔ اور ہمارے تجربے زیادہ سے زیادہ سو یا ہزار سال کے سہی۔ بہرحال محدود اور وقتی ہیں۔ اس لیے یہ کسی صورت قانون قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

کنوئیں کا مینڈک کہتے ہیں سمندر کا ایک مینڈک اتفاقاً کسی کنوئیں میں گر گیا۔ کنوئیں میں بھی ایک مینڈک رہتا تھا۔ کنوئیں کے مینڈک نے جب ایک نئے صاف اور اُجلے مینڈک کو دیکھا تو اس سے پوچھنے لگا بھئی!

تم کہاں سے آئے؟ وہ بولا میں سمندر کا رہنے والا ہوں۔ کنوئیں کے مینڈک نے کہا۔ سمندر کیا ہوتا ہے؟ وہ بولا سمندر ایک وسیع و عریض اور ناپیدا کنار پانی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ کنوئیں کا مینڈک حیران ہو کر کہنے لگا۔ میرے اس کنوئیں سے بھی بڑا کوئی پانی کا ذخیرہ ہے؟ وہ بولا۔ ارے نادان! یہ تمھارا کنوآں اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ سمندر بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ کنوئیں کا مینڈک اپنے کنوئیں میں ایک فٹ تیر کر کہنے لگا کیا سمندر اتنا بڑا ہے؟ وہ بولا۔ بے وقوف! اس سے بھی کہیں بڑا ہے اس نے اپنے کنوئیں کے نصف دائرہ کا چکر کاٹا اور پوچھا کیا اتنا بڑا ہے؟ وہ بولا اس سے بھی بڑا۔ پھر اس نے کنوئیں کے سارے دائرہ کا چکر کاٹ کر پوچھا۔ تو کیا اتنا بڑا ہوتا ہے؟ سمندر کے مینڈک نے کہا۔ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا۔ کنوئیں کا مینڈک بولا میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ اس کنوئیں سے بھی بڑا کوئی ذخیرہ آب بھی ہو سکتا ہے؟ یہ بات میری عقل میں نہیں آئی اور میرے مشاہدے کے بالکل خلاف ہے۔ میرے بھائیو! کچھ یہی قصہ آجکل کی عقل کے کنوئیں کے مینڈک کا ہے۔ جو معجزات کے بحرِ ذخار کی وسعتوں کا صرف اس بناء پر انکار کر رہا ہے کہ وہ اس کے مشاہدے کے خلاف ہیں۔ کنوئیں کے مینڈک نے جس طرح صرف اپنے کنوئیں ہی کے محدود دائرے کو قانونِ قدرت سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح آجکل کے عقلی مینڈک نے بھی صرف اپنے تجربوں ہی کو قانونِ قدرت سمجھ رکھا ہے۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! واقعہ معراج شریف بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے بحرِ ذخار کی ایک موج ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ سرکار کے فضل و کمال کا سمندر "فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ" کے مطابق ناپیدا کنار سمندر ہے اور اس بے پایاں سمندر کی ہزاروں، لاکھوں موجوں میں سے معراج پاک بھی ایک موج اَوج ہے۔ اسی حقیقت پر اپنا ایمان رکھیئے اور کنوئیں کے مینڈک کو اگر وہ انکار کرتا ہے تو کرنے دیجئے۔ کہ وہ بیچارا معذور ہے۔

دورۂ مملکت میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو جہان کے رسول

اور سلطانِ دارین ہیں۔ اِس جہان کے بھی اور اُس جہان کے بھی آپ رسُول و حاکم ہیں۔ چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ میرے دو وزیر زمین پر ہیں اور دو آسمان پر۔ آسمان پر میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمین پر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۵۲)

کیوں صاحب! وزیر کس کے ہُوا کرتے ہیں؟ حاکم و بادشاہ ہی کے تو ہوتے ہیں۔ اور کسی حاکم و بادشاہ کے وزیر کیا اُس مقام پر بھی ہو سکتے ہیں جہاں اس کی حکومت نہ ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حاکم کے وزیر اسی مقام پر ہو سکیں گے۔ جس مقام پر اُس حاکم کی حکومت قائم ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت زمین پر بھی قائم ہے اور آسمان پر بھی۔ اسی لیے آپ کے وزیر زمین پر بھی ہیں اور آسمانوں پر بھی۔

میرے بھائیو! اس شان کا حاکم چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھا ہو گا کہ حکم فرمانے پر اِدھر زمین پر درخت بھی دوڑے چلے آ رہے ہیں اور اُدھر آسمان پر چاند بھی شق ہو رہا ہے اور سورج بھی واپس دوڑا ہُوا آ رہا ہے۔ ؎

چاند شق ہو۔ پیڑ بولیں۔ جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

میرے بھائیو! ہمارے بُلانے پر تو ہمارا سگا بیٹا بھی قریب نہیں آتا اور سرکار کے بُلانے پر شجر و حجر بھی لبیک کہتے ہوتے حاضر ہو رہے ہیں۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ کوئی شخص اُن کی مثل بننے لگے۔ ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی!
حضورِ بلبلِ بستان کرے نوا سنجی!

ہاں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مملکت کے یہ دونوں جہان گویا دو صوبے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رہیں۔ وہاں تشریف لے جائیں۔ یہ آپ کا اختیار ہے۔ آپ دونوں جہان کے حاکم ہیں۔ آپ کا آسمانوں پر تشریف لے جانا اپنی ہی

مملکت کا دورہ ہے۔ اس میں کیا اشکال ہے۔ دیکھیے ہمارے وطنِ عزیز کے دو صوبے ہیں۔ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان[1]۔ صدرِ پاکستان راولپنڈی میں تشریف رکھیں۔ کراچی میں یا ڈھاکہ میں تشریف لے جائیں۔ یہ ان کا اختیار ہے اور سرکاری طور پر جب اعلان ہوتا ہے کہ صدرِ پاکستان فلاں دن صبح راولپنڈی سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر شام کو ڈھاکہ پہنچ گئے۔ تو اِس پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ ہاں مثال کے طور پر ایک چیونٹی اگر یہ خبر سُن لے کہ صدرِ پاکستان صبح چل کر شام کو ڈھاکہ پہنچ گئے ہیں تو وہ اپنے ضعف اور محدود طاقت کے پیشِ نظر جب یہ دیکھے گی کہ کہاں راولپنڈی اور کہاں ڈھاکہ میں تو سارا دن اگر چلتی رہوں تو راولپنڈی سے چک لالہ بھی نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا راولپنڈی سے چل کر ایک ہی دن ڈھاکہ میں پہنچ جانا میرے نزدیک قانونِ قدرت کے اور میرے مشاہدے کے خلاف ہے۔ تو فرمائیے۔ اس چیونٹی کا یہ کہنا کیا صحیح ہو گا؟ آپ یہی کہیں گے کہ بی چیونٹی! تم اپنی بات کر رہی ہو اور ہم صدرِ پاکستان کی بات کر رہے ہیں۔ تم اپنے ضعیف پاؤں کی طرف دیکھ رہی ہو اور یہاں ایک زبردست طاقت و پرواز رکھنے والے ہوائی جہاز کا ذکر ہے۔ اب سمجھیے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دونوں جہانوں کے حاکم و سلطان ہیں اور صدرِ مکان و لامکان ہیں۔ ان کے متعلق سرکاری اعلان ہوتا ہے کہ:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (الآیہ)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بہت تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام۔ مسجدِ اقصےٰ تک اور پھر وہاں سے (از روئے احادیثِ صحیحہ) آسمانوں اور لامکاں کی بھی سیر فرمائی اور سیر بھی اس طرح کہ جب واپس تشریف لائے تو ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اِک دم میں سرِ عرش گئے آتے محمد

تو اِس سرکاری اعلان کو سُن کر ہر صاحبِ ایمان پکار اُٹھتا ہے کہ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔

[1] افسوس کہ ہوسِ اقتدار کے پجاریوں نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔ (مصحح)

اور اگر کوئی شخص اس پر عقلی استحالے پیش کرنے لگے اور یوں کہنے لگے کہ یہ تو میری سمجھ میں آنے والی بات نہیں تو ہم اُسے یہی جواب دیں گے کہ جس طرح ایک چیونٹی کے لیے ہوائی جہاز کی تیز رفتاری اس کی سمجھ بوجھ سے باہر ہے۔ اسی طرح "براق" کی برق رفتاری سمجھ بوجھ سے باہر ہے۔

ایمان

میرے بھائیو! جو صاحبِ ایمان ہے۔ وہ اللہ و رسُول کے ارشادات کے سامنے کبھی چون وچراں نہیں کرتا اور کبھی یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہے اور ایسا کس طرح ہوگیا۔؟ ہمارا ایمان ہے کہ حضور شبِ معراج آسمانوں پر اور لامکاں تشریف لے گئے۔ کیسے گئے اور یہ بات کیسے ہوگئی؟ ان باتوں سے ہمیں کیا۔ ہمارا کام تو ماننا ہے۔ نہ کہ بحث کا دروازہ کھولنا۔ اور اگر تحقیق و تدقیق کی آڑ میں اس قسم کی بحثوں کا دروازہ کھولنا ہی ہے تو پھر ہر بات میں بحث چل نکلے گی۔ مثلاً ہم معترض صاحب ہی سے پہلے یہ پوچھیں گے کہ آپ مرد کیوں بن گئے۔ اور کیسے بن گئے؟ اور آپ کی بیگم عورت کیوں بن گئی؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ عورت نہیں بن گئے؟ اور آپ کی بیگم مرد کیوں نہیں بن گئی؟ آپ کے والد آپ کے والد کیسے بن گئے! کیا وجہ ہے کہ آپ دنیا میں پہلے تشریف نہیں لے آئے تاکہ آپ اپنے والد صاحب کے والد بن جاتے۔ اس تقدیم و تاخیر کا فلسفہ سمجھائیے۔ آپ اپنے بیٹے کے باپ کیوں ہیں۔ اور وہ آپ کا باپ کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ فرمائیے! اگر فلسفہ ہی پوچھنے اور حکمتیں ہی دریافت کرنے اور ان کو سمجھ لینے کے بعد کسی چیز کو ماننا ٹھہرالیا گیا تو پھر آپ کے لیے بڑی مشکل پیدا ہوجائے گی۔ ناچار آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ جو کچھ ہوا، اللہ کی مرضی سے اور اس کی مشیت سے۔ اور جو ہوا اچھا ہوا۔ وہ قادر ہے۔ حکیم ہے۔ مالک ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرے بھائیو! اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی۔ یہی اپنا وطیرہ رکھو۔ خدا و رسُول کا جو ارشاد ہو اُسے فوراً مان لو۔ اور کیوں مانیں۔ ایسا کیوں کریں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وغیرہ باتوں سے اجتناب رکھو۔ اس لیے کہ ایمان و اسلام کا معنیٰ ہی ہے مان لینا اور مان کر

اپنے آپ کو امن میں لے آنا۔

روسی راکٹ

یہ دیکھیے۔ رُوسی راکٹ کے متعلق محض اخباری خبروں اور ریڈیو کی نشریات پر ایمان لاکر سب یہی کہہ رہے ہیں کہ کمال کیا ہے۔ روس نے کہ گگرین ۱۲۵ میل کی بلندی پر جا پہنچا اور تھوڑے سے وقت میں اس نے دنیا بھر کے سترہ (۱۷) چکر لگا لیے۔ کیوں صاحب! کوئی یہاں بھی کہتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، اور یہ کیسے ہوگیا؟ اور وہ راکٹ کیسا ہے جو اتنا سریع السیر ہے؟ ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ روسی راکٹ کو خلافِ عقل بتاتا ہو۔ مگر افسوس کہ بعض ایسے ہی افراد جو روسی راکٹ پر تو آنکھیں بند کرکے ایمان لاچکے ہیں۔ مگر "براقِ نبوی" کے حقیقی و سچے وجود کے تسلیم کرنے میں انھیں پس وپیش ہے۔ بھائیو! ہم صاحبِ ایمان ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ بیشک ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج بیداری میں اور جسمِ انور کے ساتھ سیرِ سماوات فرمائی اور اپنے خالق و مالک کا دیدار پایا اور بصدق دل اعلیحضرت کے یہ ایمان افروز شعر پڑھتے ہیں کہ: ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے،

آج کی رات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارہویں سال رجب شریف کی ۲۷ ویں شب کو حضرت اُمِّ ہانی کے مکان میں آرام فرما تھے کہ جبریل امین علیہ السلام خدا کے حکم سے براق ساتھ لے کر پچاس ہزار فرشتوں

سمیت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرشتوں کی تسبیح سے حرم شریف گونج اُٹھا۔ ؎

کون آتا ہے سلطانِ دنیا و دیں در پہ حاضر ہیں یہ کون روح الامیں
قدسیوں کا ہے ہر سمت میلا لگا آ تا خیر الوریٰ آج کی رات ہے
طائر سدرہ بھی چہچہانے لگے نعتِ احمد کے نغمے سنانے لگے
آکے روح الامیں لب پہ صلِّ علیٰ آمدِ مصطفیٰ آج کی رات ہے!

جبریل امین نے اپنی کافوری آنکھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ناز پر مل کر جگایا اور عرض کیا حضور! اُٹھیے۔ وہ خدائے پاک جس نے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لَنْ تَرَانِیْ فرمایا تھا آج وہ آپ کو دعوتِ دیدار دے رہا ہے۔ حضور! چلیے۔ میں لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ بُراق آپ کی سواری کے لیے ساتھ لایا ہوں۔ اس کے بعد جبریل امین نے انبوہِ ملائکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلّہ بہشتی پہنایا۔ سر پہ نوری عمامہ رکھا اور نوری چادر اوڑھائی۔ اور پھر آپ کی خدمت میں براق حاضر کیا۔ حضور علیہ السلام بصد آب و تاب براق پر رونق افروز ہوئے۔ آسمانوں پر حضور کی آمد آمد کے ڈنکے بجنے لگے اور رحمتِ حق کا دریا اپنے پورے جوش سے بہنے لگا۔ جنت کو سجایا گیا اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ ؎

حور و غلماں صفیں باندھ کر ہیں کھڑے ارض و افلاک ہیں موتیوں میں جڑے
بابِ دوزخ میں ہر سمت تالے پڑے خلد کا در کھلا آج کی رات ہے
نورِ وحدت کے چشمے اُبلنے لگے چپے چپے میں قندیل جلنے لگے
دستِ حسرت شیاطین مَلنے لگے کفر کا خاتمہ آج کی رات ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نورانی جلوس کے ساتھ بیت المقدس پہنچے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب پیغمبر آپ کی انتظار میں چشم براہ تھے۔ آپ پہنچے تو سب استقبال کے لیے بڑھے۔ حضور نے براق سے اُتر کر السلام علیکم فرما کر سب سے ملاقات کی پھر جبریل

امین نے اذان کہی۔ اصل اذان کو سُن کر آسمانوں سے دیگر فرشتے بھی اُترے۔ حتیٰ کہ ساری مسجد اور جنگل بھر گیا۔ جبریل نے تکبیر کہی۔ حضور نے امامت فرمائی۔ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ؎

سُن کے پیغامِ حق کو دلارے نبی!
سوئے بیت المقدس سدھارے نبی!
آگے سب کے نبی پیچھے سارے نبی!
کیسی شانِ علا آج کی رات ہے

حضور علیہ السلام پھر یہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ ہر آسمان پر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر جبریل امین علیہ السلام نے بھی جواب دے دیا اور عرض کیا۔ حضور! ؎

اس سے آگے اگر میں بڑھوں بال بھر
سارے جل جائیں گے میرے بال اور پَر
اب تو آگے فقط آپ کا ہے گزر
آپ ہی کو یہ رتبہ ملا آج کی رات ہے

چنانچہ حضور آگے تشریف لے گئے۔ اب یہ جانے والا جانے یا لے جانے والا۔ کہ حضور آگے کیسے گئے۔ حضور ہزاروں مقامات طے فرماتے ہوئے عرشِ اعظم کے قریب پہنچ گئے۔ جب آپ عرشِ اعظم کے قریب ہوتے تو آپ نے یہ پیاری پیاری آواز سنی۔ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ۔ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ ـ حتیٰ کہ آپ وہاں تک پہنچ گئے جہاں آج تک کوئی نہ پہنچا تھا۔ ؎

عرشِ اعظم پہ پہنچے ہے کس کا جگر
ہے کوئی حور، غلمان و جنّ و بشر؟

خاک ہوتے ہیں جل کر فرشتوں کے پَر
جا نہیں سکتی جس جا کسی کی نظر
جس جگہ وہم کا بھی نہیں ہے گزر
اس جگہ پر گئے آمنہ کے پسر
اُن کا رُتبہ ہے یہ منکرِ بے خبر!
عرش پر وہ اور اللہ کی ذات ہے

دونوں عالم ہیں نُورِ علیٰ نُور آج   کیسی رونق فزا آج کی رات ہے

یہ مقام ہے جو نہ کسی نبی کو حاصل ہُوا، اور نہ کسی رسول کو۔ نہ کسی فرشتے کو ملا نہ کسی اور کو۔ تمام تجلیات جمالی و جلالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نے اپنے محب یا محب نے اپنے محبوب کو سرِ اقدس کی چشمانِ مبارک سے دیکھا اور آپ شنید سے منزلِ دید تک پہنچ گئے۔ ؎

پڑے ہوئے تھے ہزاروں پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
میں صدقے آنکھوں کی اس کے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

واپسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ عروج و بلندیاں حاصل فرما کر، اور عجائب و غرائب کو ملاحظہ فرما کر اور اسرار و رموز پر مطلع ہو کر آسمانوں سے واپس زمین بیت المقدس پر نزول فرمایا اور براق پر سوار ہو کر پھر وہاں سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور صبح صادق سے پہلے اُسی مقام پر واپس تشریف لے آئے جہاں سے آپ نے یہ مقدس سفر شروع فرمایا تھا۔ آکر جو ملاحظہ فرمایا تو بستر مبارک گرم تھا اور زنجیر در ہل رہی تھی۔ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم   اک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمد

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

تَسرِ وَنی آسمان کی رسائی   جانتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

۲۸ اٹھائیسواں وعظ

کمالاتِ نبوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (پ۲۰ ح۴)

اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں ۔

حضرات! آج میں کمالاتِ نبوت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ "نبی" کسے کہتے ہیں اور نبی کی کیا شان ہوتی ہے اور وہ کس قدر علوم و اختیارات کا مالک ہوتا ہے اور سُنانا چاہتا ہوں کہ "نبی" کیا ہم تم کی طرح ایک عام انسان ہوتا ہے یا وہ ساری کائنات سے زیادہ ذی شان سارے عالم سے بڑھ کر عالم اور دنیا بھر کے داناؤں، حکیموں اور ذی اختیار لوگوں سے بڑھ چڑھ کر دانا و حکیم اور مختار ہوتا ہے۔ میرے بھائیو! آج کل بعض لوگ "نبی" کو

معاذ اللہ ایک عام پیام بر اور چٹھی پہنچانے والے شخص کی سطح پر رکھتے ہیں اور اسے "اپنی مثل" جان کر اس کی بے پناہ عظمت و بلندی اور اس کے علوم و اختیارات سے انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کے ساتھ کوئی غیر نبی مساوی ہو ہی نہیں سکتا۔

میرے بزرگو! یوں تو جسے بھی پوچھو۔ کہ نبی دوسروں سے بڑا ہوتا ہے یا نہیں! تو سب یہی جواب دیں گے کہ ہاں بڑا ہوتا ہے مگر جب نبی کے علوم و اختیارات کا بیان کیا جاتے تو کئی لوگ انکار کر جاتے ہیں۔ حالانکہ جب نبی کو بڑا مان لیا گیا تو اس کے علوم و اختیارات کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس لیے کہ بڑے کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ علوم و اختیارات میں بڑا ہے مثلاً یوں کہا جاتے کہ فلاں افسر، فلاں افسر سے بڑا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ افسر دوسرے افسر سے قد میں بڑا ہے۔ یا وزن میں زیادہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ افسر دوسرے افسر سے اختیارات میں بڑا ہے۔ یعنی جو کام چھوٹے افسر سے نہیں ہو سکتا۔ وہ کام یہ کر لیتا ہے۔ تو میرے عزیزو! جب "نبی" کے متعلق یہ اقرار کر لیا جائے کہ نبی سارے عالم سے بڑا ہے تو لازماً یہ مان لیا گیا کہ جو کام دنیا بھر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ کام نبی کر سکتا ہے۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر روسی خلائی انسان میجر گاگارین کئی چند میل کی بلندی پر پہنچ کر چند منٹوں میں ساری زمین کا چکر لگا سکتا ہے تو "نبی" ایک آن میں فرش سے عرش اور لامکان تک جا اور آ سکتا ہے۔ اور اگر میجر گاگارین کی چند میل کی بلندی کی آواز یہاں زمین پر سائنسدان سن سکتے ہیں تو اللہ کا "نبی" کروڑوں میل کی بلندی پر پہنچ کر جنت میں بلال کے جوتوں کی آواز سن سکتا ہے اور اگر ایک روسی یا امریکی انسان اپنے راکٹ میں بیٹھ کر بلندی پر اڑ سکتا ہے تو اللہ کا "نبی" ہوا پر اپنا تخت بچھا کر اور اس پر اپنے لشکر سمیت تشریف فرما ہو کر جہاں چاہے تشریف لے جا سکتا ہے اور اگر ان حقائق سے کوئی شخص انکار کر دے تو اس نے گویا "نبی" کے بڑا ہونے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ جو سارے عالم

کے سائنسدانوں اور موجدوں سے بھی بڑا ہو گا اور بڑا اسی کو کہتے ہیں جو وہ کام کر سکے۔ جو دوسرے نہ کر سکیں۔ تو کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ گاگرین کی پرواز کو تو مان لیا جاتے اور معراجِ پاک کا انکار کر دیا جائے میلوں دور خلائی انسان کی آواز کو تو زمین پر سن لینے کا اقرار کیا جائے اور اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ کی آواز کو نہ سن سکنے کا اظہار کیا جائے۔ روسی راکٹ پر تو ایمان لے آیا جاتے اور تختِ سلیمان و براقِ نبوی (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو خلافِ عقل بتا دیا جائے اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا رہے۔ کہ "نبی" سارے عالم سے بڑا ہوتا ہے بھائیو! ایسے لوگ یا تو صاف صاف یہ کہیں کہ نبی بڑا نہیں ہوتا اور اگر "بڑا" کہتے ہیں تو پھر نبی کے بے پناہ علوم و اختیارات کو بھی علی الاعلان تسلیم کریں۔ یہ کیا تماشہ ہے۔ کہ "بڑا" بھی کہتے رہے اور "بڑائی" کی باتوں کا انکار بھی کرتے رہے۔ ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

نبوّت کا معنی

میرے بزرگو! نبوت کے کمالات سننے کے لیے پہلے نبوت کا معنیٰ سن لیجیے۔ اہل لغت نے نبوت کا معنےٰ لکھا ہے۔ "خبر دادن" یعنی خبر دینا یعنی نبی اُسے کہتے ہیں جو خبر دینے والا ہو۔ اور خبر وہی دیتا ہے جو خود خبر رکھتا ہو اور جو خود ہی بے خبر ہو۔ وہ کیا خبر دے گا معلوم ہوا کہ نبی کہتے ہی خبر والے کو ہیں۔ اور نبی کو بے خبر وہی بتاتے ہیں جو خود بے خبر ہیں۔

بھائیو! یہ لغوی معنی ہے اور اصطلاحِ شریعت میں نبی وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی جانب سے مامور و مرسل ہو کر اس جہان اور اُس جہان کی بھی خبر دے۔ اور جس کی خبر میں کوئی غلطی نہ ہو۔ یا یوں سمجھیے کہ یہ ہمارے اخبارات بھی خبریں تو دیتے ہیں۔ مگر ان کی خبروں میں غلطی کا امکان ہے۔ علاوہ ازیں یہ فرش پر رہ کر فرش ہی کی خبریں دیتے ہیں۔ مگر جو نبوت کا حامل ہوتا ہے اس کی خبر

میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ رہتا فرش پر ہے اور خبریں دنیا سے عرش کی اور اس کی نظرِ پاک میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ بقولِ اعلیحضرت ؎

دلِ فرش پر ہے تری نظر سرِ عرش پر ہے تری گزر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

میرے بزرگو! نبی کا علم و عرفان بڑا وسیع ہوتا ہے اور خوب یاد رکھیے کہ نبی کو یہ علم کسی مدرسہ یا کالج میں پڑھ کر نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اپنے اللہ سے یہ علم و عرفان پاکر تشریف لاتا ہے اور نبی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچپن میں بھی "باخبر" ہوتا ہے۔ آئیے نبوت کے کمالات سننے کے لیے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ فرعون بڑا مغرور اور متکبر بادشاہ تھا اور اپنی ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اس کا تخت اوندھا ہو کر گر گیا ہے۔ فرعون نے اس خواب کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا باعث ہوگا۔ فرعون ڈر گیا اور اس نے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ جو بچہ کسی کے ہاں پیدا ہوتا وہ اُسے مروا دیتا۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فکر ہوئی کہ فرعون میرے بچے کو بھی مروا نہ دے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی اور فرمایا:

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ (پ۱۶ ع۱۱)

"اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔"

اور پھر فرمایا:

وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (پ۲۰ ع۴)

"اور نہ غم کر بیشک ہم اُسے تیری طرف پھر لائیں گے اور اُسے رسول بنائیں گے۔"

یعنی اے اُمِ موسیٰ گھبراؤ مت اور اپنے اس بچے کو دودھ پلا کر ایک

صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ پھر ہم جانیں اور یہ تمہارا بچہ۔ ہم اس کی حفاظت فرمائیں گے اور تم سے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم تمہارے اس بچے کو پھر سے تمہاری گود میں لائیں گے اور اے موسیٰ کی ماں! یہ بھی سُن لو کہ تمہارے اس بچے کے سر پر ہم رسالت کا تاج بھی رکھیں گے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے نبوت و صاحبِ نبوت کی کہ بچپن ہی میں برکاتِ نبوت کا ظہور ہونے لگا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے اس مقدس بچے کو دودھ پلایا اور ایک صندوق لے کر اس میں بحفاظت اپنے لختِ جگر کو لٹایا اور اس کا ڈھکنا بند کر کے دریائے نیل کے کنارے لاکر اُسے اللہ پر بھروسہ کر کے دریا میں ڈال دیا۔ اُمِ موسیٰ کا وعدۂ ربانی سے دل مطمئن تھا۔ اسی اطمینان میں وہ گھر واپس آگئیں اور وہ صندوق پانی کی لہروں میں بہنے لگا۔

فرعون کے محل میں

اس دریا سے ایک نہر نکلتی تھی جو فرعون کے محل میں سے ہوتی ہوئی گزرتی تھی۔ فرعون صبح ہی صبح اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس نہر کے کنارے بیٹھا تھا۔ اس نے نہر میں ایک صندوق بہتا ہوا دیکھا۔ فوراً اس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور حکم دیا کہ نہر میں کود جاؤ اور اس صندوق کو نکال کر میرے سامنے حاضر کرو۔ چنانچہ سپاہیوں نے نہر میں سے صندوق کو نکالا اور فرعون کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ فرعون نے بصد شوق اس صندوق کو کھولا تو اس نے ایک نورانی شکل کے بچے کو دیکھا جس کی پیشانی سے وجاہتِ اقبال کے آثار نمودار تھے اور جو اپنے پیارے اور نورانی منہ میں اپنا نورانی انگوٹھا ڈال کر چوس رہا تھا۔

سبحان اللہ! جب فرعون نے چہرۂ نبوت کو دیکھا تو حیران رہ گیا! فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیارے معلوم ہوئے۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے:

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي (پ۱۶ ع۱۱) اور میں نے تجھ پر اپنی طرف کی محبت ڈالی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھتا تھا۔ اُسی کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ فرعون نے بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اُسے بھی آپ پیارے معلوم ہوئے اور وہ خبیث اس وقت اپنے خواب کو بھی بھول گیا اور اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں نے بچوں کو مروا ڈالنے کا حکم دے رکھا ہے۔ فرعون نے صندوق میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا اور اپنی گود میں لے لیا۔

میرے بھائیو! اب ذرا نبوت کا کمال دیکھئے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی گود میں آتے تو آتے ہی اپنے مبارک اور ننھے ہاتھوں سے فرعون کی داڑھی پکڑلی اور کچھ ایسے زور سے کھینچی کہ فرعون لرز اُٹھا

فرعون کی داڑھی

اور ایک دم آپ کو گود سے اُتار کر زمین پر لٹا دیا اور خود دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ آسیہ اور غلام باندیوں نے دیکھا کہ فرعون بہوت پریشان کھڑا ہے اور اُدھر اللہ کا نبی جس کی ابھی ایک دن کی عمر ہے۔ قہر آلود نظروں سے فرعون کو دیکھ رہا ہے، گویا آپ نظروں ہی نظروں میں فرماتے ہیں کہ ملعون! ابھی کیا ہے۔ پتہ تو تم کو اس وقت چلے گا جب میں "ڈنڈا" لے کر تمہارے پاس آؤں گا۔ فرعون نے جب اپنی داڑھی کا یہ حشر دیکھا تو اُسے اپنا خواب یاد آیا اور ایک مرتبہ اس خیال سے پھر لرز اُٹھا کہ کہیں میرا تخت اُلٹ کر دینے والا یہی بچہ نہ ہو۔ چنانچہ اُس نے اعلان کیا کہ اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔

میرے بزرگو! اگر اللہ کے نبی کا اللہ خود محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے یہ حکم دیا تو فرعون کی بیوی بی بی آسیہ جو بڑی نیک بی بی تھیں اور

آسیہ

انبیاء کی نسل سے تھیں۔ وہ آگے بڑھیں اور کہنے لگیں۔ آپ کو جس بچے کا اندیشہ ہے وہ اسی ملک کے بنی اسرائیل سے بتایا گیا ہے اور یہ تو خدا جانے دریا میں بہتا ہوا کہاں سے آیا ہے؟ اسے قتل نہ کریں۔ دیکھئے ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں۔ بھائیو! فرعون کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ دشمنِ رسول "ابتر" تھا۔ آسیہ نے کہا

اسے ہم اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں اسے قتل نہ کراؤ۔ خدا تعالیٰ قرآنِ پاک میں اسی واقعہ کو بیان فرماتا ہے:-

قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوهُ عَسٰى أَنْ يَّنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔

(پ۲۰ ع ۴) اور فرعون کی بیوی بی بی نے کہا۔ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اُسے قتل نہ کرو۔ شاید ہمیں یہ نفع دے یا اسے ہم اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور وہ بے خبر تھے۔

"اور وہ بے خبر تھے" یعنی انھیں اس بات کی کوئی خبر نہ تھی کہ اس مقدس بچے کے ہاتھوں فرعون کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ حضرت آسیہ کے کہنے پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا اور اب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون ہی کے محل میں رہنے لگے۔

اس کے بعد آپ کے دودھ پلانے کے لیے کسی "دائی" کی ضرورت تھی۔ آسیہ نے فرعون سے کہا کہ کسی دائی کا انتظام کیجئے۔ چنانچہ فرعون نے مختلف دائیاں بلائیں۔ مگر اللہ کا نبی جو دائی بھی آتی۔ اُس سے منہ پھیر لیتا اور آپ کسی کا دودھ نہ پیتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (پ۲۰ ع ۴)

"اور ہم نے سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں۔"

عرفانِ نبوت

بھائیو! نبوت کا کمال دیکھا آپ نے؟ اور خیال فرمایا آپ نے؟ کہ نبی کا علم و عرفان کس قدر وسیع ہوتا ہے اور نبی اپنے بچپن میں بھی کتنا باخبر ہوتا ہے؟ دیکھ لیجئے۔ ایک دو روز کی عمر پاک ہے۔ مگر ہر دائی کے متعلق خبر ہے کہ یہ میری ماں نہیں ہے۔

میرے بزرگو! پھر کس قدر ظلم ہے اس ظالم کا جو نبیوں کو اپنی مثل کہے بھائیو! ایسے ظالم کو تو بچپن میں اگر کسی کتیا کے دودھ پر ڈال دیا جاتے تو یقیناً وہ کتیا

کو بھی اپنی والدہ سمجھ کر اس کا دودھ پینے لگے گا۔ کیا خوب فرمایا ہے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے کہ کہاں اللہ کے نبی (علیہم السلام) اور کہاں عوام ؎

کہ بود مر لعل را فضل و شرف   کے بود ہم سنگِ او سنگ و خزف
آں خزف افتادہ باشد بر زمیں   بس ذلیل و خوار و ناکارہ ببیں
لعل باشد زیبِ تاجِ سروراں
زینت و خوبیٔ گوشِ دلبراں
مولوی معدنِ رازِ نہفت
رحمۃ اللہ علیہ خوش بگفت
کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر!   گرچہ مانند در نوشتن شیر و شیر

یعنی ہیرے کو ایک عام پتھر سے بہت زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ہیرا بھی از قبیل پتھر ہی ہوتا ہے۔ مگر عام پتھر اس کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ عام پتھر تو زمین پر بے کار اور ذلیل و خوار ہو کر پڑا رہتا ہے مگر ہیرا بادشاہوں کے تاج اور محبوب کے کان کی زینت بنتا ہے۔ کیا اچھا فرمایا ہے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کہ شیر اور شیر لکھنے میں اگرچہ برابر ہیں۔ مگر ایک تو شیر (جنگل کا بادشاہ ہے) اور ایک شیر (دودھ) ہے۔ اس شیر (دودھ) کو تو آدمی کھا پی جاتا ہے اور وہ شیر (جنگل کا بادشاہ) آدمی ہی کو کھا پی جاتا ہے۔ میرے بھائیو! انبیاء کرام علیہم السلام بھی اگرچہ لباسِ بشریت ہی میں تشریف لاتے ہیں مگر جو کمالاتِ نبوت ان میں نظر آتے ہیں وہ دوسروں میں کہاں۔ تم بھی بشر ہو۔ مگر ایسے کہ فرش پر بھی بار۔ اور ایک وہ بھی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ان کی عرش کو بھی انتظار ؎

تو رینگتا ہے فرش پہ، اور عرش پر ان کی گزر!
اب خود ہی تو انصاف کر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ اُدھر آپ کی

مریم

والدہ کا حال سنیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بہن تھی جس کا نام مریم تھا۔ حضرت کی والدہ نے اپنی بیٹی سے کہا:-

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (پ ۲۰ ع ۴) "اور اس کی ماں نے اس کی بہن سے کہا۔ اس کے پیچھے چلی جا۔ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔"

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق کو دریا میں ڈال دینے کے بعد حضرت کی بہن سے یہ کہا کہ اس صندوق کا خیال رکھنا اور دیکھتی رہنا کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کس کے ہاتھ آتا ہے۔ چنانچہ مریم نے ٹوہ لگاتے لگاتے معلوم کر لیا کہ میرا بھائی فرعون کے محل میں ہے۔ فرعون کے محل میں آئی تو اسے پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہیں پی رہے۔ تو

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (پ ۲۰ ع ۴) "بولی کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچے کو پال دیں۔ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔"

یعنی حضرت مریم نے ان سے فرمایا: کہ میں ایک ایسی دائی کی خبر دیتی ہوں جس کا دودھ یہ بچہ ضرور پیے گا۔ فرعون نے کہا۔ اچھا تم ہی کسی ایسی دائی کو لے آؤ جس کا دودھ یہ بچہ پی لے۔ یہ سن کر مریم گھر واپس آئی اور ماں سے کہا۔ ماں! اُٹھ! بھائی تمہاری انتظار میں ہے۔ وہ فرعون کے محل میں ہے اور ابھی تک اس نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ فرعون سے میں کہہ آئی ہوں کہ میں ایک عورت ساتھ لاتی ہوں۔ جس کا دودھ یہ بچہ ضرور پیے گا۔ فرعون نے مجھ سے کہا ہے کہ لے آؤ۔ ماں یہ سن کر باغ باغ ہو گئی اور چل پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں تھے اور دودھ کے لیے رو رہے تھے۔ فرعون آپ کو بہلا رہا تھا۔ جب آپ نے اپنی والدہ کی خوشبو پائی تو آپ چپ ہو گئے اور اپنی والدہ کا دودھ پینے لگے۔

فرعون یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔ تم اس کی کون ہو؟ جو اس بچے نے اور کسی عورت کا دودھ نہیں پیا اور تمہارا جھٹ پی لیا۔ آپ نے جواب دیا۔ بس ایک پاک صاف عورت ہوں۔ میرا دودھ خوشگوار ہے۔ جسم خوشبودار ہے۔ اس لیے جن بچوں کے مزاج میں نفاست ہوتی ہے وہ اور عورتوں کا دودھ نہیں پیتے۔ میرا دودھ پی لیتے ہیں۔ فرعون نے بچہ انھیں دیا اور دودھ پلانے پر انھیں مقرر کرکے فرزند کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے مقدس بچے کو خوشی خوشی گھر لے آئیں۔ اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ:

لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَادُّوْہُ اِلَیْكِ۔

"نہ ڈرو نہ غم کرو بیشک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کا دودھ پیتے رہے اور فرعون آپ کی ماں کو روزانہ ایک اشرفی دیتا رہا۔ دودھ چھوٹنے کے بعد آپ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس لے آئیں اور آپ وہاں پرورش پاتے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مُکہ میرے بزرگو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف جب تیس برس کی ہوگئی تو آپ ایک دن محل سے نکل کر شہر میں جو داخل ہوئے تو آپ نے دو آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے دیکھے۔ ایک تو فرعون کا باورچی تھا اور دوسرا موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ فرعون کا باورچی لکڑیوں کا گٹھا اس دوسرے آدمی پر لاد کر اُسے چلنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ بیچارا کمزور تھا اور مظلوم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظالم فرعونی کو اس ظلم سے روکا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ بھی کرنے لگا۔

فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ (پ۲۰ ع ۵)

تو موسیٰ علیہ السلام نے اُسے ایک ایسا مُکہ مارا جس سے وہ ظالم وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بھائیو! یہ نبی کا مُکہ ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اظہار بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی یہ قوت و زور کہ ایک ہی مکہ سے ظالم کا دم نکل گیا۔ بھائیو! اظہارِ نبوت سے قبل مُکہ کا یہ عالم ہے۔ پھر اظہارِ نبوت کے بعد بھلا زور و طاقت اور جلال کا کیا عالم ہوگا؟ چنانچہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب

موسیٰ علیہ السلام کا طمانچہ ملک الموت آیا تو حضرت نے اُسے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ اُس کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ دیکھ لیجئے۔ یہ حدیث پاک مشکوٰۃ شریف ص۴۹۹ پر موجود ہے۔ یہ ہے نبوت کا زور و دبدبہ اور جلال۔ ایک آج ہم بھی ہیں جو محض باتوں ہی کے پہلوان ہیں۔ ایک وہ مکہ و طمانچہ بھی ہے جس کا ذکر آپ نے سنا اور ایک ہمارا بھی ہے۔

لطیفہ کہتے ہیں۔ دو جنٹلمین آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک نے غصہ میں آکر کہا۔ ابے چپ رہتا ہے یا نہیں۔ ایک ایسی چپت دوں گا کہ لاہور پہنچا دوں گا۔ دوسرا غصے میں بولا۔ اور میں ایک ایسا گھونسا ماروں گا کہ دلی پہنچ جاؤ گے۔ ایک دیہاتی پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ بابوجی! ایک ہلکی سی ٹھوکر مجھے بھی لگا دینا۔ مجھے صرف گوجرانوالہ تک جانا ہے" دیکھا آپ نے۔ زبانی ہی زبانی زور دکھایا جا رہا ہے۔

بھائیو! زبانی جمع خرچ کو چھوڑ دو۔ اور اپنے آپ میں جذبۂ حق اور رعب و جلال اور حقیقی طاقت پیدا کرو۔ اپنے بزرگوں کو دیکھو۔ جن نفوسِ قدسیہ میں یہ سب باتیں موجود تھیں اور اسی لیے وہ دنیا بھر پر چھا گئے۔ ؎

مسلماں وہ مسلمان تھے جو میداں میں نکل آتے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب فرعون کی گمراہی کا بیان کرنا شروع فرمایا۔ اور جا بجا حق کا اعلان فرمانے لگے۔ اِسی اثنا میں آپ کے مُکہ سے ایک فرعونی مارا بھی گیا۔ فرعون کو ان سب باتوں کا پتہ چلا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا۔ فرعونی آپ کے پکڑنے کو نکلے تو آپ یہاں سے

نکل پڑے —

مدین میں اور فرعون کی حدودِ سلطنت سے نکل کر مدین پہنچ گئے۔ مدین میں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں اور بکریاں آپ کا ذریعہ معاش تھیں۔ مدین میں ایک کنواں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے اس کنوئیں پر پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کنوئیں پر جمع ہیں اور پانی کھینچ کر اپنی بکریوں کو پلا رہے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دونوں لڑکیاں بھی اپنی بکریوں کو الگ روک کر وہیں کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تم اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ انھوں نے کہا ہم سے پانی کھینچا نہیں جاتا۔ یہ لوگ چلے جائیں گے تو جو پانی حوض میں بچا رہے گا ہم وہ اپنی بکریوں کو پلالیں گی۔ قریب ہی ایک دوسرا کنواں تھا جس کے منہ پر ایک بہت بڑا وزنی پتھر ڈھکا ہوا تھا اور جسے بہت سے آدمی مل کر سرکا سکتے تھے۔ آپ نے تنہا اس پتھر کو ہٹا کر اس میں سے ڈول کھینچ کر ان بکریوں کو پانی پلا دیا۔ ان لڑکیوں نے گھر جا کر حضرت شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا واقعہ سنایا اور بتایا کہ وہ ایک قوی اور بہادر اور بڑا نیک انسان ہے اور نوارد ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا۔ جاؤ اس صالح جوان کو میرے پاس بلا لاؤ۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ (پ۲۰ ع ۶)

تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی۔

وہ صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور قرآن پاک بتاتا ہے کہ شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں۔ آپ چل پڑے اور ان صاحبزادی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے رہ کر رستہ بتاتی آؤ۔ پیچھے پیچھے رہ کر اس لیے فرمایا تا کہ

پردے کا اہتمام رہے۔

پردہ میرے بھائیو! یہ ہے عورت کی اصل شان۔ شرم و حیا اس کا زیور ہے اور پردہ اس کا گہنا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل عورت عورت ہی نہیں رہی۔ عورت کا معنی ہی ستر و پردہ والی چیز ہے اور "مستورات" کہتے ہی چھپی ہوئی چیزوں کو ہیں۔ مگر اب عورت پردے اور حجاب سے باہر نظر آتی ہے اور بقول حاجی حق حق سے

پھلی پھولی ہے کچھ ایسی فضائے بے حجابی میں!
بڑی مشکل سے لڑکی اپنے جامے میں سماتی ہے!
کچھ ایسا آگے چھٹا ہے اِسے عفریت فیشن کا!
کہ لڑکی اپنے کپڑوں سے بھی باہر ہوتی جاتی ہے!

بھائیو! آج کل تو عورت علی الاعلان کہہ رہی ہے کہ ہم مردوں سے کسی صورت کم نہیں ہیں۔ نہ صرف یہ کہ کم نہیں۔ بلکہ مردوں سے ہم افضل ہیں چنانچہ

لطیفہ پچھلے دنوں اخبار جنگ میں ایک بی۔ اے عورت نے مضمون لکھا تھا کہ مردو! تم کس بات پر نازاں ہو۔ عورتوں سے تم برابری کیسے کر سکتے ہو۔ ہم وہ ہیں کہ "ہم میں سے ایک عورت (مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے بغیر مرد کے بچہ پیدا کر کے دکھایا تھا تم میں اگر ہمت ہے تو کوئی مرد بغیر عورت کے بچہ پیدا کر کے دکھائے" لو سن لو مولویوں کے مخالفو! اور بے پردگی کی حمایت میں علماء سے بحث کرنے والو! اس بے پردگی کا بھیانک نتیجہ دیکھ لو۔ اور اب دو جواب ان بے پردہ عورتوں کو۔ یا کوئی جواب دو یا پھر بچہ جَن کر دکھاؤ۔ مولوی تو اس چیلنج کا مخاطب نہیں ہے۔ مولوی تو شروع سے ہی "عورت" کو "عورت" رکھنے کا حامی ہے۔ یہ تم ہی تھے۔ جو کہا کرتے تھے۔ ان عورتوں پر پردہ ٹھونسنا، ان پر ظلم ہے۔ یہ بھی آخر انسان ہیں۔ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب لو وہ دوش بدوش چلنے لگی ہیں۔

اور پردے سے باہر نکل کر تمھیں چیلنج دینے لگی ہیں۔ اب کر لو چارہ۔ اور دو جواب ان کو۔ مخاطب تم ہو ان کے، مولوی نہیں۔ سچ کہا ہے اکبر الٰہ آبادی نے۔ ؎

کیا کہوں کہ کریں گی علم پڑھ کر بیبیاں
بیبیاں شوہر بنیں گی اور شوہر بیبیاں!
ان کے فکر و کام سے بچنا ابھی دشوار ہے
اور آفت ڈھائیں گی سائنس پڑھ کر بیبیاں

جنٹلمین اور مُلّا اس موقع پر ایک شاعر کے چند شعر یاد آگئے جن میں اس نے ایک "جنٹلمین اور مُلّا" کا مکالمہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ؎

ایک جنٹلمین اِک مُلّا میں یوں گلغپ ہوئی
بولے جنٹلمین کیوں پڑتے ہیں گد حضرت کو ہے
کیا سبب ہے عورتیں پھرتی نہیں کیوں بے نقاب
چھوڑنا لازم ہر اک پر ہر بُری عادت کو ہے
کیا دھرا ہے خاک پتھر کھیئے پردے میں بھلا!
قید کرنا ہاں مگر منظور اک عورت کو ہے!
چاہیے ٹھنڈی ہوا میں عورتیں دل شاد ہوں
جس کی حسرت آرزو ہر صاحبِ فطرت کو ہے،
حفظِ صحت کے لیے بھی ہے یہ پردہ ایک روگ
بیَر اس سے اس لیے ہر مخزنِ حکمت کو ہے
اس پہ مُلّا بول اُٹھا یہ آپ کی باتیں ہیں وہ!
جس سے آتی شرم ہر اک صاحبِ غیرت کو ہے
قوم بے پردہ کو دیکھو چشمِ عبرت سے ذرا
پہنچی کس حالت سے اپنی آج کس حالت کو ہے

منہ چھپانا ہے عبث یہ تو کہی بس ایک ہی!
موقعِ اعزا اسی چہرے سے بدنیت کو ہے
لَوْفَرَضْنَا مان بھی لیں آپ کی خاطر سے ہم
پردۂ موجود اپنا کچھ مضرِ صحت کو ہے
لیکن اب اتنی گذارش آپ بھی تو مان لیں
یہ مضر صحت کو ہے تو وہ مضر عصمت کو ہے
آپ ہی انصاف سے یہ فیصلہ تو کیجیے!
دونوں میں ترجیح اس صورت میں کس صورت کو ہے

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ اب کوئی فکر نہ کرو۔ ظالموں سے بچ کر یہاں آگئے ہو۔ اب یہیں میرے پاس رہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس تک رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کا

نکاح نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا۔ اتنے عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ میری والدہ مصر میں ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضری دوں۔ مجھے مصر واپس جانے کی اجازت دیجیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر واپس مصر کو روانہ ہوئے۔

ماں کا درجہ بھائیو! یاد رکھو۔ ماں کا درجہ بڑا بلند ہے۔ افسوس آج اگر کسی کا نکاح ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنی ماں کو بالکل بھول جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو نکاح کے بعد ماں کو فراموش نہیں فرمایا۔ بلکہ اتنا لمبا سفر صرف ماں کی زیارت و خدمت کے لیے اختیار فرمایا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں کعبہ شریف کے دروازہ

کی نیچے کی دہلیز چُوموں گا اور پھر وہ کسی صورت مکہ شریف نہیں پہنچ سکا، تو اس کی اگر ماں زندہ ہے تو اس کے قدم چوم لے۔ قسم پوری ہو جائے گی۔ اگر ماں مر چکی ہے تو اس کی قبر کی پائینتی چوم لے۔ قسم پوری ہو جائے گی دیکھا آپ نے ماں کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل ماں کو کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا خصوصاً جب کہ نکاح ہو جائے تو پھر بیوی ہی سب کچھ ہے۔ اسی کی اطاعت وفرمانبرداری بھی ہوتی ہے۔

لطیفہ اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سنتے چلیے۔ کہتے ہیں کسی جنٹلمین کی بیوی بڑے غصے میں تھی اور اپنے شوہر کو بڑی جلی کٹی سُنا رہی تھی اور شوہر سر جھکائے بڑی "لیاقت" کے ساتھ بیوی کی گالیاں سُن رہا تھا۔ بیوی جب حد سے بڑھ گئی تو جنٹلمین بولا "کیا کروں۔ رشتہ ہی کچھ ٹیڑھا سا ہے۔ ورنہ تمہاری جگہ اگر میری ماں ہوتی تو اس کی ہڈی پسلی توڑ دیتا۔" سبحان اللہ! کیا ہی رشتہ ہے اور کس قدر لحاظ ہے۔ گویا بیوی کو تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ماں ہوتی تو پھر تماشہ دیکھتی۔ استغفر اللہ!

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی سمیت مصر کی طرف روانہ ہوئے تو سردیوں کے دن تھے۔ چلتے چلتے رات ایک جنگل میں آ گئی اور تاریکی کے باعث راستہ گم ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی جنگل میں دُور ایک چمکتی ہوئی آگ دیکھی۔ یہ جنگل پہاڑ طور کے قریب تھا اور یہ آگ آپ کو طور کی طرف سے نظر آئی۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے :۔

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ــــــ

(موسیٰ علیہ السلام نے) طور کی طرف ایک آگ دیکھی۔

آپ کو جب یہ آگ نظر آئی تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا :

اِمْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (پ۲۰ ع ۷) "تم ٹھہرو۔ مجھے طور کی طرف

سے ایک آگ نظر پڑی ہے۔ شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لیے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں تاکہ تم تاپو۔"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف بڑھے۔ مگر جب آپ اس آگ کے قریب پہنچے تو آپ نے ندائے مبارک سُنی۔ کہ :۔

یَامُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ۔

"اے موسیٰ بیشک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس چیز کو آگ دیکھ رہے تھے اور جسے آگ ہی سمجھ کر بڑھے تھے۔ دیکھیے کہ وہاں پہنچ کر اس کے متعلق کیا پتہ چلا کہ وہ کیا ہے ــ؟ سبحان اللہ! کیا شانِ عطا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ نبوت سے نوازنے کے لیے کس رنگ میں اپنے حضور بُلایا۔ دُور سے پہلے ایک شعلۂ نور نظر آیا۔ جسے موسیٰ علیہ السلام نے آگ ہی سمجھا اور قرآن پاک میں بھی لفظِ نار ہی وارد ہُوا ہے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت آگ ہی کی ضرورت تھی اس لیے خدا تعالیٰ نے اسی رنگ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے حضور بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُور سے آگ ہی دیکھی اور اُسے آگ ہی سمجھ کر آگے بڑھے۔ مگر جب اُس کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ دیکھنے میں جو آگ نظر آ رہی تھی یہ آگ نہیں، بلکہ یہ تو جلوۂ حق ہے۔ اور خدا نے بھی فرمایا کہ :۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ــ

بشریّت میرے بزرگو! یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو لباسِ بشریت میں تشریف لائے تو اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ حضور سے مانوس ہو کر آپ کے قریب آئیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لباسِ بشریت میں تشریف نہ لاتے تو کوئی آپ کے حضور حاضر نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لباسِ بشریت پہنا کر اس عالم میں بھیجا اور فرمایا کہ آپ یہی اعلان کیجیے کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ آپ کے اس اعلان سے لوگ آپ سے مانوس ہوں گے۔ آپ کے قریب آئیں گے اور

جب وہ قریب آجائیں تو پھر اس حقیقت کا بھی اعلان فرمایئے کہ "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ" اور یہ کہ "اَیُّکُمْ مِثْلِیْ"۔ "میں اللہ کے نور سے ہوں" اور "کون ہے میری مثل"

پیغمبری

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی طلب میں جب کوہِ طور پر پہنچے اور یہ ندائے مبارک سُنی کہ "اے موسیٰ میں تو اللہ ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ تو موسےٰ علیہ السلام مسرت میں جھوم اُٹھے اور اپنے اللہ سے ہمکلامی کا شرف پاکر بیحد خوش ہوئے اور بھائیو! انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جس کا کلام سُنا جائے اس کا منہ دیکھنے پر بھی دل چاہتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ کوئی مقرر ایک بہترین لاؤڈ سپیکر پر تقریر کر رہا ہو۔ جس کی آواز گھر بیٹھے بھی سُنی جا سکتی ہو مگر لوگ پھر بھی جلسے میں جو پہنچ جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہی تقاضائے فطرت ہے کہ جس کی آواز سُنی جائے اُس کا منہ دیکھنے پر بھی دل چاہتا ہے۔ اسی طرح دیکھ لیجئے۔ اگر کہیں گانا ہو رہا ہو اور چاروں طرف شائقین کرام کا ہجوم ہو تو آپ دیکھیں گے کہ کسی شوقین کو جب پتہ چلتا ہے کہ فلاں جگہ گانا ہو رہا ہے تو وہ گھر سے دوڑتا ہُوا وہاں پہنچتا ہے اور پھر گانے کی آواز سننے کے باوجود شائقین کی جو چاروں طرف دیوار سی بنی ہوتی ہے۔ اُسے چیر کر آگے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ آگے نہ بڑھ سکے تو وہیں کھڑے کھڑے اپنی ایڑیاں اُٹھانے لگتا ہے اور اپنے آگے کھڑے ہونے والوں کو ڈانٹتا ڈپٹتا ہے۔ کسی سے کہتا ہے۔ ارے اپنا سر تو نیچے کر۔ کسی سے کہتا ہے۔ اجی اپنی پگڑی اُتار کر کھڑے ہو۔ مطلب یہ کہ کسی صورت "گانے والی یا گانے والے" کا چہرہ مبارک بھی نظر آئے۔

غیرت

میرے بھائیو! یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عورت کے چہرے کا اگر پردہ ہے تو عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ یعنی عورت کی آواز بھی پردے میں رہنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ عورت تو پردے میں ہو اور آواز اُس کی سارے محلے میں سنائی دے۔ یا آج کل کی طرح کہ فلاں صاحبہ تقریر فرمائیں گی

لیکن چونکہ وہ پردے کی پابند ہیں۔ اس لیے میکروفون اندر پردے میں بھیج دیا جائے گا۔ تاکہ وہ پردے میں رہ کر تقریر سے مستفید فرما سکیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی پردہ ہے۔ کہ صورت تو مستور رہے اور صوت منشور رہے۔

میرے بزرگو! خوب یاد رکھو۔ کہ عورتوں میں سے اسی لیے کوئی پیغمبر نہیں ہُوا۔ اس لیے کہ پیغمبر کے لیے امت میں تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لیے وعظ و خطبہ ضروری۔ اور اگر کوئی عورت بھی پیغمبر ہوتی تو تبلیغ احکام میں صورت کی بھی بے پردگی ہوتی اور آواز کی بھی۔ عورت اذان بھی اسی لیے نہیں دے سکتی کہ اس کی آواز کی بے پردگی ہوگی۔ میرے بھائیو! یہاں ایک مثال دے کر سمجھاؤں۔ دیکھیے۔ اگر کسی گاؤں میں کوئی مولوی صاحب تشریف لائیں اور وہاں کی کسی نوجوان لڑکی سے وضوء کرا کے اس سے مسجد میں اذان دلوا دیں تو گاؤں والوں کو جب پتہ چلے گا کہ کوئی مولوی صاحب آئے ہیں۔ جنھوں نے ہماری جوان لڑکی سے اذان دلوائی ہے۔ تو سارے غصے میں آجائیں گے اور ممکن ہے مولوی صاحب کو مارنے پیٹنے پر بھی تیار ہو جائیں۔ مگر سوچنا یہ ہے کہ آخر ان لوگوں کو غصہ آئے گا کس بات پر؟ اذان میں ہوتا کیا ہے؟ یہی اللہ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان یعنی کلمہ شریف۔ تو کیا گاؤں والوں کو اس بات کا غصہ آئے گا کہ مولوی صاحب نے ہماری لڑکی سے کلمہ کیوں پڑھوایا؟ اور اللہ و رسول کا نام کیوں کہلوایا؟ بھائیو! نہیں اس بات پر غصہ نہیں آئے گا۔ بلکہ غصہ تو اس بات پر آئے گا۔ کہ ہماری لڑکی کی آواز کو نشر کیوں کیا؟ اور ہماری بیٹی کی آواز کی بے پردگی کیوں کرا ڈالی۔ میرے بھائیو! اب ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس موقعہ پر آپ کا غصہ اور آپ کی غیرت بجا ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہی جوان لڑکی جب ڈھولک لے کر گیت گانے لگتی ہے اور "ماہیا" کے شعر بلند آواز سے سنانے لگتی ہے۔ اس وقت آپ کی یہ غیرت کہاں آرام فرما ہوتی ہے؟ افسوس صد افسوس! ہماری

جوان لڑکیاں آج ڈھولک پر واہیات اور گندے گیت گاتی ہیں اور وہ اودھم مچاتی ہیں کہ محلے بھر کو ساری ساری رات نہیں سونے دیتیں اور اگر کوئی منع کرے تو اُسے ملائیت کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ میرے بھائیو! خوب یاد رکھو کہ عورت کی آوازہ کا بھی پردہ ہے۔ اس لیے کہ آواز سننے سے آواز والے کو دیکھنے کی بھی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پروردگارِ عالم کی ندائے پاک سُنی۔ تو اس بات کی آپ کو خواہش پیدا ہوئی کہ میں خود پروردگارِ عالم کو بھی دیکھوں۔ چنانچہ آپ نے عرض کیا:۔

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (پ۹ ع ۷)

"اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں"

جواب ملا۔ لَنْ تَرٰىنِیْ "تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا" یعنی اس دُنیا میں میرے دیکھنے کی کوئی بشر طاقت نہیں رکھتا۔ اے موسیٰ ذرا اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ ہم اس پر اپنے انوار کی کچھ تجلی ڈالتے ہیں۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ

"اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا۔ تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اور خدا تعالےٰ نے جب اس پہاڑ پر اپنی تجلّی ڈالی تو

فَجَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بے ہوش گرے

پھر جب ہوش میں آئے تو فرمایا:۔

تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

(ترجمہ) میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی نظر

حضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کوہِ طور پر خدا تعالےٰ نے جب اپنی تجلّی ڈالی تو

اللہ کی اس ایک تجلی کی جو جھلک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مبارک آنکھوں نے دیکھی اس کی بدولت آپ کی نظرِ مبارک میں جو برکت پیدا ہوئی وہ بھی سُن لیجئے۔ سُنیئے خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ:

لَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى كَانَ يُبْصِرُ دَبِيْبَ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ مِنْ مَسِيْرَةِ عَشَرَةِ فَرَاسِخَ (طبرانی صغیر صـ۵) موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ نے کلام فرمایا۔ تو اندھیری اور تاریک رات میں کسی پتھر پر اگر کوئی چیونٹی چلتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کی رفتار کو دس فرسخ دُور سے دیکھ لیتے تھے" (اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، غیاث اللغات)

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کی مبارک نظر، کہ تیس میل دُور سے اندھیری رات میں چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ میرے بھائیو! یہ حدیث پاک ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے اور پھر انصاف کرے کہ جس مبارک آنکھ نے تجلّیِ حق کی ایک جھلک دیکھی۔ وہ تیس میل دُور سے اندھیری رات میں چیونٹی کو بھی دیکھنے لگی۔ پھر وہ مبارک آنکھیں جنھوں نے شبِ معراج خود خداوندِ عالم کی ذاتِ مبارک کو دیکھا۔ فرمایئے! ان آنکھوں سے دنیا بھر کی کوئی چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے؟ اور کس قدر ظالم ہے ایسا شخص جو یہ لکھے یا کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار پیچھے کی بھی چیز کا علم نہ تھا۔

ہاں تو پھر موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم ہمارے رسُول ہو۔ ہماری طرف سے فرعون کی طرف جاؤ اور اُسے ہمارا پیغام دو اور سمجھاؤ کہ وہ انسان بنے اور خدائی کا دعوےٰ چھوڑ دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ الٰہی! میری رسالت پر اس نے اگر کوئی دلیل طلب کی تو؟ فرمایا! اے موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا میرا سونٹا! فرمایا: اسے زمین پر تو پھینکو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سونٹے کو

زمین پر جو پھینکا۔ تو

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى

وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے سونٹے کا سانپ بنا دیکھا تو خدا نے فرمایا۔

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

اُٹھا لے اور ڈر نہیں

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اُسے پکڑ لیا۔ تو وہ پھر سونٹا بن گیا۔

لطیفہ یہاں مجھے ایک لطیفہ بھی یاد آ گیا۔ کہتے ہیں۔ ایک امام صاحب جماعت کرا رہے تھے اور یہی رکوع پڑھ رہے تھے اور جب "فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى" تک پہنچے تو اتفاق سے محراب میں سچ مچ ہی ایک سانپ نکل آیا۔ امام صاحب نے سامنے جو سچ مچ سانپ دیکھا تو ڈر گئے اور ڈر میں بار بار یہی آیت پڑھنے لگے۔ فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى، فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى۔ پچھلی صف میں سے ایک نمازی نے سمجھا کہ امام صاحب شاید بھول رہے ہیں، اُس نے لقمہ دیا کہ:

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

جس کا معنی یہ ہے کہ "اُٹھا لے اور ڈر نہیں" امام صاحب نے یہ لقمہ سُنا تو پیچھے مُڑ کر اُس نمازی سے کہنے لگے۔

تَعَالَ اَنْتَ وَخُذْهَا

تم آگے بڑھو اور اِسے اُٹھاؤ

ہاں تو پروردگارِ عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونٹے کو سانپ بنا کر دکھایا اور پھر فرمایا:۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ۔

"اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ نکلے گا سفید چمکتا بے عیب۔"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا مبارک ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو آپ کا ہاتھ مبارک ایسی تیز چمک سے چمکنے لگا کہ نگاہیں نہ ٹھہر سکتی تھیں۔

پھر فرمایا کہ اے موسیٰ! یہ دو نشانیاں لو اور فرعون کی طرف جاؤ اور فرمایا:

فَخُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔

"لے لو جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو۔"

لطیفہ یہاں ایک اور لطیفہ بھی سُن لیجئے۔ یہ پُرلطف قصہ میں نے مدینہ منورہ میں ایک ہندوستانی مولوی صاحب سے سُنا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک عربی سائل نے کچھ طلب کیا تو میں نے اُسے ایک قرش (آنہ) دینا چاہا تو اُس سائل نے کہا۔

يَا شَيْخ۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ۔ یعنی

"جیب میں ہاتھ ڈالو اور سفید چمکتا (روپیہ) نکالو"

مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے وہی قرش (آنہ) آگے بڑھایا اور کہا:۔

خُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔

"لے لو جو میں نے تجھے عطا کیا۔ اور شکر گزاروں میں ہو۔"

میرے بھائیو! ایک بات یہاں یہ بھی قابلِ غور ہے کہ یہ ایک پیغمبر کا ہاتھ ہے اور نبوت کا کمال ہے کہ اس ہاتھ سے سونٹا نیچے ڈالا جائے تو وہ سانپ بن جائے اور ہاتھ سے وہ سانپ پکڑ لیا جائے تو وہ سونٹا بن جائے اور یہ ہاتھ گریبان میں ڈالا جائے تو وہ سُورج کی طرح چمکنے لگے۔ بھائیو! یہ ایک نبی کا ہاتھ ہے اور یہ کمالات نبی کے ہاتھ میں ہیں۔ جس ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ بتایا ہے اور یوں فرمایا ہے:

اُسْلُكْ يَدَكَ

اے موسیٰ! تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ میرے بزرگو! جو ہاتھ "يَدَكَ" کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ہو۔ اس میں تو اتنے بڑے بڑے کمالات ہوں اور جو ہاتھ "يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" کے مطابق خود اللہ کا ہاتھ ہو فرمایئے

وہ کونسی مشکل ہے جو اس ہاتھ سے حل نہ ہوسکے گی اور وہ کونسا کمال ہے جو اس مبارک ہاتھ میں نہ ہوگا۔ یہی وہ ہاتھ ہے جس کے متعلق اعلیٰحضرت نے لکھا ہے کہ :۔ ؎

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا　　موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں　　انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عیدِ مشکلکشائی کے چمکے ہلال　　ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

فرعون کے پاس

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اللہ سے دو نشانیاں پاکر فرعون کی جانب روانہ ہوئے اور جس وقت آپ فرعون کے محل میں پہنچے اُس وقت فرعون صاحب سو رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جگایا اور فرمایا اے ملعون ! ؎

چھوڑ دے تو اپنا دعویٰ چھوڑ دے!　　کبر کے شیشے کو ظالم توڑ دے !

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھا تو کہنے لگا۔ تم وہی تو ہو جو میرے پاس پلے پوسے اور میرا ایک آدمی بھی قتل کرکے بھاگ گئے تھے اور آج مجھے تبلیغ کرنے آگئے۔ ذرا ہوش سے اور سوچ سمجھ کر بات کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم خود ہوش میں آؤ۔ خبردار! میری کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا پیغمبر بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ فرعون نے کہا۔ واہ وا! کیا خیال ہے۔ تم اپنے متعلق کچھ بھی دعویٰ کرو۔ میری نظر میں تو تم وہی ہو۔ جو میرے پاس رہ چکے۔ اور اگر کچھ ایسا ہی دعویٰ ہے تو کوئی نشانی ہو تو دکھلاؤ۔

فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۔

"تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا۔ وہ فوراً ایک اژدہا ظاہر ہو گیا"

حضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا سونٹا مبارک زمین پر ڈالا تو سبحان اللہ! وہ سونٹا ایک اتنا بڑا اژدہا بن گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اُس کا رنگ زرد تھا اور وہ اپنا منہ کھولے ہوئے زمین

سے ایک میل اُونچا اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور ایک جبڑا اُس نے زمین پہ رکھا اور ایک قصرِ شاہی کی دیوار پر۔ پھر اس نے فرعون کی طرف رُخ کیا اور فرعون سمیت اس کے محل کو نگلنے لگا۔ فرعون نے جو یہ منظر دیکھا تو مارے دہشت کے بھاگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت کرنے لگا اور کہنے لگا۔ اے موسیٰ! تمھیں اُس کی قسم! جس نے تجھے رسول بنایا۔ اس کو پکڑ لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو اُٹھا لیا تو وہ پھر سونٹا بن گیا۔

فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ مہلت طلب کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے مہلت دے دی۔ فرعون گھبرایا ہوا اپنے وزرا۔ واراکین سے کہنے لگا۔ کہ موسیٰ تو کہیں سے ایک زبردست کرشمے والا سونٹا لے آیا ہے۔ بتاؤ کیا کریں۔ سب نے کہا۔ ملک کے سب جادوگر اکٹھے کرو اور اُن سے کہو

جادوگر

کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ فرعون کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں جادوگر جمع ہوئے اور فرعون نے اُن کو بتایا کہ موسیٰ کے پاس ایک عصا ہے۔ جب وہ زمین پر ڈالتا ہے۔ تو اس کا عصا ایک خوفناک اژدہا بن جاتا ہے۔ میں نے تم سب کو اس لیے جمع کیا ہے کہ کسی طرح موسیٰ کو شکست دو۔ چنانچہ جادوگروں نے اپنی اپنی لاٹھیوں اور رسیوں پر مسالے ملنا شروع کر دیئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے تیار ہونے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دے دیا۔ کہ ہم سے مقابلہ کر لو۔ حضرت موسیٰ

مقابلہ

علیہ السلام نے چیلنج منظور فرمایا اور فرعونیوں کے ایک بہت بڑے میلے کا دن اس مقابلہ کے لیے مقرر فرما دیا۔ یہ دن فرعونیوں کا ایک ایسا دن تھا جس دن وہ زینتیں کر کر کے دُور دُور سے جمع ہوتے تھے چنانچہ جب یہ دن آیا تو فرعون نے ایک بڑے میدان میں اپنا تخت بچھوا کر بڑے فخر و غرور سے اس پر بیٹھا اور ہزاروں جادوگر اپنا اپنا سامانِ جادو لے کر وہاں پہنچ گئے اور ہزاروں کی تعداد میں دوسرے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے۔

آج فرعون بڑا خوش تھا اور اُسے یقین تھا کہ حضرت موسیٰ آج شکست کھا جائیں گے۔ بے دین کو نبوت اور نبوت کے کمالات کا کچھ علم نہ تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک عام انسان اور دوسروں کی مثل بشر سمجھ رہا تھا۔ جب یہ میدان فرعونیوں سے بھر گیا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بُلوایا۔

میرے بزرگو! اب ذرا نبوت کا کمال دیکھنا۔ اللہ کا نبی وہاں کس شان سے تشریف لایا۔ تنِ تنہا۔ نہ کوئی سامانِ جنگ اور نہ کوئی ساتھ فوج۔ بس اپنے مبارک ہاتھ میں وہی ایک سونٹا ہے۔ جُسے پکڑے ہوئے اللہ کا جلالی پیغمبر علیہ السلام اس فرعونی اجتماع میں تشریف لے آیا۔ اِدھر فرعون جو بڑے فخر و غرور اور تکبر و انانیت کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہے اور اُدھر اللہ کا پیغمبر ہے۔ جو بڑے اطمینان سے اُس مجمع میں تشریف فرما ہے۔ فرعون نے بڑے غرور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کیا اور کہا۔

دیکھ اے موسیٰ کہ ہے ساری خدائی اِس طرف

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ

ہے خدائی اس طرف، ذاتِ الٰہی اس طرف

فرعون نے کہا۔

سربلندی کے ذرا تو اس مرے جھنڈے کو دیکھ

حضرت موسیٰ نے اپنا سونٹا اُٹھا کر فرمایا:

سر جو کچلے گا ترا تو اس مرے ڈنڈے کو دیکھ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا جو دیکھا تو ایک بار پھر تخت پر بیٹھا بیٹھا کانپا۔ میرے بھائیو! یہ نبی کا سونٹا ہے اور یہ نبی کے سونٹے کا کمال ہے کہ دشمن کے چھکے چھڑا رہا ہے۔ ایک وہ آدمی بھی ہے جس کا اپنی بیوی پر بھی رُعب نہیں۔ بھائیو! آج ہمارے پاس بھی سونٹے ہیں۔ مگر کہاں یہ اور کہاں عصائے موسیٰ۔

گردوں کا سہارا

سو سو رحمتیں نازل ہوں اعلیحضرت کے مزارِ اقدس پر۔ اس موقع پر اُن کا ایک ایمان افروز شعر یاد آگیا۔ فرماتے ہیں ؎

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا! گردوں کا سہارا عصائے محمد!

سبحان اللہ! کیا اچھا فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصائے مبارک تو غضب و جلال کا سونٹا تھا مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عصائے مبارک رحمت و جمال کا مظہر اور گرتوں کا سہارا عصائے مُبارک ہے۔

ہاں تو یہ نبی کا عصا ہے۔ جسے دیکھ کر فرعون لرز اُٹھا اور اپنے جادوگروں سے کہنے لگا۔ لو بڑھو اور کرو مقابلہ اس سے۔ چنانچہ فرعونی جادوگر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اپنے اپنے رسّے اور سونٹیاں لے کر آگے بڑھے اور کہنے لگے۔

يَامُوسٰى إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ۔ (پ۹۔ ع۳)

اے موسیٰ! یا تو پہلے آپ اپنا عصا ڈالیں یا پھر ہم اپنے سونٹے رسیاں وغیرہ ڈالتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم ہی پہلے ڈال لو، اور نکال لو جو سانپ نکالنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اپنی رسیاں اور سونٹے ڈالے تو جادوگروں کے جادو سے سارا میدان سانپوں سے بھر گیا اور ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں سانپ ہی سانپ دوڑتے پھرتے نظر آنے لگے۔ فرعون بڑا خوش تھا کہ اب موسیٰ ؑ جیت نہیں سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ اے موسیٰ ؑ! اب تم بھی اپنا عصا ڈالو اور پھر دیکھو کہ یہ نبی کا سونٹا اپنا کیا کمال دکھاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا۔ تو

فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سونٹا ایک عظیم اژدہا بن گیا اور سارے میدان میں منہ کھول کر چکر لگانے لگا اور ایک ہی چکر میں سارے جادوگروں کے ہزاروں

سانپوں کا ایک ہی لقمہ بنا گیا۔ اللہ کے نبی کے سونٹے کے ایک ہی چکر نے جادوگروں کی مہینوں کی کوششوں پر پانی پھیر دیا اور وہ جادوگر یہ اعجاز دیکھ کر سب کے سب سجدے میں جا پڑے اور کہنے لگے :-

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ـ رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ۔

"ہم موسیٰ و ہارون کے رب اور سارے جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے"۔

سبحان اللہ! نبی کے سونٹے نے وہ کمال دکھایا کہ ہزاروں جادوگر ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے! اور فرعون پر لعنت بھیجنے لگے۔

فرعون نے جو یہ منظر دیکھا تو گھبرایا اور اُن جادوگروں کو ڈرانے دھمکانے لگا مگر اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ کچھ بھی کر۔ مگر اب ہم ایمان لا چکے اور سچے رب کو پا چکے۔ اب ہم اس ایمان سے پھسل نہیں سکتے اور تمھیں کبھی سچا نہیں مان سکتے۔

میرے بزرگو! دیکھا آپ نے نبوت کے کمال کو؟ اور نبی کے رعب و جلال کو؟ کہ اس کے ایک سونٹے ہی سے دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو گئی۔ میرے بھائیو! اِن پاک ہستیوں کو کبھی عام سطح پر نہ رکھو اور اس بات پر یقین رکھو کہ ہم اگر فرش ہیں تو وہ عرش ہیں۔ ہم کچھ بھی نہیں اور وہ سب کچھ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح عقیدہ پر قائم رکھے اور بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۞

---

۲۹ انتیسواں وعظ

فوز و فلاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ج فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ج وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (پ۱۸ ع ۱)

(ترجمہ) بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اور جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو اُن کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں، تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

(کنزالایمان)

حضرات! آج جو میں نے آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے

نجات و کامیابی اور فوز و فلاح کا طریق بیان فرمایا ہے۔ اِس وقت میں اگر آپ سے پوچھوں کہ آپ میں سے کون ہے جو نجات و فلاح کا طالب ہے؟ اور کون ہے جو چاہتا ہے کہ میں قیامت کے روز خدا کی گرفت سے بچ جاؤں؟ تو سب یہی کہیں گے کہ صاحب! ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ ہم کامیاب و بامراد ہوں اور خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں اور اگر میں یہ کہوں کہ آپ میں سے جو شخص فلاح و نجات کو نہیں چاہتا وہ ہاتھ کھڑا کرے۔ تو یقیناً کوئی بھی اپنا ہاتھ کھڑا نہ کرے گا۔ میرے بھائیو! اگر واقعی آپ اپنی طلب میں سچے ہیں اور سچ مچ آپ بامراد ہونا چاہتے ہیں اور خدا کی گرفت سے بچ جانا چاہتے ہیں تو آیئے اس مقصد کے حصول کے لیے خدا تعالیٰ کا ارشاد فرمودہ طریق کار سنیے اور اس پر عمل کرکے فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جایئے۔

ایمان

حضرات! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ "بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔" خوب یاد رکھیے کہ ایمان ہی فوز و فلاح اور کامیابی کی بنیاد ہے۔ سب سے پہلے ایمان ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان آیاتِ کریمہ میں اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن ان سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے ایمان کا ذکر کیا ہے۔ گویا ایمان نہ ہو تو کوئی عمل، عمل صالح نہیں اور بجز ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ بھائیو! آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ خدا تعالیٰ نے جہاں بھی اعمالِ صالحہ کا ذکر کیا ہے وہاں پہلے ایمان کا ذکر ضرور فرمایا ہے۔ اس لیے کہ ایمان ہی اصل ہے اور بنیاد ہے۔ اگر یہ ہے تو اس بناء پر اعمالِ صالحہ قائم رہیں گے اور کام آئیں گے اور اگر یہ بنیاد ہی نہیں تو سارے اعمال بیکار اور ضائع ہو جائیں گے چنانچہ خدا تعالیٰ کفار کے اعمال کے متعلق فرماتا ہے:۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (پ۱۹ ع ۱)

"اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار

کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔"

دیکھا آپ نے ایسے ایمانوں کے جملہ اعمال بکھیر دیئے گئے اور ضائع کر دیئے گئے جس کی بنیاد نہ ہو۔ اُس کا حشر یہی ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ایمان ضروری ہے۔ اعمالِ صالحہ بھی ضروری ہیں۔ مگر ایمان کو تقدیم حاصل ہے۔ نجات کا مدار ایمان ہی پر ہے۔ ایک شخص چاہے بظاہر بہت بڑا پارسا ہو، نیک ہو، بہت بڑا مبلغ ہو، لندن و پیرس تک پہنچ پہنچ کر تبلیغ کرتا ہو اور پیدل چل چل کر بھوکا پیاسا رہ کر بزعمِ خویش خدماتِ تبلیغ سر انجام دیتا ہو مگر بے ایمان ہو۔ تو اس کے یہ سارے اعمال هَبَاءً مَّنْثُورًا کے مصداق ہیں۔ بھائیو! گاندھی جی کو دیکھ لو۔ وہ مردِ مشرک بڑی پوجا پاٹ کیا کرتا تھا، بظاہر بڑا حلیم اور متواضع تھا۔ ہر شخص کے آگے ہاتھ جوڑا کرتا تھا۔ حد یہ کہ گیتا کے ساتھ ساتھ قرآنِ پاک بھی تلاوت کیا کرتا تھا۔ مگر کیوں صاحب! گاندھی کیا "ناجی" ہے؟ اور کیا وہ جنتی ہے؟ استغفر اللہ العظیم! ہرگز نہیں۔ وہ چونکہ مومن نہ تھا، اس لیے وہ ناری ہی ہے۔ اگر وہ پڑھ لیتا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو یہ ایمان بیشک ناجی اور جنتی بنا دیتا۔ معلوم ہوا کہ نجات کا مدار ایمان پر ہی ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ (مشکوٰۃ شریف) "یعنی جس شخص نے توحید و رسالت کی گواہی دی اور لَآ اِلٰهَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا۔ اُس پر نارِ جہنم حرام ہے اور وہ جنتی ہے۔"

ایمان کیا ہے؟

میرے بھائیو! ایمان نام ہے یقین اور تصدیقِ قلبی کا۔ یعنی دل سے خدا کی توحید اور رسولِ خدا کی رسالت، حشر و نشر، روزِ قیامت اور فرشتوں پر یقین رکھے اور ان حقائق کے خلاف

اس کے دل میں وہم تک نہ گزرے۔ اس یقین و تصدیق کے بعد اب جو وہ نیک کام کرے گا۔ وہ اعمالِ صالحہ کہلائیں گے اور اس کے کام آئیں گے۔ ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے کہ ایمان ایک ایسا یقین ہے جو ہر وقت مومن کے دل میں قائم رہتا ہے اور کسی لحظہ بھی اُس سے جُدا نہیں ہوتا۔ مومن جاگ رہا ہو تو بھی مومن ہے۔ سو رہا ہو تو بھی مومن۔ گھر میں ہو تو بھی مومن۔ جہاں ہو جس طرح بھی ہو وہ مومن ہی ہے۔ برخلاف عمل صالح کے۔ کہ عمل وقتی طور پر ہوتا ہے اور وقت گزر گزر جانے پر وہ عمل قائم نہیں رہتا۔ مثلاً نماز ایک نیک عمل ہے مگر نمازی جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے۔ یہ عمل قائم رہتا ہے۔ مگر جب نماز ختم ہو جاتی ہے تو یہ عمل قائم نہیں رہتا۔ پھر جب دوسری نماز کا وقت آتا ہے تو پھر یہ عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب یہ نماز بھی پڑھ لی جاتی ہے تو عملِ نماز پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ایک نیک عمل ہے۔ مگر یہ بھی ماہِ رمضان میں شروع ہوتا ہے اور عید پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ نفلی روزہ بھی صبح سے شام تک رہتا ہے اور رات کو جُدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر جملہ نیک کام کرنے پر قائم، اور کر لینے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کہ ایک شخص بے ایمان ہے تو وہ مجرم ہے اور اُسے اس بے ایمانی کی سزا ملے گی اور ایک شخص بے عمل ہے، نماز نہیں پڑھتا۔ روزہ نہیں رکھتا۔ وہ بھی مجرم ہے اور اُسے بھی سزا ملے گی۔ مگر دونوں کی سزاؤں میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا ایمان و عمل کی کیفیات میں فرق ہے۔ یعنی بے عمل کو قیامت کے دن جو سزا ملے گی۔ وہ دائمی نہ ہوگی بلکہ جس طرح عمل وقتی طور پر ہوتا ہے اور عمل پورا ہو جانے کے بعد عمل قائم نہیں رہتا۔ اسی طرح ترکِ عمل کی سزا بھی ہمیشہ کے لیے قائم نہ رہے گی بلکہ وہ اپنا وقت ختم ہو جانے پر ختم ہو جائے گی اور اُس کا ایمان اُسے ایک نہ ایک وقت جہنم سے ضرور نکال کر رہے گا اور جو بے ایمان ہوگا اُسے

اس بے ایمانی کی جو سزا ملے گی۔ وہ دائمی ہوگی۔ یعنی جس طرح ایمان کسی وقت
بھی جُدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ترکِ ایمان کی سزا بھی کسی وقت جُدا نہ ہوگی اور
بے ایمان خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلے گا۔
چونکہ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے جو جہنم سے نجات دلانے والی ہے۔ اور کافر
میں یہ ہے نہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جو بے عمل
ہے۔ لیکن ہے مومن تو یہ ایمان اُسے جہنم میں رہنے نہ دے گا اور انجام کار
اُسے جہنم سے نکال کر رہے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
قیامت کے روز خدا تعالیٰ اپنی عزت و جلال کی قسم فرما کر فرمائے گا کہ:

لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۱)

"میں ہر کلمہ پڑھنے والے کو جہنم سے نکال لوں گا۔"

دیکھا آپ نے کہ ایمان ہی باعثِ نجات ثابت ہوا یا نہیں؟ اگر
ایمان نہیں تو نجات بھی نہیں اور اگر ایمان ہے اور ساتھ ہی ساتھ بے عمل
بھی ہے۔ تو وہ اگرچہ اپنی بے عملی کی سزا پائے گا تو سہی۔ لیکن ایک وقت
وہ اس عذاب سے نجات بھی یقیناً پائے گا۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (پ۲ ع۱۱)

"اور بیشک مومن غلام مشرک سے اچھا ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔"

یعنی بے ایمان اگرچہ بظاہر کتنا ہی بھلا کیوں نہ ہو۔ اس سے ایک مومن
غلام ہزار درجہ اچھا ہے۔ مومن غلام ہو۔ گنہگار ہو۔ لیکن ہے تو مومن۔ اعلیٰحضرت
فرماتے ہیں۔ ؎

بد سہی چور سہی مجرم و ناکارہ سہی — اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

جنت کے لڈو

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے والا جنت میں ضرور جائے گا۔ اگرچہ
وہ بدعمل بھی ہو (مفصل حدیث مشکوٰۃ شریف ص۱۶ پر موجود ہے) مطلب یہ ہے کہ

جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والا ہے۔ وہ اگرچہ گناہ گار بھی
ہے۔ پھر بھی ہے تو میرا ہی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک مثال سنیئے:۔
ایک سکول میں ایک بہت بڑا افسر آتا ہے اور اس کی آمد کی خوشی
میں سکول کے لڑکوں کے لیے بوندی کے لڈو منگوائے جاتے ہیں اور وہ افسر
حکم دیتا ہے کہ یہ لڈو سکول کے لڑکوں میں تقسیم کر دیئے جائیں تو دیکھئے
کہ اُس سکول میں بعض لڑکے بڑے ذہین اور بڑے محنتی ہیں اور بعض
کُند ذہن اور کھلنڈرے بھی ہیں۔ مگر جب لڈو بانٹے جائیں گے تو اس وقت
یہ دیکھا جائے گا کہ اس سکول میں کون کونسا لڑکا داخل ہے اور پھر جو لڑکا
بھی سکول میں داخل ہوگا اُسے لڈو ضرور مل جائے گا۔ ذہین لڑکے کو بھی
اور کُند ذہن کو بھی۔ محنتی کو بھی اور کھلنڈرے کو بھی۔ اس میں شک نہیں
کہ جو لڑکا محنتی نہ ہوگا۔ کھلنڈرا ہوگا۔ اُسے سزا بھی ملے گی۔ ماسٹر سے طمانچے
کھانے پڑیں گے۔ اُس کے کان پکڑوائے جائیں گے۔ اُسے مُرغ بنایا جائے
گا۔ مگر جب لڈو بٹنے لگیں گے تو لڈو بھی اُسے یقیناً مل ہی جائے گا۔ برخلاف
اس کے جو لڑکا محنتی ہے۔ قابل ہے۔ مگر سکول میں داخل نہیں۔ مگر پرائیویٹ
پڑھتا ہے۔ ٹیوشن پر تعلیم پاتا ہے۔ تو اُس کی یہ قابلیت لڈو بٹنے کے وقت
کچھ کام نہ آئے گی۔ اس لیے کہ لڈو پانے کے لیے تو صرف "سکول کا لڑکا"
ہونا شرط ہے۔ اسی طرح کل قیامت کے روز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صدقہ میں جنت کا جو لڈو بانٹا جائے گا۔ تو یہ لڈو ہر اس شخص کے
لیے ہوگا۔ جو سکول ایمان میں داخل ہے۔ گنہگار مومن اگرچہ اپنے کھلنڈرے پن
کی سزا بھی پائیں گے۔ مگر جب جنت کا لڈو بٹنے لگے گا تو پھر یہ دیکھا جائے
گا کہ ایمان میں داخل کون ہے؟ اور جو ایمان میں داخل نہیں، وہ اگرچہ بڑا
پارسا بھی ہوگا۔ تو وہ گاندھی کی طرح پرائیویٹ اور ٹیوشن پر پڑھنے والا شمار
ہوگا۔ اور لڈو کا کسی صورت حقدار نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ جنت کا لڈو تو

اُن کے لیے ہے۔ "جو محمدی سکول" کے لڑکے ہیں ——— یہی مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے والا ہے۔ وہ اگرچہ گنہگار بھی ہوگا۔ تو بھی جنت کا حقدار ضرور ہے۔ ؎

زاہد! اُن کا میں گنہگار وہ شافع میرے!
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

جہنّم سے بچو میرے بھائیو! اس موقع پر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ چلو نماز روزہ سے چھٹی ہوئی۔ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ کلمہ پڑھ لیا ہے تو اب کوئی نیک کام کرنے کی حاجت نہیں۔ نہیں میرے بھائیو! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھیے میں نے یہ بھی تو سُنایا ہے کہ بے عملی کی بھی سزا ہے، دائمی نہ سہی کچھ وقت کے لیے ہی سہی۔ لیکن ہوگی تو سہی۔ اور جہنم کی ایک لحظہ کی سزا بھی الامان والحفیظ۔ خدا محفوظ رکھے۔ کوئی معمولی بات تو نہیں۔ میرے بھائیو! یہ ہماری اس دنیا کی آگ جو جہنم کی آگ کے مقابلہ میں بہت ہی ہلکی ہے۔ ذرا غور تو کیجیے۔ کیا اس میں ایک منٹ کے لیے جانا بھی کوئی منظور کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اے میرے بھائیو! جہنم کی وہ آگ جو اس آگ سے ہزاروں درجے زیادہ تیز ہے۔ اس میں لحظہ بھر بھی جلنے کی تاب کون لا سکتا ہے؟ پھر وہ شخص کس قدر بیوقوف ہے۔ جو نماز روزہ کا پابند نہیں۔ اور دیگر احکامِ شریعت کی تعمیل نہیں کرتا اور جہنم کی آگ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! قرآن پاک فرماتا ہے :-

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔

"ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن نافرمان انسان اور پتھر ہیں۔"

قیامت کا ہولناک روز بھائیو! ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے اور میدانِ حشر میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔ بھائیو! اس روز سورج سر پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ زمین پگھلے ہوتے

تانبے کی طرح ہو جائے گی۔ سر پر سایہ کوئی نہ ہوگا۔ کافروں، منافقوں اور بے دینوں کے بدنوں سے بے حد پسینہ جاری ہوگا۔ اُس روز بجز رحمتِ حق کے سایہ کے جو خاص مومنوں کے لیے ہوگا اور کہیں بھی سایہ نہ ہوگا۔ نیک اور بد الگ الگ کر دیے جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے پُکار کر کہا جائے گا۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اے مجرمو! آج دن وہ نہیں ہے کہ دنیا کی طرح تم نیکوں میں ملے جُلے رہو۔ میرے پیاروں سے الگ ہو جاؤ۔ چنانچہ گنہگاروں کا ہر ایک فرقہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ بے نمازوں کا الگ۔ رشوت خوروں کا الگ اور بدمعاشوں، ڈاکوؤں، قاتلوں کا الگ۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرقہ کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اُدھر نیکوں کی جماعتیں بھی الگ الگ ہوں گی۔ پھر اِس ہولناک دن میں سب اپنی اپنی کرتوتوں سے پوچھے جائیں گے۔ قیامت کے اس اولین موقف میں قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر ہر ایک اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے گا۔ نیک کہیں گے ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ بدکار کہیں گے۔ افسوس ہم نے اپنی دنیوی زندگی گناہوں میں کیوں بسر کی۔ کاش کچھ نیکی بھی کر لیتے۔ جو آج کے دن کام آتی۔ اور ہر شخص اپنی نجات کی فکر میں ہوگا۔ ادھر بجز ہمارے حضور کے سب کی زبانوں پر نفسی نفسی کی آواز ہوگی اور اُس روز کوئی بول بھی نہ سکے گا۔ ہاں جسے اِذن ہوگا۔ وہی بول سکے گا۔ خدا فرماتا ہے :-

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

گنہگار جب یہ ہولناک منظر دیکھیں گے۔ تو چاہیں گے کہ خدا تعالیٰ ہماری اولاد وغیرہ دیگر اشیا ہم سے لے لے اور ہمیں اپنے عذاب سے رہائی دے دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ
وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ۔ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَ

مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ كَلَّا إِنَّهَا لَظَىٰ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ (پ ۲۹ ع ۷) مجرم آرزو کرے گا۔ کاش اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دے دے اپنے بیٹے۔ اور اپنی جورو۔ اور اپنا بھائی اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے اور جتنے زمین میں ہیں سب پھر یہ بدلا دے کر اُسے بچالے ہرگز نہیں، وہ تو بھڑکتی آگ ہے۔ کھال اُتارنے والی بلا رہی ہے اس کو جس نے پیٹھ دی اور منہ پھیرا۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ دن کتنا خطرناک اور ہولناک ہوگا اور بدعملیوں کے باعث کس قدر وہاں پریشانی ہوگی۔ تو اگرچہ ایمان انجام کار جہنم سے نکال ہی لے گا۔ مگر ان خطرناک منازل کا تو سامنا ہوگا۔ اور کچھ مدت کے لیے ہی سہی۔ نافرمانیوں اور بدعملیوں کی سزا ملے گی تو سہی۔ تو پھر کیوں نہ ہم اپنی عملی زندگی بھی درست کریں اور ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی اختیار کریں اور جہنم سے بچ جائیں۔ ؎

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أَوْقَدْتُمُوْا
إِنَّكُمْ فِي الْمَعْصِيَةِ إِدَّدْتُمُوْا

نماز روزہ کے مسائل

میرے بھائیو! ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہم میں سے جو نماز و روزہ ادا بھی کرتا ہے۔ وہ ان اعمالِ صالحہ کے شایانِ شان ان کی ادائیگی نہیں کرتا۔ نماز و روزہ کو ایک معمولی چیز سمجھ کر ان کے مسائل کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ میرا دعویٰ ہے، کہ اتنے بڑے مجمع میں اگر کسی سے نماز سنی جائے تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آئیں گی اور ان کے ارکان وغیرہ کی کما حقہٗ ادائیگی نظر نہیں آتی۔ مسجد میں آئے اور دو ٹکریں مار کر باہر نکل گئے۔ نہ صحت کے ساتھ کچھ پڑھا۔ نہ تعدیلِ ارکان کا خیال رکھا اور نہ ہی کسی آداب کو ملحوظ رکھا۔ بھائیو! اس طرح غفلت

کے ساتھ فرض کی ادائیگی بھی بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا دیتی ہے اور سارا قصہ مثنوی شریف کے اس بہرہ والا ہو جاتا ہے جس کا ذکر مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی میں کیا ہے۔

ایک بہرے کا قصّہ

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ایک بہرہ تھا۔ اس کا پڑوسی بیمار ہو گیا تو بہرے نے سوچا کہ پڑوسی کی بیمار پُرسی کے لیے جانا چاہیے۔ مگر کیا کروں۔ میں بہرہ ہوں اور وہ بیمار ہے۔ بیماری کی وجہ سے وہ کمزور آواز میں بولے گا اور میں سُن نہ سکوں گا۔ میں پوچھوں گا تو خدا جانے وہ کیا جواب دے گا۔ پھر اُس نے دل میں خود ہی کچھ سوال و جواب گھڑ لیے اور سوچا کہ میں کچھ پوچھوں گا تو اس کے لب ہلیں گے تو میں خود ہی اپنی فراست سے بطورِ قیاس سمجھ لوں گا کہ اس نے یہ بات کہی ہے۔ چنانچہ اُس نے پہلا سوال و جواب یہ سوچا کہ میں سب سے پہلے اُس سے پُوچھوں گا کہ تمھارا کیا حال ہے۔ تو وہ ضرور کہے گا کہ میں اچھا ہوں اور نسبتاً آرام ہے۔ کیونکہ عمومًا یونہی کہا جاتا ہے۔ میں کہہ دوں گا۔ الحمد للہ۔ پھر میں پوچھوں گا، کہ علاج کس کا جاری ہے؟ تو وہ اچھے طبیب ہی کا نام لے گا۔ میں کہہ دوں گا بڑا اچھا طبیب ہے۔ اس کا علاج نہ چھوڑنا۔ پھر میں پوچھوں گا۔ غذا کیا ہے؟ تو وہ کسی نرم غذا ہی کا ذکر کرے گا۔ تو میں کہہ دوں گا۔ بڑی اچھی غذا ہے۔ اسی کا استعمال جاری رکھنا۔ چنانچہ وہ بہرا اس بیمار پڑوسی کے پاس پہنچا اور ؎

گفت چونی گفت مُردم گفت شکر
شُد ازاں رنجور پُر آزار و نکر

بیمار سے پوچھا فرمایئے کیا حال ہے؟ بیمار بولا "مر رہا ہوں"۔ بہرا بولا۔ "الحمد للہ!" یہ سُن کر بیمار کو بڑا غصہ آیا کہ یہ میرا دشمن کہاں سے آ گیا جو میری تکلیف پر الحمد للہ کہہ رہا ہے۔ ؎

بعد ازاں گفتش چہ خوردی گفت زہر گفت نوشت باد افزوں گشت قہر

بہرے نے پھر پوچھا کہ خوراک کیا ہے؟ بیمار بولا "خوراک میری زہر ہے"

بہرا بولا۔ بڑی اچھی غذا ہے۔ یہی چیز کھایا کرو۔ اسے مت چھوڑنا۔ اب تو بیمار اور بھی غصہ میں آ گیا۔

بعد ازاں گفت از طبیباں کیست او
کہ ہمے آید بچارہ پیشِ تو

بہرے نے پھر پوچھا کہ طبیب کونسا ہے؟ جو تمہارا علاج کرنے کے لیے آتا ہے تو سے

گفت عزرائیل مے آید برو
گفت پایش بس مبارک شاد شو

بیمار نے جواب دیا۔ طبیب میرا عزرائیل یعنی ملک الموت ہے۔

بہرہ بولا۔ مبارک ہو۔ یہ بڑا اچھا طبیب ہے۔ اس کا علاج نہ چھوڑنا۔ یہ کہہ کر بہرہ بزعم خویش اپنا فرض پورا کر کے چلا آیا اور یہ سمجھا کہ بیمار کو میں خوش کر کے آیا ہوں۔ حالانکہ وہ اپنی جہالت سے بیمار کو ناخوش کر کے آیا تھا۔

میرے بھائیو! اسی طرح جب کہ غافل مسلمان مسجد میں آتا تو نماز پڑھ کر خدا کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ مگر غلط سلط نماز پڑھ کر الٹا خدا کو ناراض کر کے مسجد سے نکلتا ہے۔ بھائیو! نماز پڑھتے ہو۔ تو نماز کے مسائل بھی یاد کرو۔ اور اسے کوئی معمولی کام نہ سمجھو۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے نمازیوں کو بھی نماز کے مسائل یاد نہیں ہوتے۔

لطیفہ

چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی صاحب نماز پڑھ رہے تھے تو سلام پھیرنے کے بعد انھوں نے "سجدہ سہو" کیا۔ کسی نے پوچھ لیا۔ کیوں صاحب! نماز میں کیا بھول واقع ہو گئی تھی۔ جو آپ کو "سجدہ سہو" کرنا پڑا۔ تو وہ بولے بھولا تو کچھ بھی نہیں۔ ہاں دوسری رکعت میں وضو ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے "سجدہ سہو" کر لیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا مسئلہ نکالا ہے کہ وضو

ٹوٹ جائے تو سجدہ سہو کر لو۔

حضرات! اب ایک اور بات باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ

ایک اور بات

کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے اگر آدمی مومن بن جاتا ہے۔ تو پھر ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھتا نظر آئے۔ اس پر کوئی فتویٰ نہ لگنا چاہیے۔ حالانکہ شریعت میں کلمہ پڑھنے والے پر بھی فتوے لگ جاتا ہے تو بھائیو! اور اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک اور حدیث پاک سن لو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے اندر تشریف فرما تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:۔

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِيْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيْتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف ص۷)

یعنی اے ابوہریرہ میرے یہ نعلین (جوتے مبارک) لو اور جاؤ باغ کی اس دیوار کے پیچھے جو شخص بھی تجھے ملے۔ جو دل کے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو۔ اسے جنت کی بشارت دے دو۔"

میرے بھائیو! اس حدیث پاک میں دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو اپنے نعلین شریفین دے کر یہ حدیث سنانے کا ارشاد فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ حضور نے اپنے نعلین شریفین کیوں دیئے؟ اور اگر اپنی طرف سے ابوہریرہ کو کوئی اس امر کی نشانی کہ یہ ارشاد حضور ہی کا ہے۔ دینی ہی تھی۔ تو نعلین شریفین کی بجائے کچھ اور مرحمت فرما دیتے۔ عمامہ شریف دے دیتے یا کوئی رومال وغیرہ دے دیتے۔ یہ نعلین شریفین ہی دینے میں کیا مصلحت تھی؟ تو میرے بھائیو! آؤ میں آپ کو اس کی حکمت بتاؤں۔ سنیے بات دراصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے

والے کو جنّت کی بشارت دینے کا ارشاد فرماتے ہوئے ساتھ ہی اپنے نعلین شریفین بھیج دیئے کہ اے ابوہریرہ! جسے یہ حدیث سناؤ۔ اُسے میرے یہ نعلین بھی دکھا دو۔ مطلب یہ کہ جو شخص کلمہ پڑھ لے تو جب تک اس کے دل میں ان نعلین شریفین کا بھی ادب و وقار نہ ہوگا۔ وہ کلمہ پڑھ لینے کے باوجود بھی صاحبِ ایمان نہ ہو سکے گا اور جنّت کی بشارت صرف اسی کے لیے ہوگی جو کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کا بھی ادب کرے گا اور جس کے دل میں اب مقدس نعلین کا بھی ادب نہ ہوگا۔ اور وہ انھیں عام جوتوں کی مانند سمجھے گا۔ تو اس کے کلمہ پڑھنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ــ میرے بھائیو! اب خود ہی فیصلہ فرمالیجئے کہ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کو تو کیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنی مانند سمجھنے لگے تو اس کے کلمہ پڑھنے کا کیا اعتبار۔ اسی لیے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

زبان پر شہادت لب پہ کلمہ دل میں گستاخی سلام اے اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

نعلین شریفین میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین وہ مقدس اور ارفع و اعلیٰ اور بابرکت چیز ہے کہ حضرت ابوجعفر احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی بیوی کو سخت درد شروع ہوگئی جس کے باعث وہ مرنے کے قریب ہوگئی۔ اس کے خاوند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلِ پاک کا نقشہ شریف مقامِ درد پر رکھ کر یوں کہا:۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ بَرَکَۃَ ھٰذَا النَّعْلِ نَشْفَاھَا اللّٰہُ لِلْعِیْنِ ـــ

اے اللہ! اس نعلِ پاک کی برکت مجھے دکھادے۔ یہ کہتے ہی اُس مریضہ کو فوراً شفا ہوگئی۔" (جواہر البحار صفحہ ۹۵۵ جلد ۳)

علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے نعل شریف کی اور بھی کئی برکات نقل فرمائی ہیں اور بعض ائمہ کا یہ ارشاد بھی لکھا ہے کہ:

مِنْ بَرَکَتِہٖ اَنَّ مَنْ لَازَمَ حَمْلَہٗ کَانَ لَہُ الْقَبُوْلُ التَّامُّ

مِنَ الْخَلْقِ۔ (جواہر البحار صفحہ ۹۵۶ ج ۳) جو شخص نعل شریف کو اُٹھائے رکھے گا۔ وہ مقبولِ خلائق بن جائے گا۔

مولانا حسن علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے کہ:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اور سنیئے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ نقشہ نعلِ پاک جس لشکر میں ہوگا اُسے شکست نہ ہوگی۔ جس قافلہ میں ہوگا اُسے لوٹا نہ جائے گا۔ جس کشتی میں ہوگا وہ غرق نہ ہوگی۔ جس گھر میں ہوگا وہ جلے گا نہیں۔

وَمَا تَوَسَّلَ بِصَاحِبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَاجَۃٍ اِلَّا قُضِیَتْ (جواہر البحار صفحہ ۹۵۶ ج ۳) اور صاحبِ نقشہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جس حاجت کے لیے دعا مانگی جائے گی وہ پوری ہوجائے گی۔"

اور پھر حضرت نبہانی علیہ الرحمۃ نے متعدد واقعات لکھے ہیں۔ جن میں مذکور ہے کہ بعض جہاز سمندر کے طوفان میں پھنس گئے اور وہ اس نقشۂ پاک کی برکت سے بچ گئے۔ بعض مکان اس نقشہ پاک کی برکت سے ارد گرد آگ لگ جانے کے باوجود محفوظ رہے اور بعض قافلے اس نقشۂ پاک کی برکتوں سے ڈاکوؤں کے حملہ سے بچ گئے۔ اسی لیے حضرتِ موصوف نے جواہر البحار میں یہ شعر لکھا ہے کہ:۔

یَا نَاظِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِیِّہٖ قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَکَبِّرًا

اے نقشۂ نعلِ پاک کو دیکھنے والے اس مبارک نقشہ پاک کو عاجزی سے چُوم لو۔

ہاں تو یہ نقشہ پاک کی بے پناہ برکتیں ہیں۔ پھر جس نعلِ پاک کا یہ نقشہ ہے۔ اس نعل پاک میں کیا کیا برکتیں نہ ہوں گی۔ اور مسلمانو! پھر اندازہ تو کرو۔ اس وجود باوجود منبع البرکات معدن الحسنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اَن گنت برکات کا جس کے پائے انور کے ساتھ مَس کرنے کی بدولت

اس نعلِ پاک کے نقشہ میں بھی اتنی برکتیں پیدا ہوگئیں۔ پڑھیے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللہ

میرے بھائیو! اپنے دل میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے نعلین شریفین کا بھی ادب و احترام پیدا کرو۔ اگر یہ ادب و وقار نہیں تو کلمہ پڑھنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میرے بزرگو اور دوستو! نعلین شریفین عطا فرمانے میں ایک اور راز بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اے کلمہ پڑھنے والے ذرا ان نعلین پاک کو بھی دیکھ لے اور خوب سمجھ لے کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے قدم بقدم بھی چلنا۔ اور اتباعِ رسولؐ بھی اختیار کرنا۔ یہ نہ ہو کہ کلمہ پڑھ کر بیکار بیٹھے رہو اور حضورؐ کا اتباع اختیار نہ کرو۔ یا کلمہ تو پڑھو حضورؐ کا اور چلو کسی ملحد کے نقشِ قدم پر۔ اس لیے کہ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ٭ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔

ہاں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمان والے بامراد اور کامیاب ہیں۔ پھر اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْن۔ وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں۔ میرے بھائیو! آپ سن چکے کہ ایمان کے بعد عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ دیکھ لیجیے خدا تعالیٰ نے ایمان کا ذکر فرما کر اب اعمال کا ذکر بھی فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ایمان لانے کے بعد وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور نماز بھی برائے نام نہیں بلکہ خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

خشوع حضرات! خدا تعالےٰ نے جو نماز میں خشوع اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نماز دل لگا کر پڑھے۔ دل میں خدا کا خوف

ہو۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھائے۔ انگلیاں نہ چٹخائے۔ داڑھی کے بالوں سے نہ کھیلے۔ بلکہ انتہائی خلوص اور انکساری کے ساتھ نماز ادا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ صَلِّ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ نماز یوں پڑھ۔ جیسے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ اور اگر تم نہیں دیکھ سکتے تو یقین کر کے نماز پڑھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔" بھائیو! یہ نماز کیا ہے۔ یہ مخلوق کی بارگاہِ خالق میں حاضری ہے۔ نمازی اپنے خالق کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنے خالق سے محوِ دعا ہوتا ہے۔ گویا اِدھر مخلوق ہے اور اُدھر رحمتِ خالق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گزر جانے کی اجازت نہیں۔ دیکھ لیجیے۔ دو آدمی آمنے سامنے گفت گو کر رہے ہوں تو کوئی شخص ان کے درمیان سے گزرے تو دونوں برا مناتے ہیں۔ بلاتشبیہ اِدھر مخلوق ہے اور اُدھر خالق کا جلوہ ہے تو جو کوئی نمازی کے آگے سے گزرے گا تو گویا وہ دونوں کے درمیان سے گزرے گا اور شریعت برا منائے گی۔

میرے بھائیو! نماز پڑھو اور خشوع کے ساتھ پڑھو۔ نماز کے جملہ آداب و اعمال کو بجا لا کر پڑھو۔ اگر آداب و اعمال مکمل نہ ہوں تو نماز تو ہوئی۔ لیکن ایسی جیسے کوئی آدمی ہو جو زندہ تو ہو۔ مگر اس کی آنکھیں نکل گئی ہوں اور ناک کان کٹے ہوتے ہوں اور اگر رکوع و سجود اور اعمال تو مکمل ہوں۔ مگر خشوع نہ ہوں۔ تو اس کی مثال ایسے ہے۔ جیسے صحیح سالم نظر آئے مگر اندر بصارت نہ ہو۔ کان تو ہوں مگر سماعت نہ ہو۔ نماز کی اصل روح یہ ہے کہ از اول تا آخر خشوع اور حضورِ قلب رہے۔ اس لیے کہ نماز ہے ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی یاد کے لیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ! یعنی نماز میرے یاد کرنے کے لیے پڑھ۔"

خدا کے سامنے میرے بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ نمازی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ خدا کے سامنے کھڑا ہو

جاتا ہے۔ پھر اگر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تو خدا اُس سے فرماتا ہے:۔

اِلٰی مَنْ تَلْتَفِتُ اِلٰی خَیْرٍ مِّنِّیْ؟

کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے جدھر دیکھ رہے ہو؟

"میری طرف توجہ کرو اے ابنِ آدم! مجھ سے کوئی بہتر نہیں۔"

(رُوح البیان ص۱۲ جلد۲)

سبحان اللہ! کیا ہی پیارا خطاب ہے اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے کے لیے اس میں کس قدر عبرت وسبق موجود ہے۔ میرے بھائیو! نمازی ایک بہت بڑی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ ذرا انصاف تو کیجیے کہ کسی دنیوی چھوٹے سے حاکم کے سامنے کھڑا ہوتے وقت آدمی کس قدر تواضع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر جو سارے حاکموں کا حاکم اور سب کا خالق و مالک ہو۔ اُس کے سامنے آدمی کھڑا ہو اور اس کا دل حاضر نہ ہو۔ اور اس بارگاہ کی عظمت وجلالیت کا لحاظ نہ ہو۔ تو کتنی بڑی غفلت ہے۔

تماشہ! میرے بھائیو! اتنی بڑی بارگاہ میں حاضر ہوتے وقت بعض لوگوں کا تماشہ دیکھیے۔ کہ اوّل تو اذان سن کر مسجد میں آئیں گے ہی نہیں۔ اور یہی سوچتے رہیں گے کہ ابھی کافی وقت ہے۔ چل کر نماز پڑھ لیں گے۔ پھر اگر دکان سے اُٹھے بھی تو اگر ننگے سر ہیں تو کچھ پرواہ نہیں مسجد میں آتے۔ جھٹ پٹ وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور قمیص کی پچھلی جانب کا کنارہ پیچھے سے الٹایا۔ اُٹھایا اور سر پر ڈال لیا۔ گویا عمامے اور ٹوپی کا کام قمیص کے پچھلے حصہ کے کنارے سے لے لیا۔ اور سر ڈھانپ لیا۔ اور پیٹھ ننگی کر لی۔ اور ایک ایسی ہیئت سے کھڑے ہو گئے کہ دیکھنے والا نمازی تو کیا سمجھے گا۔ بلکہ اگر کوئی بچّہ دیکھے تو ڈر ہی جائے کہ خدا جانے یہ کیا بلا کھڑی ہے۔ کیوں بھئی کبھی اس ہیئت سے کچہری میں کسی مجسٹریٹ کے سامنے بھی حاضر ہو

سکتے ہو؟ توبہ! دھکے دے کر نکلوا دیا جائے گا اور ہونا بھی ایسا چاہیے کہ آدابِ عدالت کے یہ ہیئت خلاف ہے۔ تو میرے بھائیو کیا دربارِ الٰہی کو بھی کوئی تماشہ سمجھ رکھا ہے کہ جس شکل میں بھی جاؤ۔ تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں اور کسی اہتمام کی تمھیں ضرورت نہیں۔

بھائیو! نماز کو کوئی معمولی بات نہ سمجھو۔ اور یونہی بغیر خشوع کے پڑھ لینے کی عادت نہ ڈالو۔ بلکہ اسے خشوع کے ساتھ پڑھو۔ افسوس کہ آجکل نماز کی اہمیت پیشِ نظر نہیں رہی اور آج صورت یہ ہے کہ بظاہر ہم نماز کے اندر ہوتے ہیں مگر دل ہمارا کہیں اور طرف لگا ہوتا ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک دکاندار عشاء کے وقت مسجد میں آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ جماعت ہو گئی ہے وہ رونے لگا اور بڑا افسوس کرنے لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بڑا ہی پکّا مسلمان ہے جو جماعت سے رہ جانے پر رونے لگا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اُن کی اس بات پر تعریف کی تو وہ بولا۔ کہ بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں دکاندار ہوں۔ رات کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو سورۃ فاتحہ چونکہ امام ہی کو پڑھنا ہوتی ہے میں پیچھے آرام سے دکان کی دن بھر کی بِکری کا حساب کر لیتا ہوں۔ مگر آج جماعت رہ گئی ہے اور میں روتا اس لیے ہوں کہ آج مجھے سورۃ فاتحہ خود پڑھنی پڑے گی اور حساب کرنا رہ جائے گا۔ دیکھا آپ نے؟ کہ نماز میں دکان کا حساب ہو رہا ہے۔ خدا اپنا فضل فرمائے اور نماز میں خشوع پیدا کرنے کی توفیق دے۔

میرے بزرگو! اس بات سے یہ نہ سمجھ لینا کہ چلو اب جبکہ ہم ایسی نماز پڑھ ہی نہیں سکتے تو نماز پڑھنا ہی بیکار ہے۔ اب جبکہ ہم روح اور خشوع والی نماز پڑھ سکیں گے۔ اسی وقت نماز پڑھیں گے اور نمازوں کا کیا پڑھنا میرے بھائیو! اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم یہ نمازیں اب چھوڑ ہی دو۔ بھائیو!

یہ ہماری نمازیں ٹوٹی پھوٹی جیسی بھی ہیں۔ اُن سے فرض تو ادا ہو ہی جاتا ہے اور اگر تم یہ نمازیں چھوڑ دو گے۔ تو پھر ان خشوع والی نمازوں تک کیسے پہنچ سکو گے۔ دیکھئے جو شخص فنِ کتابت میں ماہر اور بہترین خوشنویس ہے۔ وہ ابتداءً ہی تو خوشنویس نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلے پہلے وہ ٹوٹے پھوٹے حروف لکھتا ہے اور مشق کرتا رہتا ہے۔ پھر کہیں جا کر اعلیٰ خوشنویس بنتا ہے اور اگر وہ یوں کہنے لگے کہ چھوڑو صاحب اِس ابتدائی کتابت کو۔ یہ ٹوٹے پھوٹے حروف لکھنے کا کیا فائدہ۔ ہم تو اسی وقت لکھنا شروع کریں گے جبکہ دین محمد کاتب جیسا لکھ سکیں گے۔ تو بھائیو! اُسے سب یہی کہیں گے کہ بھئی! دین محمد کاتب کے سے خط تک تم اُسی وقت پہنچ سکو گے۔ جبکہ ان ابتدائی ٹوٹے پھوٹے حروف میں تم ہر روز مشق کرتے رہو گے۔ اگر انھیں حروف کو لکھنا تم نے چھوڑ دیا تو اُدھر تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ میرے بزرگو! اسی طرح تم اپنی انھیں ٹوٹی پھوٹی نمازوں میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور انشاء اللہ جب کہ تم اس ارادہ سے نماز پڑھتے رہو گے تو بزرگوں کی نمازوں جیسی نمازیں بھی پڑھنے لگو گے۔ بھائیو! کوشش جاری رکھو اور نماز باقاعدہ پڑھتے رہو۔

دل کی نماز

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! آجکل بہت سے گمراہ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ چھوڑو صاحب۔ اِس ظاہری نماز کو۔ ہم تو دل کی نماز پڑھتے ہیں۔ ہمیں دل کی نماز کافی ہے۔

دوستو! ایسے لوگوں کے جواب میں مَیں یہ کہا کرتا ہوں کہ ایک جوان آدمی اگر پاجامہ اُتار کر اور ننگا ہو کر بازار میں نکل آئے اور آپ اُسے ڈانٹیں۔ کہ بیوقوف! یہ کیا حرکت ہے۔ پاجامہ اُتار کر کیوں باہر نکل آئے۔ جاؤ جا کر پاجامہ پہن کر آؤ۔ تو وہ جواب یہ دے کہ چھوڑیئے صاحب! اس لٹھے کے پاجامے کو دل کا پاجامہ کافی ہے۔ تو کیوں صاحب! کیا آپ یہ بات اس کی مان لیں گے یا یہ کہیں گے۔ کہ دل کا پاجامہ رکھو۔ ماں کے پاس۔ اور باہر نکلنا ہے۔ تو

لٹھے کا پاجامہ پہن کر نکلو۔ بھائیو! اسی طرح کل قیامت کو اگر خدا نے نماز کا پوچھا اور کسی گمراہ نے وہاں بھی یہی جواب دیا کہ الٰہی! میں تو دل کی نماز پڑھتا رہا ہوں تو خدا یہی فرمائے گا کہ دل کی نماز رکھ اپنے پاس اور مجھے تو وہ نماز دکھا۔ جو کالی کملی والے نے پڑھی تھی۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

اندر سے

اسی طرح بعض لوگ یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب چھوڑیئے داڑھی واڑھی نماز روزہ کے قصوں کو۔ اندر سے مسلمان ہونا چاہیئے۔ رمضان شریف کا مہینہ ہے۔ ماڈرن مسلمان ہے اور سامنے کھانا رکھا ہے۔ اور دوپہر کے وقت کھانا بھی کھایا جا رہا ہے اور بڑے زور شور سے یہ مصرعہ بھی پڑھا جا رہا ہے کہ:

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی"

گویا اِس عمل سے جو رمضان شریف میں دوپہر کے وقت جاری ہے۔ استغفر اللہ! یہ ہے اندر سے مسلمان ہونے کی نشانی۔ یعنی باہر چاہے اسلام کا کوئی نشان نہ ہو۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اندر سے وہ مسلمان ہی ہیں اور اندر سب کچھ ہے۔

بغیر ایڈریس کے

بڑے عرصہ کی بات ہے۔ راولپنڈی کے ایک عرصۂ قیام میں ایک پوسٹ ماسٹر صاحب سے جب داڑھی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ تو پوسٹ ماسٹر صاحب جو بالکل "فارغ البال" تھے۔ یہی کہنے لگے کہ چھوڑیئے صاحب اس ظاہری داڑھی کو۔ اندر کچھ ہونا چاہیئے۔ میں نے اُن سے کہا۔ کہ آپ پوسٹ ماسٹر ہیں۔ آپ ہی سے متعلق ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے ایک شخص نے اپنے کسی عزیز کو خط لکھ کر لفافہ کے اندر بند کر کے لفافے کے اُوپر ایڈریس نہ لکھے اور یونہی بغیر ایڈریس کے لفافہ بھیجنا چاہیئے تو وہ لفافہ جب آپ کے سامنے آئے تو آپ اس سے پوچھیں کہ بھئی! اس کے اُوپر کوئی ایڈریس کیوں نہیں لکھا۔ تو وہ جواب دے کہ چھوڑیئے صاحب اس ظاہری ایڈریس کو۔

میں نے اندر سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تو فرمائیے آپ اُسے کیا جواب دیں گے۔؟ پوسٹ ماسٹر صاحب کھسیانے ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ داڑھی تو پھر ایڈریس ہوئی نا؟ اگر یہی بات ہے تو پھر سکھوں کا ایڈریس مکمل ہے۔ میں نے جواب دیا کہ سکھوں نے تو سارے لفافہ پر ساری دوات ہی انڈیل رکھی ہے جس سے سارا لفافہ ہی سیاہ ہو گیا ہے۔ مسٹر! منزلِ مقصود پر نہ تو ایسا لفافہ پہنچ سکتا ہے جو دوات انڈیل دینے سے سارا سیاہ ہو چکا ہو اور نہ ایسا جس پر کچھ بھی نہ لکھا ہو۔ منزل تک وہی پہنچے گا جس پر خوشنما اور صاف ستھرا پتہ لکھا ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق قبضہ بھر داڑھی ہو یہیں پیٹ ہوں۔ یہ ہے مکمل اور صاف ستھرا مبارک نقشہ جس سے منزل کا پتہ چل سکتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! نماز وہی مقبول ہے۔ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ یہ دل کی نماز۔ اور اندر کی نماز وغیرہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

بزرگوں کی نماز آیئے آپ کو بزرگوں کی پُرخشوع نماز کی تصویر دکھاؤں۔ آپ بیان سنیئے اور کوشش کیجئے کہ ہماری نمازیں بھی ایسی ہی ہوں حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور! آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں تو آپؒ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے۔ تو میں ظاہر کا وضو کرتا ہوں اور باطن کا وضو بھی کرتا ہوں۔ ظاہر کا وضو پانی سے اور باطن کا وضو۔ توبہ کے پانی سے اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور کعبہ شریف کا مشاہدہ کرتا ہوں اور مقام ابراہیم کو دونوں ابرو کے درمیان رکھتا ہوں اور بہشت کو اپنی دہنی طرف اور دوزخ کو بائیں طرف۔ پل صراط کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہوں اور ملک الموت کو پشت کے پیچھے خیال کرتا ہوں اور دل کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہوں پھر بڑی تعظیم کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں اور بڑی حرمت کے ساتھ قیام کرتا ہوں اور بڑی ہیبت و شوکت سے قرأتِ قرآن کرتا ہوں اور بڑی عاجزی کے ساتھ سجدہ بجا لاتا ہوں اور بہت حلم و بُردباری کے ساتھ قعدے میں بیٹھتا ہوں اور

شکر گزاری کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں میں اس طرح نماز پڑھتا ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء ص۳۰۲)

سبحان اللہ! کیا شانِ نماز ہے، واقعی یہ ہے نماز کی مکمل تصویر، کوشش کیجئے کہ ہمیں بھی یہ مقام حاصل ہو۔ اور کوشش کرنے سے کیا نہیں ملتا۔ ؎

کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا! وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا،

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔

حضرات! خدا تعالیٰ نے پھر ان فوز و فلاح پانے والوں کی یہ نشانی بھی بتائی ہے کہ یہ لوگ کسی لغو اور بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور یاوہ گوئی و لغو اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ میرے بھائیو! لغویات میں مشغول رہنا سچے مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

لغو علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ نے امام قشیری علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا ہے کہ:

"ہر آنچہ از خدا باز دارد سہو است۔ و آنچہ بندہ را دراں حظے باشد لہو است، و آنچہ از خدا نہ بود لغو است، و حقیقت آنست کہ لغو چیزے را گویند از اقوال و افعال کہ بہیچ کار نیاید۔" (روح البیان ص۱۷۳ جلد۲)

ترجمہ:۔ "جو چیز خدا سے باز رکھے وہ سہو ہے۔ جس چیز میں بندے کو حظِ نفس حاصل ہو۔ وہ لہو ہے۔ اور جو چیز خدا کی طرف سے نہ ہو وہ لغو ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لغو ہر ایسی بات اور ہر ایسے کام کو کہتے ہیں۔ جو کسی کام نہ آئے۔"

بھائیو! اب دیکھ لو کہ آج کل سہو۔ لہو اور لغو عام ہے۔ ذکرِ خدا سے روک دینے والی اور نفس کو خوش کرنے والی اور کسی کام نہ آنے والی باتیں پھیل چکی ہیں۔ یہ سینما۔ تھیٹر۔ ناچ گانے۔ ڈانس۔ ڈرنک۔ ڈنر وغیرہ بٹیر بازی وغیرہ وغیرہ جس قدر بھی چیزیں ہیں یہ سب سہو و لہو و لغو ہیں۔ افسوس! کہ آج ان لغویات

کی بہتات ہے۔ ذکرِ خدا کی مجلسوں سے تو اعراض ہے اور ایسی مجلسیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی ہیں ان کی طرف میلان و رجوع ہے۔

لَهْوَ الْحَدِيْثِ

حضرات! خدا تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (پ۲۱ سُوْرَةُ لُقْمَان) "اور ایک وہ لوگ ہیں۔ جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے۔ تاکہ بھٹکائیں اللہ کی راہ سے بے سمجھے۔ اور اُسے ہنسی بنائیں۔ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔"

اِس آیت کریمہ کی شرح میں مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نضر بن حارث عراق کی طرف سوداگری کے لیے جایا کرتا تھا اور وہاں سے کبھی گانے والی لونڈیاں خرید لاتا کبھی رستم و اسفندیار کے قصے کی کتابیں لے آتا اور مکہ معظمہ میں واپس آکر فسانہ گوئی اور رقص و سرود کی مجلسیں قائم کرتا اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دیا کرتا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ لوگوں کو قرآن حکیم کے مواعظ و حِکَم سننے سے باز رکھے۔ اور انہیں اِنہی ناچ گانوں میں مشغول رکھے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس کے ان افسانوں اور ناچ گانوں کو لھو الحدیث فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا۔ "اور جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں۔ تو تکبر کرتا ہوا پھرے۔ جیسے اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے۔"

میرے بھائیو! ان آیات کو سنو، پڑھو اور سمجھو۔ کہ آج کل کے:

ڈرامے۔ کھیل تماشے اور ناچ گانے وغیرہ جملہ مشاغل ایسے ہیں یا نہیں۔ جو خدا سے غافل کر دینے والے اور قرآن کی آیات سے پھرا دینے والے ہیں۔ بھائیو! ذرا سوچو تو کہ اس شیطان خبیث نے کس طرح اپنا داؤ چلایا ہے۔ اور یہ کیسے کیسے رنگ میں ہمیں پھانسنا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

یعنی "شیطان اُن کے بد اعمال کو مزین و خوبصورت بنا کر اُن کے آگے پیش کرتا ہے۔" دیکھ لیجئے۔ وہ ان لغویات پر تہذیب و ثقافت کا لیبل لگا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس کے داؤ میں آجانے والے اُن لغویات ہی کے فروغ میں دن رات مشغول ہیں اور جو ان باتوں سے روکے اُسے رجعت پسند اور ملّا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بھائیو! ذرا سوچو تو کہ تم کیا تھے اور کیا بن گئے۔ تم تو غازی تھے تمھیں کیا ہو گیا۔ کہ تم نے بجائے شمشیر کے ہاتھ میں ہاکی پکڑلی اور بجائے قرآن کے شکسپیر کے ناول اپنا لیے۔ اور بجائے مسجد کے کلب میں گھس گئے اور بجائے تلاوت و نماز کے ناچ اور گانے اختیار کر لیے۔ اقبال نے سچا ہی رونا رویا ہے کہ:

وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیرِ غیر

ہائے اس قوم کو کیا ہو گیا جو غیر کے داؤ میں آگئی اور جس نے دوسروں کی تہذیب کو چمکانے کی خاطر اپنا دین و مذہب بگاڑ لیا۔ بھائیو! اس نئی تہذیب کی ظاہری چمک دمک کی طرف نہ جاؤ۔ اس کا باطن دیکھو بڑا ہی گھناؤنا اور سیاہ ہے اور اس کی مثال چاندی کی سی ہے۔ کہ

ظاہر نقرہ گر اسپید است و نو
دست و جامہ ہم سیہ گردد ازو

چاندی کا ظاہر تو سفید ہے مگر اس کے استعمال سے ہاتھ اور کپڑے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ بھائیو! تہذیبِ نو کی سُرخی پوڈر سے ظاہر تو چمک اُٹھتا ہے مگر باطن میلا ہو جاتا ہے۔ افسوس ہم اس حقیقت کو بھول کر لغویات میں منہمک

ہوگئے اور شیطان کے داؤ سے غافل ہوگئے۔

مثنوی شریف کا ایک قصہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک غافل کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں۔ ایک شخص منڈی سے قربانی کے لیے دنبہ خرید کر گھر لا رہا تھا۔ دنبے کے گلے میں ایک لمبی رسی ڈال کر اس کا ایک سرا پکڑ کر جا رہا تھا اور دنبہ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ایک چور نے دیکھا تو اس نے کمال صفائی سے رسی کو درمیان سے کاٹ لیا اور دنبہ کو لے کر چلتا بنا۔ (منظوم اُردو ترجمہ)

لے گیا دنبہ اچک کر بے حیا　　منہ اُٹھائے سادہ دل چلتا رہا

وہ بے خبر رسّی کا سرا پکڑے چلتا ہی رہا۔ اُسے کچھ پتہ نہ چلا کہ رسّی کو درمیان سے کاٹ کر چور میرا دنبہ لے گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ دنبہ تو چرا لیا گیا ہے تو پھر وہ پیچھے کی طرف مڑا۔ اور

اس کے قدموں کے نشانوں پر چلا　　اک کنوئیں پر چور کو پایا کھڑا

رو رہا تھا اس قدر وہ زار زار　　بندھ گیا تھا ہچکیوں کا ایک تار

مولانا فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے دنبہ کی تلاش میں پیچھے پلٹا تو اُسے ایک کنوئیں پر ایک شخص روتا ہوا نظر آیا۔ جسے دیکھ کر اُسے بڑا رحم آیا اور اُس سے پوچھا کہ بھئی! تم کیوں روتے ہو۔ تو وہ بولا۔ ارے یار! کیا بتاؤں میرے بٹوے میں پانچ سو روپے تھے۔ وہ بٹوہ اِس کنوئیں میں گر گیا ہے۔

کوئی غوطہ زن نکالے اس کو گر!　　اس کو میں دیدوں گا بیشک نصف زر

جو شخص مجھے کنوئیں سے وہ بٹوہ نکال دے گا۔ میں اُسے اڑھائی سو (۲۵۰) روپے دے دوں گا۔ یہ سُن کر اُس نے دل میں سوچا کہ

بعد مدت کے مری قسمت کھُلی　　ایک کی جا آئیں گے دُنبے کئی

یہ سوچا اور پھر

اپنے جُوتوں اور کپڑوں کو اُتار　　کنوئیں میں اُترا ہوا مصروفِ کار

مولانا فرماتے ہیں کہ وہ رونے والا شخص وہی دُنبے کا چور تھا۔ اور

پا کے موقعہ چور کپڑوں کو اُٹھا

دنبہ بھی کپڑے بھی لے کر چل دیا

اب جو وہ شخص کنوئیں میں بٹوہ نہ پاکر باہر نکلا تو دیکھا کہ اس کے کپڑے بھی غائب ہیں اور وہ دنبے کے ساتھ ساتھ کپڑوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

بھائیو! کچھ یہی حال شیطان بھی کر رہا ہے کہ غفلت شعار لوگوں کو غافل پاکر ان کے دین و مذہب کو لے اُڑتا ہے اور پھر ترقی و عروج کا لالچ دے کر تہذیب نو کے مغربی کنوئیں میں ننگا کرکے اُتار دیتا ہے اور غافل لوگ اس کنوئیں میں اُتر کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم اس میں بہت کچھ پالیں گے۔ مگر اُنھیں کوئی خبر نہیں کہ شیطان نے ان کے دین و مذہب کے ساتھ ساتھ ان کے کپڑے تک بھی اُتار لیے ہیں اور ان لغویات کی بدولت اُن کی دولت بھی اُڑالی ہے۔

لغو گانے اور گیت میرے بھائیو! ان لغویات میں سے یہ لغو گانے اور گیت بھی ہیں۔ یہ فلمی گیت اور ڈھولک کے گانے سب واہیات اور لغویات ہیں۔ ذرا بیاہ شادیوں میں ان مسلمان عورتوں کو دیکھیے۔ جنھیں یہ لغو گیت اس طرح از بر یاد ہوتے ہیں، کہ توبہ ہی بھلی۔ آج کے ماڈرن مسلمان کو مجال ہے۔ جو قرآن پاک کی کوئی آیت یاد ہو۔ ہاں فلمی گانے خوب یاد ہوں گے۔

لگا یادِ خدا میں دِل ترا نہ　　مگر ہاں یاد ہے فلمی ترانہ

یہ حاجی حق حق کا شعر ہے۔ اِسی نظم کا ان کا دوسرا شعر بھی خوب ہے۔ لکھتے ہیں۔

نئی تہذیب کی گاڑی کو دیکھا

نظر آیا ہر اِک ڈبہ زنانہ

بھائیو! ان لغو گانوں سے پرہیز کرو اور مردِ بن کر اپنی عورتوں کو

بھی ان لغویات سے روکو۔

دیوث

میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں غیر شرعی کام دیکھے اور خاموش رہے وہ دیوث ہے مگر افسوس کہ آجکل کی جوانمردی یہ رہ گئی ہے کہ باہر نکلو تو بڑی فوں فاں ہے۔ غریبوں پر ظلم کرو، علما پر رعب ڈالو۔ بزرگوں کو کوسو۔ مگر گھر جاؤ تو بھیگی بلی بن جاؤ۔

لطیفہ

چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہ ایک ایسے ہی معزز صاحب باہر نکلے تو کڑک کڑک کر کہنے لگے کہ میں یہ کر دوں گا۔ وہ کر دوں گا اور جب گھر گئے تو بیوی اُن سے جھگڑنے لگی اور یہ بیچارے عاجز آکر کہنے لگے:۔

یا اللہ یا تو مجھے اُٹھالے یا........

بیوی نے جھٹ ہاتھ اُٹھایا اور کڑک کے کہنے لگی

اور یا؟........ وہ بولے

یا بیوی کو اُٹھالے۔

بھائیو! گھر میں اپنا رُعب رکھو۔ خود بھی شریعت کے پابند بنو۔ اور اپنی عورتوں کو بھی شریعت کا پابند بناؤ۔ خوب یاد رکھو۔ تم اللہ اور اس کے رسُول کے بن جاؤ گے۔ تو تمہارا رعب و دبدبہ بنا رہے گا اور اگر تم پابندی شریعت سے آزاد ہو گئے تو پھر تمہارے اپنے بھی تمہاری نہیں مانیں گے حقیقت یہی ہے کہ ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ

حضرات! پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ان فوز و فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ دینے کے پابند ہیں۔ میرے بھائیو! یہ دولت اللہ کی ایک نعمت ہے، مگر نعمت اسی

حالت میں ہو گی۔ جبکہ اُسے اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق خرچ کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (پ۲۶ ع ۱۸)

"اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے نیک بندوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے مالوں سے منگتوں اور بے نصیبوں کا بھی حصہ تھا۔ اور وہ اُن کا حصہ انھیں دیتے رہے۔ گویا نیکی یہ ہے کہ اپنے مال سے مستحقین کا حصہ نکالا جائے اور جو لوگ دولت پر سانپ بن کر بیٹھے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ بہت بڑے مجرم اور عذاب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (پ۱۰ ع ۱۱) اور وہ جو کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اُنھیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے داغا جائے گا اُن کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں۔ یہ ہے وہ جو تم اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا۔ اب چکھو مزہ اس جوڑنے کا۔"

میرے بھائیو! یہ ہے انجام بخل اور امساک کا۔ جو لوگ مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ ان کے لیے یہ مال نعمت نہیں۔ زحمت و عذاب ہے۔

قارون کا قصّہ

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! قرآن پاک میں قارون کا قصّہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ قارون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا
تھا۔ یہ بہت بڑا رئیس اور امیر تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (پ ۲۰ ع ۱۱) اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں ۔"

اللہ اکبر! کس قدر امیر تھا قارون کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی
زیادہ تھیں کہ ایک زور دار پوری جماعت بھی ان کنجیوں کو اُٹھا نہ سکتی تھی
خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قارون سے کہا گیا کہ :

اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ۔ احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر
احسان کیا۔

تو قارون نے جواب دیا کہ :۔

اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ۔ یہ تو مجھے ایک علم سے ملا
ہے۔ جو میرے پاس ہے ۔

یعنی جس قدر مال ہے۔ یہ تو میرا اپنا پیدا کردہ ہے۔ میرا اپنا کمال ہے۔
میں اس میں سے کسی کو کچھ کیوں دوں ؟

بہتان

مفسرین کرام علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے قارون کو جب زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو وہ زکوٰۃ دینے
پر راضی نہ ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت دشمن بن گیا حتیٰ کہ
اس نے ایک بدچلن عورت کو ایک ہزار اشرفی دینے کا وعدہ کر کے اُسے اس
امر پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ بھرے مجمع میں جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہتان
باندھے اور تہمت لگائے۔ کہ حضرت نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مجھ سے
بدکاری کی ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس عورت کی گود میں ایک دودھ
پیتا بچہ بھی تھا۔ چنانچہ ایک روز بھرے مجمع میں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

وعظ فرما رہے تھے۔ اُس بدکار عورت نے قارون کے کہنے کے مطابق کہہ
دیا کہ لوگو! یہ دیکھو میری گود میں جو بچہ ہے۔ یہ موسیٰ کا ہے (معاذ اللہ) اتنا
کہنا تھا کہ سارے مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے اس عورت کو آگے بلایا اور اس کی گود میں جو بچہ تھا۔ اس کے پیٹ پر
اپنی انگلی رکھی اور فرمایا :۔

حق بیاں کر دے زباں کو کھول تُو
ہے یہ میرا حکم بچے! بول تُو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حکم اس بچے کو دیا تو خدا تعالیٰ کی
قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کا اعجاز دیکھئے کہ وہ شیر خوار بچہ بولنے لگا اور پکار اُٹھا کہ :

میری ماں جھوٹی ہے سچ کہتی نہیں
حضرت موسیٰ ہیں سچے بالیقین
ہے شرارت ساری یہ قارون کی
اور موسیٰ تو خدا کے ہیں نبی

سبحان اللہ! شیر خوار بچہ بولنے لگا اور اللہ کے معصوم نبی کی گواہی دینے
لگا۔ بھائیو! جب یہ اعجاز ظاہر ہوا تو موسیٰ علیہ السلام جلال میں آگئے اور
قارون کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ ملعون! تیری یہ شرارت ظاہر ہو چکی۔
اب اس کا نتیجہ بھگتنے کے لیے تیار ہو جا۔ پھر حضرت نے سارے لوگوں
سے فرمایا۔ کہ تم میں جو قارون کا ساتھی ہو وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے
اور جو میرے ساتھی ہیں وہ میری طرف ہو جائیں۔ چنانچہ سب لوگ قارون
سے جدا ہو گئے۔ صرف دو شخص اس کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے زمین سے خطاب فرمایا اور جلال آمیز لہجہ میں اُسے حکم فرمایا کہ اے
زمین! پکڑ لے اس مردود کو۔ زمین نے یہ حکم پاکر قارون کو اپنے اندر دھنسا
لیا اور وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اب جو اس نے اپنی حالت

دیکھی تو منت سماجت کرنے لگا۔ مگر حضرت نے معاف نہ فرمایا اور زمین سے فرمایا۔ خبردار! ملعون رہا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ پھر وہ کمر تک اور پھر گردن تک زمین میں دھنس گیا اور اس کے بعد سر بھی اس کا غائب ہو گیا اور خدا نے فرمایا کہ :-

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ "ہم اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا"

بھائیو! دیکھا آپ نے زکوٰۃ نہ دینے کا انجام۔ اور اس مال و دولت سے دلی محبت کا ہولناک نتیجہ۔ خوب یاد رکھو کہ یہ مال و دولت اللہ کی نعمت ہے مگر اسی وقت تک جب تک کہ اس کی محبت دل میں نہ دھنس جائے۔

کشتی اور پانی

اس کی کشتی اور پانی کی سی ہے۔ دیکھیے پانی نہ ہو تو کشتی تیر نہیں سکتی۔ مگر یہ پانی کشتی کے لیے اسی وقت تک رحمت ہے جب تک کہ وہ کشتی سے باہر باہر رہے اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر گھس جائے تو پھر بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا ہے۔ اور بجائے تیرانے کے اوپر لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک انسان کے باہر باہر رہے تو اس کے لیے رحمت و نعمت ہے اور اگر یہی مال اس کے دل میں سما جائے یعنی اس کی محبت دل میں کچھ ایسی پیدا ہو جائے کہ حقوق اللہ و حقوق العباد دبانے لگے تو یہی مال اُسے لے ڈوبتا ہے۔ جیسے کہ قارون کو لے ڈوبا۔

بھائیو! خبردار! اپنی دولت کو قارونی دولت نہ بنانا۔ خدا نے اگر دیا ہے تو اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ بھی کرو۔ اخروی نجات اور فوز و فلاح کے لیے ضروری ہے کہ آپ زکوٰۃ دینے کے بھی پابند ہوں۔

ایک شیر خوار بچہ

حضرات! آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سُنا۔ کہ کس طرح آپ نے ایک شیر خوار بچے کے پیٹ پر اُنگلی مبارک رکھی اور وہ فصاحت کے ساتھ بولنے لگا۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ہے۔ جسے مولانا رومی علیہ الرحمۃ

نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔

ایک مشرکہ عورت جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا حضور صلی اللہ علیہ سے کوئی معجزہ طلب کرنے حضور کی خدمت میں آئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ حضور کی خدمت میں پہنچی تو اس کے بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور بڑی فصاحت سے بولنے لگا اور کہنے لگا۔ ؎

گفت کودک سَلَّمَ اللّٰهُ عَلَیْکَ
یَا رَسُوْلَ اللّٰه قَدْ جِئْنَا اِلَیْكَ

"لڑکے نے کہا۔ یا رسول اللہ! اللہ آپ پر سلام بھیجے
ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں"

عورت نے جو اپنے بچے کو کلام کرتے دیکھا تو حیران رہ گئی اور لڑکے سے کہنے لگی۔ بیٹا! تمھیں کس نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسُول ہیں اور تم بولنے کیسے لگے؟ تو لڑکے نے جواب دیا۔ اے میری ماں! خدا تجھے بھی وہ آنکھیں دے۔ جو اس نے مجھے بخشی ہیں۔ تو ذرا سر اُٹھا کر وہ دیکھ جبریل میرے سر پر کھڑے مجھے یہ سبق دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے دریافت فرمایا کہ تمھارا نام کیا ہے تو وہ بولا کہ ؎

عبد عزّیٰ پیش ایں یکمشت چیز
لیک نامم پیشِ حق عبد العزیز

لیعنی یا رسُول اللہ! اس میری ماں نے تو میرا نام "عبدِ عزّیٰ" رکھا ہے۔ مگر اللہ کے نزدیک میں عبد العزیز ہوں۔

اِس عورت نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی دیکھنے آئی تھی۔ اپنی ہی گود سے حضور کا یہ اعجاز دیکھ کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی میرے بھائیو! ایک وہ بچے بھی تھے۔ جو حضور کو پہچانتے تھے اور ایک آجکل بڑی عمروں والے بھی ہیں۔ جنھیں کچھ بھی عرفان حاصل نہیں اور جن کی

جہالت ہی میں گزر گئی ہیں۔ آج کل کسی بڑی عمر والے سے نماز تو سُن کر دیکھئے۔ اوّل تو آئے گی ہی نہیں، اگر آبھی گئی تو کئی غلطیاں ہوں گی۔

لطیفہ یہاں ایک لطیفہ یاد آگیا۔ یہ ایک بڑے میاں کا واقعہ ہے جو مجھے میرے ایک دوست نے بتایا کہ میرے ایک دانت میں درد تھی اور ایک بڑے میاں میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ تم ہر روز بلا ناغہ "بکواس" کیا کرو۔ پھر خدا نے چاہا تو درد جاتی رہے گی۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ بکواس کیا کروں؟ تو بولے ہاں ہاں بکواس کیا کرو۔ مجھے دیکھو۔ میں خدا کی مہربانی سے ہر وضو کے ساتھ بلا ناغہ کیا کرتا ہوں۔ کیوں صاحب! کچھ سمجھے آپ کہ بڑے میاں کا مطلب کیا تھا؟ بڑے میاں "مسواک" کا ارشاد فرما رہے تھے مگر یہ جہالت کا کرشمہ تھا کہ مسواک کو بکواس کہہ رہے تھے۔ میرے دوستو! اسی طرح کئی حضرات نماز پڑھتے ہیں مگر الفاظ غلط سلط ادا کرتے ہیں۔ بھائیو! دینی علم حاصل کرو اور ضروری باتیں یاد کرو اور برائے نام مسلمان نہ بنو۔

یوسف علیہ السلام کا گواہ دوستو! ایک اور واقعہ بھی سُن لو۔ یہ واقعہ بھی ایک شیر خوار بچے ہی کا ہے۔ یہ بچہ وہ ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دی تھی۔ زلیخا نے جب آپ کا غلط نیت سے تعاقب کیا اور آپ کا دامن کھینچا تو سامنے سے عزیز مصر آگیا اور وہ یہ منظر دیکھ کر جب متعجب ہوا تو زلیخا نے اپنی بریت کے لیے اُلٹا یوسف علیہ السلام کو ملزم بنانا چاہا اور کہنے لگی کہ یہ یوسف مجھ پر دست درازی کرنا چاہتے تھے (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ:

شَاهِدٌ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا

زلیخا ہی کے ایک عزیز کے چھوٹے شیر خوار بچے نے پنگھوڑے میں سے

بول کر کہا کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص دیکھ لو۔ اگر وہ آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف علیہ السلام سچے۔ چنانچہ قمیص کو دیکھا گیا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر عزیز مصر پر صداقت و عصمتِ یوسف علیہ السلام ظاہر ہو گئی اور زلیخا شرمندہ ہو گئی۔

وزارت حضرت یوسف علیہ السلام جب جیل میں رہنے کے بعد رہا ہوئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو مصر کی حکومت عطا فرمادی تو جب آپ تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوئے تو خدا نے فرمایا: اے یوسف! تمہارے لیے ایک وزیر بھی ہونا چاہیے۔ تم کل صبح شہر سے باہر نکل جانا۔ جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو۔ اُسے اپنا وزیر بنا لینا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام دوسرے روز شہر سے باہر نکلے تو آپؑ نے سب سے پہلے ایک حسین و وجیہہ اور پاکیزہ رُو نوجوان کو دیکھا۔ جو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھائے ہوئے شہر میں آرہا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ کیا یہی میرا وزیر بنے گا؟ اتنے میں جبریلؑ نے آکر حکمِ الٰہی سُنایا کہ:

اِس نُوں تُساں پچھاتا ناہیں ایہہ حکم الٰہی
ایہہ اوہ بچہ وِچہ پنگھوڑے دِتّی جس گواہی

اے یوسف! اسے پہچانا نہیں۔ یہ وہی لڑکا ہے جس نے پنگھوڑے میں آپ کے حق میں گواہی دی تھی۔ ہم نے اس کے بدلے اس کے لیے تمہاری وزارت لکھ دی تھی۔ تمہارا یہی وزیر ہے۔

سبحان اللہ! کیا شانِ عطا ہے اور کیسے خوش قسمت ہیں وہ افراد جو نبوت کے طرفدار اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور ان کے علوِ مراتب کے قائل ہیں۔ بھائیو! یہ اللہ کے نبی وہ ذواتِ مقدسہ ہیں کہ ان کی عصمت پر کوئی دست درازی کرنے لگے تو قدرتِ حق جنبش میں آجاتی

ہے۔ خبردار! نبوت کے باب میں کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ یہ مقام بڑا نازک ہے۔ اس باب میں ادب و تواضع ہی سے ایمان ملتا ہے اور انانیت و دعویٰ مماثلت سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

میرے بزرگو! اسی سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی سن لیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بن باپ کے پیدا ہوئے تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے کہا۔

يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا۔ (پ۱۶ رکوع ۵)

اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

اور کہنے لگے۔ اے مریم تیرا باپ تو ایسا نہ تھا اور تمھاری ماں بھی تو بدکار نہ تھی۔ پھر تو نے یہ کیا کر دکھایا۔ کہ بغیر خاوند کے بچہ پیدا کر دکھایا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے جب اپنی عصمت پر اعتراض ہوتے دیکھا تو

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

یعنی مجھ سے نہ پوچھو۔ اس بچے ہی سے پوچھ لو۔

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۔ وہ بولے ہم کیسے بات کریں۔ حضرت مریم نے فرمایا۔ تم اس سے پوچھو تو سہی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے۔ اور

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔ فرمایا "میں ہوں اللہ کا بندہ۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی کیا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صاف صاف فرما دیا۔ کہ خبردار! میری والدہ پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کرنا۔ میں اللہ کا نبی ہوں اور میری والدہ نبی کی ماں ہے اور نبی اور اس کی ماں ہر قسم کی قباحت سے پاک ہے۔

نبی کا علم

حضرات! دیکھ لیجیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلا جو کلام فرمایا۔ وہ۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ تھا۔ یعنی "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا جائے گا۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنی عبودیت کا اعلان فرما دیا اور فرمایا۔ نہ میں خدا ہوں اور نہ خدا کا بیٹا۔ بلکہ اللہ کا بندہ ہوں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے نبی کے علم کی بھی کہ پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے۔ نبی بھائیو! نبی کہتے ہی غیب کی خبر دینے والے کو ہیں اور اگر کوئی شخص نبی کو "بے خبر" بتائے اور یوں کہے کہ انھیں دیوار پیچھے کا بھی علم نہ تھا تو وہ گویا نبی کو نبی ہی نہیں مانتا۔ یقین کیجیے۔ کہ نبی کو بے خبر بتانے والا خود ہی پرلے درجے کا بے خبر ہے اور جو خبر والے ہیں۔ وہ یوں فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر دلِ فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

ہاں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن ہی میں بول کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عفت کی گواہی دی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

میرے بھائیو! آئیے اپنے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل عظمت کا بھی نظارہ کر لیجیے۔ دیکھیے موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کیا گیا تو اللہ نے ایک بچے سے حضرت کی شہادت دلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کیا گیا تو اللہ نے ایک بچے سے حضرت کی صداقت کی شہادت دلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو ملزم ٹھہرایا گیا تو خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کی گواہی بھی ایک بچے سے دلائی اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عفت کا اعلان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بچپن میں کرایا گیا۔ اب آئیے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف۔ آپ کے متعلق نہیں بلکہ آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے بہتان باندھا اور آپ کے متعلق غلط پھیلانا شروع کر دیں۔

تو یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تھا اور حضور کی بیوی پر بہتان باندھا جارہا تھا۔ اس لیے یہاں کسی اور سے گواہی نہیں دلائی جارہی۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت کی شہادت دی اور سورۃ نور نازل فرما کر فرمایا کہ:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ "اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا۔ کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں۔ الٰہی! پاک ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔"

اور پھر فرمایا کہ:۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (پ۱۸ع۸) "اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا۔ اگر ایمان رکھتے ہو۔"

دیکھا آپ نے کہ محبوب کی باری آئی تو خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کی بیوی کی عفت و طہارت کے متعلق خود اعلان فرمایا۔ کہ یہ بہتان عظیم ہے۔ اور تاکید فرمائی۔ کہ خبردار! آئندہ کبھی ایسا نہ کہنا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی۔ کہ آپ کی عفت کا شاہد خود خداوند کریم ہے۔ بھائیو! یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت جو سورۃ نور کی صورت میں قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برقرار رہے گی اور عائشہ صدیقہ کی عظمت و عفت کے ڈنکے قیامت تک بجتے رہیں گے۔ یہ وہ شرف ہے جو بجز صدیقہ کے کسی خاتون کو حاصل نہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم میرے بھائیو! بعض لوگ آج بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دیکھو جب حضرت عائشہ پر بہتان باندھا گیا تو حضور کو اس بات کا رنج پہنچا اور حضور نے صحابہ کرام

سے حضرت عائشہ کے متعلق دریافت کیا کہ تمھارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ تو حضور کو اگر علم ہوتا کہ حضرت عائشہ بے قصور ہیں تو آپ کیوں دوسروں سے پوچھتے۔ میرے بزرگو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرمائے کہ خبردار! آئندہ ایسی باتیں نہ کرنا۔ مگر ایسے لوگ ابھی تک باز نہیں آتے اور ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شانِ پاک کو ابھی تک بحث بنانے لگتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف صاف اعلان فرما دیا تھا کہ:۔

وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰٓى اَهْلِىْٓ اِلَّا خَيْرًا (بخاری شریف ص۵۹۵)

"قسم اللہ کی مجھے علم ہے۔ کہ میری بیوی نیک ہی ہے۔"

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قسم فرما کر فرمائیں کہ مجھے اپنی بیوی کے نیک و پاکباز ہونے کا علم ہے مگر یار لوگ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں کہ نہیں صاحب! حضور کو کوئی علم نہ تھا۔ معاذ اللہ! میرے بزرگو! ایسا خیال تک نہ لانا کہ حضور کو حضرت عائشہ کی عفت میں کچھ شبہ تک بھی تھا۔ توبہ توبہ!! اللہ کا محبوب ہو اور اس کی بیوی ایسی ویسی ہو۔ ایسا خیال ایک مومن تو کر نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ نجات پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے کے پابند رہتے ہیں۔ اور اللہ کے دیئے سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

لطیفہ جس گھر سے اللہ کے نام پر کچھ نہ نکلے وہ گھر کیسا ہے۔ اس پر ایک لطیفہ سنیئے۔ ایک سائل کسی بخیل کے دروازے پر آیا اور روٹی مانگی۔ بخیل نے اندر سے جواب دیا۔ بھائی یہ تندور نہیں ہے۔ سائل نے کہا۔ اچھا تھوڑا سا آٹا دے دو۔ بخیل نے جواب دیا۔ بھائی یہ کوئی آٹے کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا۔ اچھا تھوڑی سی گندم ہی دے دو۔ جواب ملا۔ یہ کوئی ڈپو نہیں۔ سائل بولا۔ تھوڑا سا پانی ہی پلا دو۔ جواب ملا یہ کوئی کنواں

یا سبیل نہیں۔ سائل جھٹ اندر گھس آیا اور نہ بند اُٹھا کر صحن میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنے لگا اور کہنے لگا۔ جو نہ تندور ہے۔ نہ دکان۔ نہ ڈلپو اور نہ سبیل تو پھر وہ جگہ تو جنگل ٹھہری۔ تو میں کیوں نہ جنگل میں رفع حاجت ہی کر لوں۔
بھائیو! جس گھر سے خدا کے نام پر کچھ نہ نکلے وہ گھر اِسی لائق ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کامیابی و نجات کے لیے زکوٰۃ ادا کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ پھر اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نجات و کامیابی پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔" یعنی فعل حرام سے بچتے ہیں۔ میرے بھائیو! اسلام نے انسانوں کو اِنسان بنایا ہے۔ اِنسانیت یہی ہے کہ وہ شرعی و اخلاقی قواعد و ضوابط کا پابند رہے۔ یہ نہیں کہ حیوانوں کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا پھرے۔ اور حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرے۔ اِسی طرح یہ نہیں کہ کسی محرم و غیر محرم کی کوئی تمیز نہ کرے اور اپنی من مانی کارروائی کرتا پھرے۔ مسلمان اپنی شریعت کا پابند ہے اور اپنے اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غلام ہے۔ خدا و رسول جس بات کی اجازت دے اُسی کو اپناتا ہے اور جس بات سے روکے اُس سے رُک جاتا ہے۔ خدا و رسول نے ہمیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

کا حکم دیا ہے اور اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے سوا دوسری عورتوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔ پس جو انسان اور مسلمان ہے۔ وہ اس بات کی پابندی ضرور کرے گا اور جو اِس بات کی پابندی نہیں کرتا اور پرائی عورتوں سے اور زنا کو معیوب نہیں جانتا۔ وہ نہ صرف یہ کہ صحیح مسلمان کہلانے کا ہی مستحق نہیں۔ انسان بھی نہیں ہے۔ انسانیت تو نام ہی قواعد و ضوابط کی پابندی کا ہے۔ یورپ وغیرہ بر لئے نام ترقی یافتہ ممالک ہیں جو اس قسم کی حرکتیں عام ہیں۔ آپ ان کی طرف نظر نہ کیجیے۔ وہ لوگ نہ مسلمان ہیں اور نہ ہی صحیح معنوں میں انسان۔ اور یہ جو قرآن پاک کا حکم ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے لیے ہے آپ کے لیے اس کی پابندی بڑی ضروری ہے۔

ایک مثال دیکھیے! شہروں کے بازاروں کی دیواروں پر یہ اعلان لکھا ہوتا ہے کہ "یہاں پیشاب کرنے والا گرفتار کر لیا جائے گا۔" لیکن وہاں اگر کوئی گدھا پیشاب کر دے۔ اُسے نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ ہی کوئی اُسے گرفتار کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ اِعلان تو انسانوں کے لیے ہے نہ کہ حیوانوں کے لیے۔ چنانچہ اگر وہاں کوئی انسان پیشاب کر دے گا تو یقیناً گرفتار کر لیا جائے گا۔ اِسی طرح مسلمانو! یہ اِعلانِ قرآن تم مسلمانوں کے لیے ہے۔ جنھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے انسان بنایا ہے۔ یورپ وغیرہ کی مثالیں ہرگز نہ دو۔ اُن کی تو حیوانی زندگی ہے۔ تم بات اپنی کرو۔ مسلمان بن کر اگر تم کسی پرائی عورت کی طرف دیکھو گے بھی تو یقیناً شرعی گرفت میں آ جاؤ گے۔

بھائیو! مسلمان جو صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ وہ بڑا ہی پاکیزہ کردار کا مالک ہوتا ہے۔ وہ بازار میں چلتا بھی ہے تو اپنی نظریں جھکائے ہوئے چلتا ہے۔ یہ نہیں کہ اِدھر اُدھر اور نیچے اُوپر تاکتا اور جھانکتا ہوا جائے سیٹیاں بجاتا ہوا، اور فلمی گانے گاتا ہوا نکلے۔ مسلمان تو اغیار کی عزت و عصمت کا

بھی محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کا ایک واقعہ اِس امر پر شاہد ہے۔ مدینہ منورہ کے ایک بازار سے ایک دہقانی عورت گزر رہی تھی کہ چند یہودی اوباشوں نے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس پر دست درازی کرنے لگے۔ وہ بچاری ان کی یہ ناجائز حرکتیں دیکھ کر گھبرائی اور ؎

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی

نہ حفظِ آبرو کی جب کوئی صورت دکھائی دی
تو اس مظلوم لڑکی نے محمدؐ کی دہائی دی
پکاری کیا نہیں غیرت کسی انساں کے سینے میں
کہ یوں بے آبرو ہوں میں محمدؐ کے مدینے میں

اس عورت کی یہ فریاد ایک مسلمان کے کانوں میں پڑی اور وہ دوڑتا ہوا آیا اور اس مظلوم عورت کی مدد کرتے ہوئے اُن یہودی بدمعاشوں سے لڑنے لگا۔ حتیٰ کہ اِس غیر مسلم عورت کی عزت بچاتا ہوا خود شہید ہو گیا۔ دیکھا آپ نے مسلمان کی بلند سیرت اور اعلیٰ کردار کو دوسروں کی عزت کی خاطر خود شہید ہو گئے۔ میرے بھائیو! مسلمان تو یہ تھے۔ مگر آہ! آج مسلمان خود اپنی ہی ماں بہنوں کا دشمن بن رہا ہے۔ اور سینما دیکھ دیکھ کر ایسی ایسی بُری حرکتیں کرنے لگا ہے کہ الامان والحفیظ! اور نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتیں بھی کچھ ایسی نڈر اور بیباک ہو گئی ہیں کہ کسی ضابطۂ اخلاق اور حکمِ شرعی کی پرواہ تک نہیں رہی۔ میرے بھائیو! اس مادر پدر آزادی اور عریانی و بے حجابی کی بدولت آئے دن جو نت نئے گُل کھلتے نظر آ رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ خدا کی پناہ اب تو عورتیں علی الاعلان چار چار شوہروں کا مطالبہ کرنے لگی ہیں اور بقول حق حقی ؎

برسرِ اجلاس اب تو کہہ رہی ہیں عورتیں
ایک شوہر کم ہے کوٹا اب یہ بڑھنا چاہیے

عورتیں اب ایک شوہر پر اکتفا کرتی نظر نہیں آتیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ یہ بھی کوئی انسانیت ہے؟ حاجی حق حقی صاحب ہی نے لکھا ہے کہ: ؎

ہے بیوی ایک لیکن اس نے شوہر چار پائے ہیں!
یہ انساں ہیں نئی تہذیب کے یا چار پائے ہیں

میرے بزرگو! انسانیت نام ہے شریعت کی پابندی کا۔ اور یہ جو کھلے سر، کھلے منہ اِدھر اُدھر جھانکتے، تاکتے، اُچھلتے، کودتے اور اودھم مچاتے مرد اور عورتیں آتی جاتی نظر آ رہی ہیں۔ یہ تو سراسر حیوانیت ہے۔ شریعت نے مرد اور عورتوں دونوں کو مبادی زنا سے بھی بچایا ہے اور ایک دوسرے سے اختلاط اور نظر بازی سے بھی روکا ہے اور ان مبادی زنا سے محفوظ رکھنے کے لیے عورتوں کو پردے میں رہنے کا درس دیا ہے اور قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا حکم دیا ہے۔

ایک انگریز جج کا فیصلہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں کلکتہ کی ایک عدالت کے ایک انگریز جج کا فیصلہ اخبارات میں آیا تھا۔ کلکتہ کے کسی رئیس کی نوجوان لڑکی بن ٹھن کر اور اَپ ٹو ڈیٹ بن کر بازار میں نکلی۔ اِدھر یہ نکلی اور اُدھر ایک رئیس کا نوجوان لڑکا بازار میں کسی دکان پر کھڑا تھا۔ یہ لڑکی جب اس لڑکے کے قریب پہنچی تو وہ لڑکا اس لڑکی کو چھیڑنے لگا اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اس سے لپٹ گیا۔ لڑکی نے اپنے آپ کو آزاد کرا کے جھٹ عدالت کا رُخ کیا اور اس لڑکے پر دعوےٰ دائر کر دیا۔ لڑکے کو عدالت میں طلب کیا گیا اور انگریز جج نے اس کی حرکت کی وجہ دریافت کی۔ لڑکے نے جو بیان دیا وہ قابلِ غور ہے۔ لڑکے نے کہا۔

"مائی لارڈ! پٹرول کی خاصیت یہ ہے کہ آگ جب اس کے قریب آئے تو وہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ اسی لیے پٹرول پمپوں پر یہ بورڈ

اور نوٹس آویزاں ہوتے ہیں کہ یہاں سگریٹ پینا ممنوع ہے اور کسی قسم کی آگ سلگانا یا لانا منع ہے۔ پٹرول کی فطرت یہی ہے کہ آگ اس کے قریب آئے تو وہ فوراً بھڑک اُٹھے اور جلنے لگے، جناب عالی پٹرول پمپ کے پاس اگر کوئی آگ "خود ہی چل کر آجائے اور پٹرول اپنی فطرت کے مطابق" بھڑک اُٹھے تو آپ اگر پٹرول سے پوچھنے لگیں کہ کیوں بے پٹرول تبا تو کیوں بھڑک اُٹھا تو کیا یہ انصاف ہے؟ آپ آگ سے دریافت کیجئے کہ وہ کیوں پٹرول کے پاس آئی۔ جناب والا! آپ مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہیں کہ میں اس سے کیوں لپٹا۔ آپ اس لڑکی سے پوچھیں کہ یہ کیوں بن ٹھن کر باہر نکلی اور میرے قریب آئی۔

انگریز جج نے لڑکے کا یہ بیان سن کر لڑکے کو بری کر دیا اور لڑکی سے کہا کہ میں تمھیں ایک سال کے لیے اس پردے کا حکم دیتا ہوں جس کا حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اغیار بھی آپ کے احکام و ارشادات کی حکمتوں کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر افسوس! کہ آج ہم خود ہی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نظر انداز کر رہے ہیں اور علی الاعلان فسق و فجور کے کام کرتے ہیں، اور ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بلّی کو دیکھو وہ پاخانہ کرکے اُس نجاست پر مٹی ڈال کر اُسے ڈھانپ دیتی اور چھپا دیتی ہے۔ مگر وہ فاسق ملعون کس قدر بیباک اور جانوروں سے بھی بدتر ہے کہ بے حیائی کے کام علی الاعلان کرتا پھرتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا بلکہ ان کو "آرٹ" کا نام دے دے کر ان کی تشہیر کرتا پھرتا ہے۔ میرے بزرگو! یہ جو مغربی تہذیب اور یورپین عریانی و بے حجابی ہے۔ اُسے اپنے لیے مہلک سمجھو۔ جو

لوگ اسے باعثِ ترقی اور مفید سمجھ رہے ہیں وہ بڑے ہی نادان ہیں۔

ایک ریچھ کا قصّہ

مولانا رُومی علیہ الرحمۃ نے ایک آدمی کا قصہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ایک بہت بڑے اژدہا نے ایک ریچھ کو پکڑ لیا۔ ریچھ شور مچانے لگا اور فریاد کرنے لگا۔ ایک آدمی وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے ترس کھا کر کسی حیلہ سے اس ریچھ کو اژدھا سے چھڑا لیا۔ ریچھ بڑا خوش ہوا، اور اس کا بندۂ بے دام بن کر کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور جب وہ آدمی سو جاتا۔ تو یہ ریچھ اس کا پہرہ دیا کرتا تھا۔ کسی شخص نے یہ قصہ دیکھ کر اس آدمی کو سمجھایا کہ اس ریچھ کی دوستی سے کنارہ کر لو۔ تمھارا اور اس کا کیا رشتہ؟ ایسا نہ ہو کہ یہ تمھیں کوئی نقصان پہنچا دے۔ وہ آدمی بولا۔ (مثنوی کا منظوم اُردو ترجمہ) ؎

تیری نیت میں خلل ہے ناصحا
اس میں کچھ مطلب ہے پوشیدہ ترا

یہ جواب اس کا بالکل ایسا ہی تھا کہ جیسے کسی ماڈرن مسلمان کو کوئی مولوی صاحب نصیحت کریں کہ بھئی! اس مغربی تہذیب سے تمھارا کیا رشتہ؟ ایسا نہ ہو کہ تمھارے دینی و قومی وقار کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ تو وہ جواب دے کہ مولوی کی نیت میں خلل ہے۔ اس میں اس کا کوئی مطلب پوشیدہ ہے۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ؎

ایک دن جنگل میں سوتا تھا جوان ریچھ بیٹھا جھل رہا تھا مکھیاں
ایک مکھی تھی ہٹیلی نا سزا ریچھ نے اس کو ہٹایا بارہا،
پر چلی جائے بھلا مقدور کیا آتی ہر پھر کے وہیں تھی بے حیا،
دق ہوا ریچھ اور ہو کے خشمگیں اک بڑا پتھر اُٹھا لایا لعین
تاک کر مکھی پہ مارا سنگ جب کون مرتا ہے؟ نہ سمجھا پر غضب

ریزہ ریزہ اس جواں کا سر ہُوا   اِس کے صدمہ سے نہ وہ جاں بر ہُوا

کچھ ایسا ہی قصہ یہ بھی ہے کہ مغربی تہذیب سے رشتہ گانٹھنے والوں کو مولوی سمجھاتا ہے۔ تو وہ مولوی پر بدگمان ہو کر مغربی تہذیب سے یارانہ توڑتے نہیں اور اس کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مغربی تہذیب کا یہ ظالم ریچھ الحاد کے پتھر سے دین و مذہب کے سر کو ریزہ ریزہ کر ڈالتا ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! شریعت کی پابندی کرو اور فوز و فلاح پانے کے لیے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک بھی سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مَنْ یَضْمَنُ لِی مَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنُ لَہُ الْجَنَّۃَ۔ (بخاری شریف صفحہ ۹۵۸)

جو میرے لیے ضامن بنے۔ دونوں جبڑوں اور پاؤں کے درمیان کا میں اس کے لئے جنّت کا ضامن ہوں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کو استعمال نہ کرے اور ان کی نگہداشت کرے اور اس بات کی ضمانت دے تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں اور جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ پاک بھی قرآن پاک کی آیت کی طرح فوز و فلاح پانے کا طریق بتا رہا ہے اور درس دے رہا ہے کہ جہنم سے بچنا اور جنّت میں جانا ہے تو اپنی زبان کو بھی قابو میں رکھو۔

مالکِ جنّت

میرے بھائیو! اس حدیثِ پاک سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنّت کے مالک ہیں اور آپ جنّت میں تصرف فرما سکتے ہیں منجانب اللہ آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جسے چاہیں جنّت میں لے جائیں اور جسے نہ چاہیں نہ لے جائیں اس

لئے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو وہ ضمانت دے ہی نہیں سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو جنّت کی ضمانت دے رہے ہیں۔ تو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بزور اور غلبہ کے ساتھ جنّت لے دیں یا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ جنّت نہ دے تو حضور اس جنّت کی مثل دوسری جنّت بنا کر اُسے دے دیں۔ ہاں یہی صورت ممکن ہے اور یہی حقیقت بھی ہے کہ یہ جو جنّت موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جنّت کے متعلق اختیار مل چکا ہے اور آپ اسی جنّت کے مالک بنا دیئے گئے ہیں اور اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو پھر حدیث پاک کا انکار لازم آئے گا اور بزعمِ خویش مسلمانوں کو مشرک بناتے بناتے خود ہی پرویزیت کا شکار ہو جانا پڑے گا۔

اور اگر یہ کہا جانے لگے کہ نہیں صاحب! یہ بات نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھے گا وہ جنّت کا مستحق ہوگا۔ تو حضور نے اللہ کے اس حکم پر بھروسہ کر کے یہ اعلان فرما دیا کہ جو شخص زبان و شرمگاہ کو محفوظ رکھے گا میں اس کے لیے جنّت کا ضامن ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ مطلب گھڑ لینے میں ضمانت کا مفہوم ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اس طرح تو پھر ہم میں سے بھی ہر ایک شخص دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بھئی! تم نماز پڑھو۔ میں جنّت کا ضامن ہوں۔ تم بُرے کام چھوڑ دو۔ میں جنّت کا ذمہ دار ہوں۔ کیوں صاحب! کسی کی ہے جرأت کہ بر سرِ منبر وعظ کہتا ہوا یہ دعویٰ کرے اور کہے کہ تم نماز پڑھو میں تمہارے لیے جنّت کا ضامن ہوں۔ میں جنّت میں لے کر چلوں گا۔ بھائیو! سیدھی بات ہے کہ ضامن جس چیز کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتی ہے۔ آپ حدیثِ پاک کے اس جملہ کو ہی لیجئے "مَنْ یَضْمَنُ لِیْ" اِس جملہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں۔ یعنی یہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی مجھے ضمانت دے۔ تو اس شخص کو اپنی زبان اور شرمگاہ پر اختیار حاصل ہے جبھی تو وہ ضمانت

دے گا۔ تو جب وہ شخص جن چیزوں کی ضمانت دے گا۔ وہ چیزیں اس کے اختیار میں ہوں گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی ضمانت دے رہے ہیں۔ وہ چیز حضور کے اختیار میں کیوں نہ ہوگی؟ دیکھ لیجئے اس شخص کو اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ پر اختیار حاصل ہے۔ وہ ان میں جب چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ چاہے تو جائز استعمال کرے اور چاہے تو ناجائز۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنت پر اختیار و تصرف حاصل ہے وہ جس طرح چاہیں تصرف فرما سکتے ہیں۔ چاہیں تو کسی کو دے دیں، چاہیں تو نہ دیں۔ پس ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ ؏

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

صحابہ کرام علیہم الرضوان

حضرات! آیئے آپ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان دیکھئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا مالک و مختار سمجھتے تھے یا نہیں؟ غزوہ اُحد میں جب کافروں کی ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ پہنچی تو حضور نے اعلان فرمایا:

مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا فَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْهُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ۔

(مسلم شریف ص۱۰۷ ج ۲)

"جو انہیں ہم سے ہٹائے گا۔ پس اُس کے لیے جنت ہے یا فرمایا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر سات انصاریوں نے لبیک کہی۔ اور یکے بعد دیگرے شمع رسالت پر پروانہ وار شہید ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں رفاقت حاصل فرما گئے۔

کیوں صاحب! اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہی خیال ہوتا کہ حضور تو کسی چیز کے مالک و مختار نہیں (معاذ اللہ) تو حضور کی اس آواز پر یہ سات انصاری کبھی لبیک نہ کہتے اور یہ کہتے کہ یا رسول اللہ! آپ تو کسی چیز کے مالک ہیں ہی نہیں۔ پھر آپ یہ جنت کا وعدہ کیسے فرما رہے ہیں۔ مگر نہیں۔ نہیں۔ ان کا ایمان

تھا کہ ہمارے حضور مالک و مختار ہیں۔ اُن کا وعدہ سچا ہے اور جو کچھ آپ نے فرما دیا ہے۔ وہ یقیناً حق ہے اور آپ مالکِ جنت ہیں۔ ہمیں جنت ضرور ملے گی، اسی لیے اُنھوں نے حضور پر جانیں نثار کر دیں۔ پس مسلمانو! تم بھی اپنا یہی عقیدہ رکھو۔ کہ ؏

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا

حضرات! خدا تعالیٰ نے نجات پانے والوں کی پھر یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ امین ہوتے ہیں۔ امانات میں خیانت نہیں کرتے اور وعدہ وفا ہوتے ہیں۔ جس بات کا عہد و پیمان کر لیں۔ وہ پورا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا بہترین درس ہے۔ امانت میں خیانت کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔ مسلمان امین ہوتا ہے اور وہ کبھی خیانت سے کام نہیں لیتا۔

رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بھائیو! ہمارے آقا و مولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دشمن بھی مُحَمَّدٌ اَمِیْن (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے تھے۔ اور حضور کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے اور سب مانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدق و صفا اور امانت و صداقت کے منبع و پیکر ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ سنیئے۔ یہ کعبہ شریف جو ہمیشہ معظم و مکرم رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

تعمیرِ کعبہ

شریف سے پہلے اس کی عمارت مسلسل بارشوں کی وجہ سے شکستہ ہو گئی تھی جس کی وجہ سے تمام قریش نے باتفاق رائے یہ تجویز پاس کی کہ موجودہ عمارت گرا کر اس کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ چنانچہ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصّوں کی تعمیر اپنے ذمہ لے لی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کے شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہ جائے۔ تعمیر جاری تھی اور نہایت شوق و عقیدت سے مصروفِ کار رہتے۔ اب تک تو پورا اتفاق رہا مگر جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص

کی یہ خواہش تھی کہ یہ شرف اُسے حاصل ہو اور وہی حجرِ اسود کو اُٹھا کر اُسے اپنی جگہ پر رکھے۔ یہ جھگڑا اتنا خطرناک طور پر بڑھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں اور کوئی قبیلہ یہ شرف دوسرے قبیلہ کو دینے پر آمادہ نہ تھا۔ چار روز تک یہ جھگڑا چلتا رہا اور قریب تھا کہ تلواریں چل جاتیں اور ایک عظیم معرکہ شروع ہو جاتا۔ جس میں کئی جانیں تلف ہو جاتیں۔ آخر اس نازک صورتِ حال کو دیکھ کر ایک کہن سال اور ضعیف العمر شخص ابن مغیرہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اس طرح یہ قضیہ طے نہ ہوگا۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ کل صبح سب سے پہلے جو حرم میں آئے وہی ثالث قرار پائے اور جو فیصلہ وہ کرے۔ وہ سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔ سب نے یہ رائے قبول کر لی۔ اب تو حالت یہ تھی کہ لوگوں کو رات بھر نیند نہ آئی۔ سب نے رات بھر انتظار میں بیٹھے صبح کر دی۔ دوسرے روز صبح کی سپیدی نکلنے سے پہلے ہی سارے قبائل کے لوگ موقع پر جا بیٹھے قدرتِ خداوندی کا مقدس کارنامہ دیکھئے۔ کہ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے جس چہرۂ انور پر نگاہیں پڑیں۔ وہ چہرۂ انور حضور لامع النور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ جو قدم سب سے پہلے حرم شریف میں پڑے۔ وہ حضور کے قدمانِ مبارک تھے حضور کو دیکھتے ہی سب کے دلوں میں مسرت و خوشی کی لہر دَوڑ گئی اور سب نے بالاتفاق یہ نعرہ بلند کیا کہ وہ "امین" "آگیا" "امین" آگیا سب نے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ اور سب نے حضور کو اپنا ثالث منظور کر لیا اور حضور کے فیصلہ پر سبھی نے سرِ تسلیم خم کر دینے کا اعلان کر دیا۔ میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابھی اعلان نہیں ہوا۔ یہ سارا قصہ پہلے کا ہے۔ حضور شروع ہی منبعِ عدل و انصاف اور امین کے نام سے مشہور تھے۔ سب کو یقین تھا کہ اس مقدس ہستی سے جو وقوع پذیر ہوتا ہے وہ حق و صداقت ہی ہوتا ہے اور آپ امانت و دیانت کے مقدس پیکر ہیں۔ سبحان اللہ! ہمارے حضور کی بھی کیا شان ہے۔ حضور کا فیصلہ بھی

ملاحظہ فرمائیے۔ بخدا روح وجد میں آتی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ سارے قبیلے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ہیں اور حجرِ اسود کے اپنے مقام پر نصب کرنے کے شرف سے سب مشرف ہونا چاہتے ہیں اور اس شرف سے کوئی بھی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ایسے ماحول میں جب اس جھگڑے کا فیصلہ حضور کے سپرد کیا گیا تو حضور نے ایک ایسی تدبیر نکالی جسے سُن کر سارے حیران رہ گئے اور خوش بھی ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ تمام قبائل میں سے ایک ایک سردار اپنے قبیلے کا نمائندہ بن کر آگے بڑھے۔ چنانچہ ہر قبیلے نے اپنا اپنا ایک نمائندہ منتخب کیا تو حضور نے اپنی چادر مبارک بچھا کر حجرِ اسود اس میں رکھ دیا اور ان سب سرداروں سے فرمایا کہ آپ سب لوگ اس کے کونے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اُوپر اٹھائیں۔ چنانچہ سب نے چادر کو اٹھایا اور جب وہ موقع کے برابر آگئی تو حضور نے فرمایا کہ حجرِ اسود کے اُٹھانے کے شرف سے آپ سب مشرف ہو گئے۔ اب تم سب اُسے اُٹھا کر اپنی جگہ نصب کرنے کے لیے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کر لو تاکہ وہ خود اسے اٹھا کر اسے اپنے مقام پر نصب کر دوں۔ چنانچہ سب نے اس بات پر اظہارِ رضامندی کیا اور حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو چادر میں سے اُٹھا کر اُس کی جگہ نصب کر دیا۔ اس طرح محض آپ کی حسنِ تدبیر سے اس وقت آڑے نہ آتی تو اس وقت سرزمینِ مکہ انسانی خون سے لالہ زار بن جاتی اور عین بیت اللہ شریف کے سامنے لاشے تڑپتے نظر آتے۔ حضور نے یہ تنازعہ ایک اعلیٰ تدبیر سے مٹا دیا اور کسی کو کسی پر فوقیت بھی نہ دی۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبّر و انصاف کی دھوم مچ گئی اور ہر ایک پر حضور کے حکیم و امین ہونے کا سکہ بیٹھ گیا۔ سچ کہا ہے شاعر نے ؎

خطاکار سے درگزر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا ۔۔۔ قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا   اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین بن کر آمنہ (رضی اللہ عنہا) کی گود میں تشریف لائے اور آپ نے دنیا بھر کو امن و امانت کا درس دیا اور خدا تعالیٰ نے بھی فوز و فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہی بیان فرمائی کہ وہ لوگ امین ہوتے ہیں خائن نہیں ہوتے۔

جبریل امین میرے بھائیو! ابھی ایک اور بات بھی سن لیجئے بعض افراد ایں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جبریل نے آنا تو حضرت علی کے پاس تھا مگر وہ غلطی سے (معاذاللہ) حضور کے پاس چلے گئے۔ اسی طرح کا ایک قول غالیوں کا اور بھی ہے۔ حضرت شاہ غوث علی قلندر علیہ الرحمۃ سے کسی غالی نے یوں کہا کہ جبریل علیہ السلام اگر حضور علیہ السلام کے پاس ایک مرتبہ آیا کرتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو مرتبہ آتے تھے۔ حضرت شاہ غوث علی نے بڑا اچھا جواب دیا، فرمایا کہ ہاں بھئی! ٹھیک کہتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ "بَابُ مَدِيْنَةِ الْعِلْمِ" یعنی علم کے شہر کے دروازہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی مکان میں صاحبِ مکان کو ملنے کے لیے جائے تو اُسے مکان کے دروازہ کو دو مرتبہ عبور کرنا پڑتا ہے۔ ایک مرتبہ جاتے ہوئے اور ایک مرتبہ آتے ہوئے۔ وہ شخص ملنے تو صاحبِ مکان کو ہی جاتا ہے اور مقصود بھی وہی صاحبِ مکان ہوتا ہے۔ مگر دروازۂ مکان سے اُسے دو مرتبہ گزرنا پڑتا ہے۔ جاتے ہوئے اور آتے ہوئے۔ اسی طرح جبریل امین آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھے۔ مگر انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے جو دروازۂ علم ہیں، دو مرتبہ گزرنا پڑتا تھا۔ سبحان اللہ! کیا پُرلطف جواب ہے۔ کچھ ایسا ہی قول یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل نے آنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ بھائیو! اس مردود قول کی

تردید کے لیے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (پ ۱۹ ع ۱۵)

"اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔ اُسے روح الامین لے کر اُترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ۔"

دیکھئے! اس آیت کریمہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو "روح الامین" فرمایا ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے "صفتِ امین" سے موصوف بیان فرمایا ہے۔ گویا جبریل امین علیہ السلام کی پوزیشن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ظاہر فرما دیا۔ کہ یہ "امین" ہیں۔ میں جو پیغام انھیں دے کر جس کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہ وہ پیغام لے کر اسی کے پاس جاتے ہیں اور جو کچھ میرا پیغام ہوتا ہے۔ پورے کا پورا پہنچا دیتے ہیں۔ میرے بزرگو! خدا تعالیٰ کو علم تھا کہ ایسے غالی لوگ بھی پیدا ہوں گے۔ جو جبریل امین پر یہ اتہام باندھیں گے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے پیغام کو جس طرف پیغام تھا۔ اس کے پاس نہیں پہنچایا۔ بلکہ دوسرے کی طرف لے گئے۔ اسی لیے پہلے ہی فرما دیا کہ جبریل تو امین ہیں اور امین کا یہ شیوہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی قسم کی خیانت کرے اور اس مالک کی بجائے کسی اور کو چیز دے دے۔

ہاں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں اور ان کی طرف پیغامِ حق لانے والے جبریل امین بھی امین ہیں۔ بھائیو! آج جسے فوز و فلاح کی تمنا ہے۔ وہ بھی امین بنے۔ ہمارے حضور صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ امانت میں خیانت کرنا منافق کا کام ہے یعنی مسلمان کا کام خیانت کرنا نہیں۔

تاجرِ امین حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کے لیے جو ارشاد فرمایا ہے وہ بھی سنیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ (مشکوٰۃ ص ۲۴۵)

"سچ بولنے والا اور امین تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

دیکھا آپ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امین تاجر کے لیے کس قدر بلند مقام کا اعلان فرمایا ہے۔ بھائیو! اگر آپ میں کوئی تاجر ہے تو وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سُنے اور اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کے لیے ہمیشہ صداقت و امانت کو اپنائے رکھے۔ بھائیو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آجکل امانت بھی شاذ و نادر نظر آتی ہے۔ اس پرفتن دور میں جہاں اور کئی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ وہاں امانت میں خیانت کی خرابی بھی عام ہے۔ "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کئی لوگوں کا وظیفہ بن چکا ہے اور پرائے مال کو ہڑپ کر جانا بھی آجکل ایک فن اور آرٹ ہے۔ یہ تاجر حضرات جو کم تولنے کے عادی ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا ردّی مال نکالنے کے عادی ہیں۔ سوچیں تو سہی کہ وہ اس دنیا ذلیل کے لیے کس طرح اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ اپنے ردّی مال کو اچھا بنانا اور گاہک کو پوری چیز نہ دینا یہ سراسر خیانت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔

حضرت یونس علیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ آپ چادریں اور اوڑھنیاں بیچا کرتے تھے لیکن جب آسمان ابر آلود ہوتا تو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار لے کر جاتے۔ کسی نے اس کا باعث پوچھا تو فرمایا کہ ابر کے دن خریدار کو معیوب شے صاف نظر آتی ہے۔

سبحان اللہ! کیسے صادق و امین تھے پہلے لوگ۔ اور ایک آج ہم بھی ہیں کہ اپنا کپڑا بیچنے کے لیے رات کو مختلف قسم کے رنگ کی روشنیاں کر دی جاتی ہیں۔ تاکہ گاہک کو کپڑا اصلی رنگ و رُوپ سے بڑھ چڑھ کر دکھائی دے اور وہ اُسے خرید کر لے جائے اور پھر دیکھئے کوئی تھان جو دنوں سے دکان میں پڑا ہُوا ہو اور اُسے کوئی نہ خریدتا ہو تو کسی نہ کسی "فن" سے دکاندار صاحب اُسے کسی گاہک کی نظروں میں دھول ڈال کر بیچ آئیں تو گھر آکر خوشی خوشی کہتے ہیں کہ مبارک ہو۔ وہ نکما تھان جو کسی صورت نہ نکلتا تھا۔ آج نکال آیا ہوں۔ گویا اس خیانت و دھوکہ بازی کی مبارک دی جاتی ہے۔ بھائیو!

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہم تاجر ہوں یا گاہک۔ صداقت و امانت کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دُکاندار اپنی بُری چیز کو اچھی کہہ کر بیچتا ہے اور گاہک اچھی چیز کو بھی بُری بتا کر سستے داموں خریدنا چاہتا ہے۔ دکاندار اگر دن بھر میں چند ایک گاہکوں سے جھوٹ بول کر کچھ پیسے کما لیتا ہے تو کسی دن کوئی گاہک بھی ایسا آجاتا ہے جو اپنے ایک ہی داؤ سے دکاندار صاحب پر ہاتھ صاف کر جاتا ہے۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک جوتوں کے تاجر کے پاس ایک گاہک آیا اور زنانہ سلیپر طلب کیے۔ دکاندار نے زنانہ سلیپروں کا جوڑا نکال کر

لطیفہ

سامنے رکھا تو گاہک نے کہا کہ میں گھر سے ناپ لانا بھول گیا ہوں۔ آپ سلیپر کا دایاں پیر دے دیجئے۔ میں گھر لے جاکر اسے پہنا کر دیکھ آؤں۔ اگر پورا آگیا تو دوسرا پیر بھی قیمت دیکر لے جاؤں گا۔ دکاندار نے دایاں پیر دے دیا اور پھر اس کی انتظار کرنے لگا۔ مگر گاہک واپس نہ آیا۔ شام کے وقت پڑوسی دکاندار سے اُس نے ذکر کیا کہ آج ایک عجیب دھوکا باز گاہک آیا جو مجھ سے سلیپر کا دایاں پیر گھر لے گیا۔ پھر واپس نہیں آیا۔ پڑوسی دکاندار حیران ہو کر کہنے لگا۔ اچھا یہ بات ہے۔ وہ میرے پاس بھی آیا تھا اور مجھ سے وہ سلیپر کا بایاں پیر دکھانے کو گھر لے گیا تھا۔ میں بھی دن بھر اس کی انتظار میں رہا۔ مگر اب پتہ چل گیا کہ اس نے اپنا "جوڑا" پورا کر لیا ہے۔

بھائیو! اس قسم کی خیانتیں عام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں امن و سکون غائب ہے اور چاروں طرف بدامنی ہی بدامنی نظر آتی ہے۔

ماڈرن عذاب

میرے بھائیو! اگر کوئی تدبر و تفکر کی نظر سے موجودہ حالات پر نظر دوڑائے تو دیکھ لے کہ آجکل کا انسان جو اپنے آپ کو مہذب اور ماڈرن انسان کہلاتا ہے۔ خدا کی گرفت میں آچکا ہے۔ آگ، پانی اور زلزلوں کے عذاب کے علاوہ آجکل کا انسان ماڈرن عذاب میں بھی مبتلا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو دیکھا کہ یہ ترقی پسند اور ماڈرن انسان کچھ ایسا متکبر و

مغرور ہو چکا ہے کہ اپنے آپ کو بڑا مہذب اور بلند سمجھنے لگا ہے اور ماڈرن بننے کے نشہ میں یہ دین و مذہب پر بھی پھبتیاں کسنے لگا ہے اور خدا کے مقبولوں کو بھی ہدفِ طعن بنانے لگا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک ماڈرن عذاب بھی نازل فرمایا ہے۔ یہ عذاب ایسا عبرتناک اور دردناک ہے کہ آجکل کا یہ ماڈرن انسان عذاب میں مبتلا ہے۔ مگر اُسے عذاب نہیں سمجھتا۔ غور تو کیجئے آجکل کا یہ انسان پہلے زمانہ کے انسان سے پچاس گنی زیادہ آمدنی رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھوکا ہے۔ مالی دقتوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ بہت کماتا ہے مگر اس کے رشپے میں کوئی برکت نہیں۔ اس لیے یہ ہمیشہ تنگدستی میں مبتلا رہتا ہے۔ جدید تمدن کی لذتوں نے اُسے اندھا کر دیا ہے۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی پاکیزہ معاشرت سے وہ محروم ہو چکا ہے۔ اس لیے بے شمار آمدنی کے باوجود تنگدستی کا شکار اور فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کا مصداق بن چکا ہے۔ کیوں صاحب! یہ خدا کا عذاب اور اس کا قہر نہیں تو اور کیا ہے؟ آجکل کا مہذّب انسان اپنی شکل ذرا آئینے میں دیکھے۔ خدا نے کیسی پاکیزہ اور شاندار صورت دی تھی۔ مگر اس نے مرد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایک ناکارہ عورت کی شکل میں تبدیل کر لیا۔ کیا یہ ماڈرن عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟

اُدھر عورتوں کو دیکھئے۔ چنگی بھلی عورت نے خود ہی اپنی زلفوں کو کاٹ کر "زلف بریدہ دلیبی مس" کی صورت اختیار کر لی۔ لباس عریاں پہن کر بالکل عریاں ہو گئی اور اپنے ہاتھوں اپنا سر مونڈ کر اور اپنا لباس گویا اُتار کر زمانہ جاہلیت میں بازاروں میں آکر بکنے والی لونڈیوں کی طرح ایک لونڈی بن گئی۔ کیا یہ عذابِ الٰہی نہیں؟ کیوں صاحب! یہ مغربی لباس اور یہ تنگ و چُست ٹیڈی لباس ذرا غور تو کیجئے کہ یہ قدرت کا شکنجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس ماڈرن عذاب کے عذاب ہونے میں کیا شُبہ ہے کہ یہ ماڈرن انسان اس مغربی لباس میں تنگ پتلون میں یوں کس دیا گیا کہ اب بچارہ پیشاب کرنے کے لیے بھی بیٹھ نہیں سکتا۔ اور پھر کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگا تو عذاب الٰہی دیکھئے کہ پیشاب کی ناپاک چھینٹیں پیروں پر۔ کپڑوں پر پڑنے لگیں۔ حتیٰ کہ وہ منہ جس منہ سے خدا و رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر پھبتی آمیز کلمات نکلا کرتے تھے۔ اس منہ پر بھی پیشاب کی چھینٹیں پڑیں۔ گویا عذابِ الٰہی اس گستاخ منہ کو بھی پیشاب کی لپیٹ میں لے آیا۔ سوچو تو سہی کہ کیا یہ ماڈرن عذاب نہیں؟ بجائے پانی کے استنجا کے ماڈرن انسان ایک کاغذ کے ٹکڑے سے نجاست صاف کرتا ہے۔ جس طرح جنگلی جانور زمین سے جسم رگڑ رگڑ کر نجاست صاف کیا کرتے ہیں۔ قدرت کا اس سے بڑھ کر اور عذاب کیا ہوگا۔ کہ انسان ہونے کے باوجود حیوانوں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ دیکھا آپ نے اس ماڈرن انسان کے حالات کو؟ اور پھر اس پر مزید عذاب یہ کہ یہ ماڈرن انسان ان عذابوں کو عذاب نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے ترقی و عروج سمجھے ہوئے ہے۔ گویا یہ قدرت کا مزید عتاب ہے کہ نہ یہ عذاب کو عذاب سمجھے اور نہ اس سے وہ خلاصی پائے۔

لطیفہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک سُود خوار پٹھان لاہور میں آیا تو اس نے ایک حلوائی کی دکان پر ایک بڑے طباق میں حلوہ رکھا دیکھا۔ پٹھان نے دکاندار سے پوچھا۔ خو بھئی! تم اندھا ہے؟ تمھارے آگے اتنا حلوہ رکھا ہے اور تم کھاتا نہیں؟ دکاندار نے کہا۔ خان! اگر میں یہ حلوہ کھالوں تو میں اُجڑ جاؤں۔ پٹھان نے بیٹھ کر وہ سارا حلوہ کھانا شروع کر دیا۔ اور کھا پی کہنے لگا "خو اگر یہ حلوہ کھانے سے آدمی اُجڑتا ہے۔ تو ہم اُجڑتا ہے۔" دکاندار نے پیسے طلب کئے تو کہنے لگا۔ ہمارے پاس کوئی پیسہ نہیں، دکاندار نے اُسے پکڑ کر قاضی شہر کے پاس لے گیا۔ قاضی صاحب نے اس پٹھان کو یہ سزا دی کہ اُسے ایک گدھے پر بٹھایا گیا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ڈھول دے کر اس کے پیچھے کر کے اسے سارے شہر میں پھراؤ۔ چنانچہ اُسے ایک گدھے پر بٹھایا گیا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ڈھول دے کر اس کے پیچھے کر دیا گیا۔ بچوں نے ڈھول بجا بجا کر اس کے

پیچھے کر دیا گیا۔ بچوں نے ڈھول بجا بجا کر اس کے پیچھے شور مچا دیا۔ جب یہ سزا پا کر پٹھان اپنے ملک واپس گیا تو دوستوں نے پوچھا "ملکِ ہند چگونہ است" یعنی ہندوستان کیسا ملک ہے؟ وہ بولا!

خوب است ۔ حلوہ خوردن مفت است ۔ سواریٔ خر مفت است
فوجِ طفلاں مفت است ۔ نیز ڈم ڈم مفت است

یعنی بڑا اچھا ملک ہے۔ وہاں حلوہ مفت است۔ گدھے کی سواری بھی مفت اور لڑکوں کی فوج بھی مفت۔ اور ڈم ڈم بھی مفت۔

دیکھا آپ نے اس پٹھان نے سمجھا کہ یہ میرا جلوس نکالا جا رہا ہے۔ حالانکہ اُسے سزا دی جا رہی تھی۔ اسی طرح آجکل کا مہذب انسان ہے تو ماڈرن عذاب میں گرفتار اور سزا پا رہا ہے مگر سمجھ یہ رہا ہے کہ میں ترقی پا رہا ہوں اور مہذب بن رہا ہوں۔

ہاں تو بھائیو! خدا تعالےٰ نے فوز و فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ امین ہوتے ہیں اور اپنے وعدے کے بھی سچے ہوتے ہیں کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتے۔ اور ع

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

کے مطابق وہ وعدہ وعدہ توڑنے کے لیے نہیں کرتے۔ بلکہ وہ وعدہ پورا کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ ان سب نشانیوں کا ذکر فرما کر فرماتا ہے کہ:-

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ — یہی وہ لوگ ہیں جو حقدار ہیں اور جو جنّتِ فردوس کے وارث بنیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے۔"

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تیسواں وعظ

خَلِيْفَةُ الْاَرْضِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (پ۸ ع۹)

"(خدا نے شیطان سے) فرمایا۔ کس چیز نے تجھے روکا۔ کہ تُو نے سجدہ نہ کیا جب مَیں نے تجھے حکم دیا تھا۔ بولا میں اُس سے بہتر ہوں۔ تُو نے مجھے آگ سے بنایا۔ اور اُسے مٹی سے بنایا۔"

حضرات! آجکل قصّے کہانیوں کا بہت شوق ہے۔ آیئے مَیں آج آپ کو قرآن پاک کی بیان فرمودہ ایک سبق آموز سچّی حکایت اور عبرتناک سچا قصہ سُناؤں۔

——— بھائیو! یہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ تو پہلے فرشتوں میں یہ شاہی اعلان فرمایا کہ :-

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (پ ۱ ع ۴)

"میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔"

خدا تعالیٰ کے اس اعلان پر فرشتوں نے عرض کیا۔

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط —

"کیا ایسے کو نائب کرے گا جو ان میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے۔"

یعنی اے مولا! یہ جو تو اپنا خلیفہ بنائے گا۔ یہ تو دنیا میں جا کر جنگ و جدل کا میدان گرم کرے گا اور لڑائیاں اور خونریزیاں کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا :-

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ —

مجھے معلوم ہے۔ جو تم نہیں جانتے۔

میرے بھائیو! فرشتوں کی بات سنی آپ نے ؛ فرشتوں نے کہا تھا کہ یہ آدمی جنگ و جدال کا میدان گرم کریں گے اور لڑتے رہیں گے۔ دیکھ لیجیے وہی کچھ ہو رہا ہے اور آجکل تو اس آیت کی عملی تغویر جوبن پر ہے۔ ہر ملک، ہر شہر اور ہر گھر میں لڑائی اور جھگڑے موجود ہیں اور خدا تعالیٰ ہدایت دے کہ آجکل ہم نے جب دیکھا کہ بھائی بھائی آپس میں نہیں لڑتے۔ تو ہم چونکہ بغیر لڑائی کے نہیں رہ سکتے — اس لیے دو بٹیروں ہی کو آپس میں لڑا دیتے ہیں کتوں اور بیلوں ہی کی لڑائی شروع کرا دیتے ہیں۔ یعنی لڑائی کے ہم اتنے شوقین ہیں، کہ یہ کہیں نہ کہیں موجود ضرور رہنی چاہیے۔ ہاں تو فرشتوں نے جب یہ بات کہی تو

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو حکمتیں میرے علم میں ہیں۔ تم انھیں نہیں جانتے۔

میرے بزرگو! یہیں سے اب شیطان لعین کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ یہ شیطان بہت بڑا عابد تھا اور خدا کو ایک ماننے والا تھا اور فرشتوں میں رہا کرتا تھا۔ یہ ملعون اپنے آپ کو بہت بلند و عالی سمجھتا تھا اور تکبر و غرور کا پتلا تھا۔ اس نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا اعلانِ شاہی سنا تو یہ خبیث اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جلنے لگا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض رکھنے لگا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ مجھ سے کون بڑھ سکتا ہے اور میرے ہوتے ہوئے دوسرا کون ہے جو "خلیفۃ اللہ" بن جائے۔ بھائیو! اس ناری کو حسد کی آگ ہی کھا گئی۔ یہ حسد کی آگ بڑی زبردست آگ ہے۔ اِس سے پناہ مانگو۔ آج جو لوگ دوسروں کا حسد کرتے ہیں۔ وہ کسی کا تو کیا نقصان کریں گے۔ اپنا ہی حال خراب کر لیتے ہیں۔ بچارے کڑھتے رہتے ہیں۔ کسی کو اچھا کھاتے دیکھا تو جل گئے۔ کسی کو اچھا پہنتے دیکھا تو مروڑ اٹھنے لگے۔ اور یہ بھی تو حسد ہی ہے۔ کہ کسی کو شبِ قدر کے روز حلوہ پکاتے دیکھا تو حلوہ کی سوجی بھننے سے پہلے خود بھن گئے۔ ہاں تو شیطان حسد کی آگ میں جلنے لگا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض رکھنے لگا حتّٰی کہ خداوند کریم جل شانہٗ نے اپنے یدِ قدرت سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا فرمانے کا اِعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

یَآ اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ط

"اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اُس کے لیے سجدہ کرے، جسے مَیں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔"

انبیاء علیہم السلام کی پیدائش

دیکھیے یوں تو ہر چیز کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے اور مجھے اور آپ کو بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ مگر ہمارے لیے یہ "خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" کا ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ میں نے

ہر انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہے۔ میرے بزرگو! یہ مخصوص اور زوردار جملہ صرف اپنے خلیفہ اور نبی کے لیے ہی ارشاد فرمایا۔ گویا انبیاء کرام علیہم السلام کی پیدائش کو خدا نے خاص اپنی طرف منسوب فرما کر یہ بتایا ہے کہ عوام کی بھی پیدائش اگرچہ میری ہی قدرت سے ہے۔ مگر اور چیزیں تو میں ارادہ فرمانے کے بعد کُن فرما کر بھی پیدا فرما دیتا ہوں۔ لیکن خبردار! انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اپنی مثل اور عوام کی سطح پر نہ رکھنا۔ اس لیے کہ ان کی پیدائش "لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" کی شان رکھتی ہے۔ اور بھائیو! پھر جو ذاتِ بابرکات ان انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی سب سے اعلیٰ وارفع ہو اور جو سیّد الانبیاء ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے لیے بقول حضرتِ حسان رضی اللہ عنہ یہ کیوں نہ کہا جائے۔ کہ ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی "یا رسول اللہ! آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں
گویا پیدا فرماتے وقت خدا تعالیٰ نے آپ کی مرضی کے مطابق
آپ کو پیدا فرمایا تھا"

سبحان اللہ! کیا بات فرما دی حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق پیدا فرمائے گئے ہیں اور کسی محبوب کی یہ مرضی کب ہوتی ہے کہ اس میں کوئی یا عیب بھی ہو۔ تو گویا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق یعنی بے عیب پیدا فرمائے گئے ہیں اور ہمارے حضور ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہیں۔ ؎

وہ کمالِ حُسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

ہاں تو شیطان لعین نے جب دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا فرما دیئے گئے ہیں خبیث جل بھن ہی تو گیا۔ اس عابد وساجد کے دل میں ایک پیغمبر کی

کی عداوت نے گھر کر لیا۔ اب دیکھئے۔ اس عداوت نے کیا گل کھلائے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد خدا تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ :- اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ —— آدم کو سجدہ کرو۔

یہ حکمِ حق پایا تو :-

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ —— سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

شیطان نے سارے فرشتوں سے الگ تھلگ رہ کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ انکار کیوں کیا ؟

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (پ۱ ع ۴)

منکر ہوا، اور غرور کیا۔ اور کافر ہو گیا۔

بے ایمان نے تکبّر وغرور کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ :-

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ —— اور کافر ہو گیا۔

کفر کا فتوے

میرے بھائیو! آجکل ماڈرن طبقہ حضرات علماء کرام پر ایک الزام یہ بھی لگاتا ہے کہ یہ "مولوی" کفر کا فتوے لگا دینے کے عادی ہیں اور لوگوں کو کافر بنا دیتے ہیں۔ بزرگو! اور عزیزو! مولوی کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ ہاں جو لوگ خود کفر اختیار کر لیں۔ ان پر وہ فتوے ضرور لگاتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ مولوی کافر بناتے نہیں۔ بتاتے ہیں۔ اور اگر کفر اختیار کر لینے والے کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے تو پھر سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے پوچھئے کہ اس نے ایک عابد وساجد یعنی شیطان پر کفر کا فتوے کیوں لگایا ؟ اور کیوں فرمایا۔

"وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ — اور کافر ہو گیا"

اصل قصہ یہ ہے کہ آجکل کے آزادی پسند اور ترقی یافتہ افراد اسپ بے لگام کی طرح یہ چاہتے ہیں کہ وہ جہاں چاہیں جائیں۔ جو چاہیں کھائیں اور جو چاہیں کریں۔ انھیں روکنے والا کوئی نہ ہو۔ شرعی حدود وانسانی قیود میں رہنے کا نام ان

کے نزدیک رجعت پسندی اور تنگ نظری ہے۔ اور غیر شرعی و غیر اخلاقی حرکات کو اپنا لینے کا نام ان کے یہاں روشن خیالی اور تہذیب ہے۔ یورپ کی بخشی ہوئی عریانی و فحاشی اور بے حجابی کو "آرٹ" اور ثقافت کا نام دے کر عام کیا جا رہا ہے۔ اور مکاری و عیاری کو ہوش و خرد کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ ننگے ناچ۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط، سیرت و صورت کی بیہودگیاں چال اور ڈھال کی خرمستیاں۔ ٹیڈی بوائز کی ٹیڈی گرلز کا فتور اور نت نئے فیشنوں کا ظہور یہ سب فتنے اسی یورپ کی دی ہوئی مادر پدر آزادی کے دلدادہ افراد نہیں چاہتے کہ ان کی راہ میں کوئی روڑہ اٹکائے اور ان کے عیش و عشرت میں کوئی مخل بن کر سامنے آئے۔

دین و مذہب ایسی ہی مادر پدر آزادی سے روکتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ انسان، انسان ہو کر حیوان بن جائے اور چونکہ دین و مذہب انسان کو اس طرح بدلگام دیکھنے کا روادار نہیں اور وہ انسان کو اپنی حدود کے اندر رکھ کر اس کی انسانی عظمت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اس لیئے "آزاد" افراد دین و مذہب کے دشمن ہیں اور وہ اس کے نام سے بھی بیزار ہیں۔ مگر چونکہ دین و مذہب کوئی مجسم چیز تو ہے نہیں کہ یہ لوگ اُسے دیکھ کر اس کا دہن گلا دبادیں۔ اس لیے وہ ہر اس شخص کو جو دین و مذہب کا حامل نظر آئے ترچھی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ "ملا" نام رکھ کر جو منہ میں آئے کہنے لگتے ہیں۔ کہ یہ فتوے لگاتا ہے۔ رجعت پسند ہے اور تنگ نظر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حاجی حق حق نے خوب کہا ہے کہ ؎

کچھ ایسا دور آیا ہے یہ غفلت اور مستی کا — اُڑایا جا رہا ہے اب مذاق احکام شرعی کا
نہ کیوں بے دین کو اسلام سے خارج کرے ملّا
اتارے بے ٹکٹ کو ریل سے ہے فرض ٹی ٹی کا

ہاں صاحب! خداوند تعالیٰ نے شیطان کو کافر قرار دے دیا اور پھر

اس سے دریافت فرمایا:۔

مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ؕ

"کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا۔"

شیطانِ لعین نے اس کا جواب یہ دیا کہ:۔

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ۔

"میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔"

دیکھیئے بے ایمان نے کیا کہہ دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہتر کہنے لگا اور دلیل یہ دی کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں اور آدم علیہ السلام مٹی سے۔ گویا اس نے یہ کہا کہ آگ جب جلتی ہے تو اس کے شعلے اُوپر اُٹھتے ہیں اور مٹی ہمیشہ نیچے کو آتی ہے تو جو اُوپر اُٹھنے والی چیز ہے اُسے نیچے گرنے والی چیز کے آگے جھکایا جانا انصاف نہیں۔ بے دین نے وہاں فلسفہ چھانٹنا شروع کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کہنا شروع کر دیا۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ تو حضرت آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو شیطان نے جواب دیا۔

لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ۔ (پ ۱۴ ع ۳) مجھے زیبا نہیں "کہ بشر کو سجدہ کروں۔ جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔"

دیکھیئے ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہاں حقارت کے ساتھ بشر کہا اور مٹی سے بنا ہوا قرار دے کر اپنے آپ کو ان سے بہتر قرار دیا۔

بھائیو! شیطان کی شیطانی دیکھو۔ کہ اللہ کے خلیفہ و پیغمبر علیہ السلام کو بشر اور مٹی سے بنا ہوا کہہ رہا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گرد و دید ابلیس گفت ایں فرع طیں — چوں فزاید بر من آتش جبیں ،

یعنی ابلیس کو مٹی ہی نظر آئی اور اس نے کہا کہ میں آگ ہوں۔ پھر یہ

یہ مٹی مجھ سے کیسے بڑھ سکتی ہے۔؟

حضرات! شیطان کو ظاہر بینی سے صرف بشریت و مٹی ہی نظر آئی۔ مردود اگر حقیقت بین ہوتا تو اُسے نورِ نبوت نظر آجاتا اور کبھی ایسے لفظ نہ کہتا۔ دوستو! اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو اور اللہ کے محبوبوں کے لیے کبھی ایسے الفاظ نہ کہو۔

فلسفہ

بھائیو! آجکل بعض لوگ اپنے فلسفہ و سائنس پر بڑے نازاں ہیں اور وہ دین و مذہب کو اپنے فلسفہ کے معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں اور بہت سے امور کو وہ اسی بنا پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ ان کا برائے نام فلسفہ اُسے تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ بعض لوگ شیطان کے متعلق بھی یہ کہتے ہیں کہ شیطان اگر آگ سے بنا ہوا ہے تو پھر اُسے اگر جہنم میں ڈالا بھی گیا۔ تو اس کا کیا بگڑ سکتا ہے۔ آگ میں آگ ڈال دی جائے تو آگ کا کیا نقصان؟

ایک مجذوب کا قصہ

حضرات! آپ کو ایک مجذوب کا قصہ سناؤں کسی فلسفی نے ایک مجذوب سے یہی بات دریافت کی کہ سائیں بابا! یہ تو بتاؤ کہ شیطان سُنا ہے کہ آگ سے بنایا گیا ہے۔ پھر اگر اُسے آگ میں ڈال دیا گیا تو اس کا کیا بگڑ سکتا ہے؟ سائیں صاحب نے ایک مٹی کا بڑا سا ڈھیلا اُٹھایا اور اس فلسفی کے سر پر زور سے دے مارا۔ اس فلسفی کا سر پھٹ گیا اور وہ چیخا اور پھر بکنے لگا کہ اچھے فقیر ہو کہ مسئلہ پوچھنے پر سر پھاڑ ڈالا۔ سائیں صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ بولا کہ یہ جواب کیسے ہوا؟ فرمایا جواب ایسے ہوا کہ بتاؤ تم کس چیز سے بنے ہو؟ فلسفی بولا مٹی سے۔ فرمایا اور یہ ڈھیلا جو میں نے تمہارے سر پر مارا ہے یہ کس چیز کا ہے؟ وہ بولا یہ بھی مٹی ہی کا ہے۔ فرمایا تو جواب ہو گیا کہ جیسے مٹی نے مٹی کا سر پھاڑ دیا ہے اور اسے اذیت و تکلیف پہنچائی ہے۔ اسی طرح آگ بھی آگ کو جلائے گی اور تکلیف پہنچائے گی فلسفی نے کہا ہاں مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے۔

بھائیو! دین و مذہب کی ہر بات پر ایمان رکھو۔ وہ بات بظاہر عقل میں آئے یا نہ آئے۔ عقل بے شک بڑی کام کی چیز ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ دین و مذہب کے سربستہ راز بھی ضرور سلجھائے اس کی جہاں تک رسائی ہے یہ وہیں تک کام کرے گی۔ اسے تکلیف مالایطاق نہ دو۔ اور جو اس کی حد سے پرے کی باتیں ہیں۔ ان تک رسائی کے لیے اسے مجبور نہ کرو بلکہ بقول مولانا رومی علیہ الرحمۃ ؎

عقل قربان کن بہ پیشِ مصطفٰے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بلا چوں و چرا ایمان لانے کی عادت ڈالو۔

عقلی گھوڑا

دیکھیئے آپ گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ گھوڑا چٹیل میدان میں تو آپ کو لے کر خوب دوڑے گا۔ مگر کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لیے آپ کو اس گھوڑے سے اترنا پڑے گا اور کسی کمند کے ذریعہ سے اس چوٹی تک رسائی ہو سکے گی اور اگر آپ چوٹی پر بھی گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی چڑھنا چاہیں گے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ گھوڑے کی خیر ہے نہ سوار کی۔ اسی طرح عقلی گھوڑے پر بیٹھ کر آپ دنیوی میدان میں تو دوڑ سکتے ہیں مگر دینی اور اُخروی چوٹیوں تک رسائی کے لیے اس گھوڑے سے اُتر کر یقین و ایمان اور عشق و محبت کی کمند کو تھامنا پڑے گا۔ اور اگر آپ دینی معتقدات اور معجزات و کرامات کی بلندیوں پر بھی اسی عقلی گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے چڑھنا چاہیں گے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ گھوڑے کی بھی اور سوار کی بھی خیر نہیں۔ یقیناً وہ کسی الحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہتر کہا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اب جو خداوند ذوالجلال جلال میں آیا تو فرمایا:۔ فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ۔ (پ ۸ ع ۹) "نکل تو ہے ذلت

والوں میں سے۔"

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (پ۲۳ع۱۴)

"تو مردود ہے اور بیشک قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔"

دیکھیے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنے اور انھیں تحقیر کے ساتھ دیکھنے اور اپنے آپ کو پیغمبر سے بہتر سمجھنے کا ہولناک نتیجہ کیا نکلا کہ شیطان مردود ہو گیا اور قیامت تک کے لیے ملعون ہو گیا۔

لیجیے شیطان کی ساری عبادتیں دھری کی دھری رہ گئیں اور ع

"گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے"

کے مطابق صرف ایک سجدۂ تعظیمی نہ کرنے سے عبودیت کے سارے سجدے بھی اکارت گئے اور پیغمبر کی تحقیر سے شیطان کے گلے میں طوق لعنت پڑ گیا۔ شیطان نے جو دیکھا کہ میں تو مارا گیا اور اب مجھے ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا تو سوچنے لگا کہ اب مجھے ایسی کوشش کرنا چاہیے جس سے جہنم میں میں اکیلا نہ رہوں۔ بلکہ میرے ساتھی بھی کثرت سے بن جائیں تاکہ وہاں اگر رہوں تو رونق سے تو رہوں۔ چنانچہ اس نے خدا سے کہا۔

اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔

مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں

یعنی اے خدا مارا تو میں گیا۔ اب اتنا تو کر کہ مجھے قیامت تک کے لیے زندہ رہنے دینا تاکہ میں اپنے ساتھی بنا لوں۔ خدا نے فرمایا۔ اچھا!

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۔ تجھے مہلت ہے۔

بھائیو! شیطان کو مہلت مل گئی۔ اب وہ گویا چھاتی پر ہاتھ مار کر کہنے لگا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (پ۲۳ع۱۴) (یا اللہ) تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔"

قسم میرے بھائیو! شیطان کے ذرا تیور دیکھنا۔ قسم کھا کر اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا اعلان کر رہا ہے۔ بزرگو! اور دوستو! یہ مردود جب آدم علیہ السلام کے پاس جنت میں پہنچا تھا تو دانۂ گندم کھلانے کے لیے اس نے یہ قسم کھائی تھی۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (پ۸ع۹)

اور اُن (آدم و حوّا علیہما السلام) سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

دیکھیے یہاں خیر خواہی کی قسم کھا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ مگر جو کچھ خیر خواہی اس نے حضرت آدم و حوّا علیہما السلام سے کی سب جانتے ہیں۔ خبیث نے محض دھوکہ دہی کے لیے قسم کھائی تھی وہاں اُس نے خیر نہ گزاری تھی۔ تو ہمارے لیے تو وہ علی الاعلان گمراہ کرنے کے عزم پر قسم کھا رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ

"تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔"

تو غور کر لیجیے کہ ہمارے ساتھ وہ کب خیر گزارنے والا ہے۔

ایک بات اور بھی سمجھ لیجیے کہ شیطان کا یہ پرانا حربہ ہے کہ یہ خیر خواہی کے روپ میں اور قسمیں کھاتا ہوا آتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کے داؤ میں آ جائیں۔ ہم نے اب بھی دیکھا ہے کہ یہ ذکر و فکر کی مجلسوں اور اللہ کے مقبولوں کی محفلوں سے خیر خواہی کے روپ میں آ کر روکتا ہے اور کہتا ہے۔ یہ تمھارا پیسہ فضول خرچ ہو رہا ہے۔ اُسے کسی اور ضروری فنڈ میں خرچ کر دیں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ خدا کی قسم میں تمھارا ہم مذہب ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! یہ سب شیطانی داؤ ہیں۔ اس کے مکر و فریب سے بچو۔

حلوہ میں زہر آئیے آپ کو ایک حکایت سناؤں۔ ایک شخص ایک بوسیدہ

دیوار کے نیچے سو رہا تھا۔ اور دیوار گرنے ہی والی تھی۔ فوراً ایک شخص آیا اور اُس نے سونے والے شخص کو جگا کر ایک طرف کھینچ لیا۔ دیوار گر گئی اور سونے والا بچ گیا۔ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ اُس نے بتایا میں تو شیطان ہوں۔ یہ حیران رہ گیا۔ کہ شیطان اور میری خیر خواہی پوچھنے لگا کہ شیطان ہو کر تو نے یہ میرے ساتھ نیکی کیوں کی؟ شیطان بولا۔ کہ چونکہ یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص دیوار کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید مرتا ہے تو میں نے تمھیں دیوار کے نیچے دب کر مرنے سے اس لیے بچایا ہے تاکہ تم شہید نہ مرو۔ (نزہۃ المجالس صـــــ۱۶۳ ج ۱) دیکھا آپ نے ملعون نے کس طرح حلوہ میں زہر ملا کر دیا۔ گویا اس کی نیکی بھی ہمارے لیے خطرناک ہے۔ بھائیو! یہ ملعون کوئی نیک کام کرنے کو بھی کہے تو سمجھ لو کہ اس میں بھی اس کا کوئی داؤ ہے۔ حتیٰ کہ یہ کلمہ پڑھانے یا نماز پڑھانے کے لیے بھی آئے تو بھی اس کا کوئی داؤ ہی سمجھئے۔ اسی لیے علماء کرام یہ کہتے ہیں کہ کسی بدعقیدہ شخص سے قرآن بھی مت سنو۔ قرآن تو ہمارے لیے واجب التعظیم ہے۔ مگر بدعقیدہ کے منہ سے جو بات نکلے اس سے اجتناب ہی ضروری ہے۔ خالص گھی بڑی اچھی چیز ہے مگر مٹی کے تیل کے پیپے سے اگر خالص گھی بھی نکلے گا۔ تو بدبودار ہی ہوگا۔ اور طبیعت کا یہ فتویٰ ہوگا کہ مت کھاؤ۔ یونہی قرآن پاک بھی کسی بدعقیدہ کے منہ سے نکلے گا تو شریعت کا بھی فتویٰ ہوگا کہ مت سنو۔ میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو!! اپنے ایمان کی حفاظت کرو اور کسی ایسی مجلس کو اختیار نہ کرو جس سے تمھارے ایمان پر حرف آئے۔ ایسی بُری مجلسوں کو اختیار کرنے کا نتیجہ بہت بُرا ہوتا ہے۔

صُحبتِ بد

چنانچہ رُومی علیہ الرحمۃ نے ایک تمثیلی قصہ لکھا ہے کہ ایک چوہا اور ایک مینڈک تھے اور ان دونوں میں بڑی دوستی تھی ایک مرتبہ ان دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک پانی میں رہتا ہے اور دوسرا

بل میں۔ ایک دوسرے کو بُلانے میں دقت ہوتی ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ ایک لمبا سا دھاگہ لے کر اس کا ایک ایک سرا اپنے اپنے پاؤں میں باندھ لیتے ہیں۔ جب ایک کو بُلانا منظور ہو تو وہ دھاگہ کھینچے اور دوسرا اشارہ پاکر نکل آئے۔ چنانچہ چوہا ایک جلاہے کے گھر جاکر لمبا سا دھاگہ لے آیا اور دونوں نے اس کا ایک ایک سرا اپنے اپنے پاؤں سے باندھ لیا اور پھر مینڈک پانی میں اور چوہا بِل میں گھس گیا۔ جب انھوں نے یہ کام پورا کر لیا تو مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ؎ (اُردو منظوم ترجمہ)

دیکھتا تھا ایک کوا سب یہ حال — دل میں بولا خوب ہاتھ آیا یہ مال
کودتا اور پھاندتا آگے بڑھا — تار لے کر چونچ میں اُوپر چڑھا
بِل سے چوہا اور مینڈک جھیل سے — خود بخود آئے کھسٹ تعجیل سے

کوے نے دھاگے کو درمیان سے تھاما اور لے اُڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِدھر مینڈک صاحب ایک طرف لٹک رہے تھے اور اُدھر دوسری طرف چوہے صاحب گویا روسی راکٹ میں سیر کر رہے تھے۔ لوگوں نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا تو ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا ؎

ایک نے پوچھا کہ کیا مینڈک کو یار — زاغ کر سکتا ہے پانی میں شکار
دوسرا بولا نہیں ممکن نہیں — اس کو لے ڈوبا ہے اس کا ہمنشیں

بھائیو! مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے یہ قصہ لکھ کر اس سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ ؎

صحبتِ بد سے رہو تم پُر حذر
سچ ہے یہ صحبت کا ہوتا ہے اثر
نیک کی صحبت تمھیں دے گی جِلا!
صحبتِ بد خاک میں دے گی ملا

بھائیو! بدعقیدگی و بدمذہبی کی اور ساری بُری مجلسوں سے بچو

آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے دنوں جب بھارت اور پاکستان میں انفلوئنزا کا مرض پھیلا تھا تو ڈاکٹروں نے اخبارات میں یہ عام ہدایات شائع کی تھیں کہ

- جس شخص پر اس مرض کا حملہ ہو جائے اس کی بیمار پرسی کے لیے نہ جاؤ۔
- مریض کے قریب نہ جاؤ۔
- اس سے بات کرو تو دور سے اور ناک منہ پر کپڑا رکھ کر کرو۔
- اس کا پس خوردہ نہ کھاؤ۔
- اس کے ساتھ مل کر نہ کھاؤ نہ پیو۔
- اس کے استعمال کردہ کپڑے کو گرم پانی میں ڈال کر دھولو وغیرہ وغیرہ۔

بھائیو! واقعی یہ ہدایات مفید ہدایات تھیں اور ان ہدایات پر جان کی خاطر سب نے عمل کیا۔ اور دیکھ لیجئے کہ کسی نے بھی تو یہ نہیں کہا تھا کہ یہ ہدایات رواداری کے خلاف ہیں اور ڈاکٹروں کی یہ "تنگدلی" ہے۔

بھائیو! اسی طرح اپنے ایمان کی خاطر بھی ہر اُس شخص سے بچو جس پر بدعقیدگی و شیطانی انفلوئنزا کا حملہ ہو چکا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ حق بنیاد اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایسے شخص سے بچاؤ۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اُس مرض کا حملہ ہو جائے۔ اور تمھیں اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ ہاں نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمھارا بیڑا پار ہو جائے۔

اچھے سنگترے

چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ سنیئے۔ آپ اپنے مریدین کے ساتھ شہر میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے سنا کہ ایک سنگترے بیچنے والا آواز دے رہا تھا۔

"اچھے سنگ ترے"

حضرت صاحب نے ایک نعرہ لگایا اور فرمایا یہ دکاندار کیا اچھی اور

معرفت کی بات کہہ رہا ہے۔ سمجھنے والو سمجھو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ سنو! یہ کیا کہہ رہا ہے۔

"اچھے سنگ ترے"

یعنی جو اچھوں کے سنگ ہو گیا وہ تر گیا۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی بھی کیا بات ہے کہ کیا اچھے معنی پیدا فرماتے۔ اِسے کہتے ہیں "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست"۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان کو جب مہلت مل گئی۔ تو اس نے علی الاعلان یوں کہا کہ

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔

یعنی یا اللہ! تیری عزت کی قسم! میں بھی ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں۔"

یعنی آدم علیہ السلام جن کی وجہ سے تو نے مجھے اپنی بارگاہ سے مردود قرار دیا ہے۔ میں بھی اب ان کی اولاد کو گمراہ کروں گا اور تنہا جہنم میں نہ آؤں گا۔ بلکہ بہت سے اپنے ساتھی بنا کر ساتھ لاؤں گا۔ اور اے مولا! میں اپنی ایک شکست ابھی تسلیم کر لیتا ہوں کہ جو تیرے نیک اور مخلص بندے ہیں ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ان اللہ والوں کی۔ کہ شیطان پہلے ہی یہ تسلیم کر رہا ہے کہ ان اللہ والوں پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا۔ میرے بھائیو! ایک عام لوگ بھی ہیں۔ کہ جو شیطان کی نظر میں ایک گیند کی مانند ہیں۔ جسے وہ جس طرف بھی لڑھکائے لڑھک جاتے ہیں اور ایک یہ اللہ والے بھی ہیں کہ ان کے سامنے شیطان اپنی شکست مان رہا ہے۔

ایک ولی کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ انھیں خواب میں شیطان ملا۔ انھوں نے شیطان

سے پوچھا کہ میں تجھ جیسا بننا چاہوں تو مجھے کیا کرنا پڑے گا؟ تُو مجھے شیطان بننے کے موٹے موٹے اصول بتا دے۔ جن پر عمل کرنے سے کوئی تجھ جیسا بننا چاہے تو بن سکے شیطان بڑا خوش ہوا کہ اتنا بڑا ولی میرے جیسا بننا چاہتا ہے، بڑی خوشی سے بولا۔ کہ جناب! میرے جیسا بننے کے لیے کوئی زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ صرف دو باتیں اپنا لینے سے مجھ جیسا بنا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ پس آپ بھی نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔ دوسرے یہ کہ میں نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ پس آپ بھی جھوٹی قسمیں کھانا شروع کر دیں۔ نماز کا چھوڑنا اور جھوٹی قسمیں کھانا۔ یہ دو باتیں اپنا لینے سے ہر شخص مجھ جیسا بن سکتا ہے۔

اس بزرگ نے سن کر فرمایا میں کسی ترکیب سے شیطانی اصولوں کا پتہ لینا چاہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ تو سنو! میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے تمہیں مردود کیا۔ میں نہ کبھی نماز چھوڑوں گا اور نہ ہی کبھی جھوٹی قسم کھاؤں گا اور ہمیشہ ان شیطانی باتوں سے بچتا رہوں گا۔

شیطان نے یہ بات سنی تو گھبرا کر بولا۔ مجھے بھی اُسی خدا کی قسم! جس نے مجھے مردود کیا ہے۔ آئندہ میں کبھی کسی ولی کو نصیحت نہ کروں گا۔ آپ نے تو بڑی ترکیب سے میرا راز معلوم کر لیا۔

سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ شیطان عوام کو تو گمراہ کر سکتا ہے مگر اللہ کے مقبولوں پر اُس کا داؤ نہیں چل سکتا۔ بلکہ اللہ والوں سے وہ خود ہی چت ہو جاتا ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! چونکہ شیطان ان اللہ والوں کے قریب آنے سے ڈرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے عام بندوں کو حکم فرمایا ہے۔ کہ:- كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

یعنی اے میرے بندو! سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

مطلب یہ کہ ان اللہ والوں کے ساتھ ہو جاؤ گے تو شیطان چونکہ ان کے پاس آنے سے ڈرتا ہے۔ اس لیے تم جو ان کے ساتھ ہو جاؤ گے تو تم بھی شیطان کی گرفت سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

میرے بھائیو! دیکھ لو جو لوگ اللہ والوں کے مرید ہیں اور جنہوں نے اللہ والوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ وہ کبھی بدمذہب نہیں ہوتے۔ بدعقیدگی کے شکار وہی ہوتے ہیں جو "بے مرشدے" ہوتے ہیں۔ دعا کیجئے۔ خدا تعالیٰ بے مرشدگی سے محفوظ رکھے۔

رحمان اور شیطان

میرے بھائیو! علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے نزہۃ المجالس میں ایک پُر لطف مکالمہ درج فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے جب شیطان کو مردود کر دیا تو شیطان نے کہا:- لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ "میں ان سب کو گمراہ کروں گا"۔

خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:- لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ "میں ان سب کے گناہ معاف کروں گا"۔

شیطان نے کہا:-

لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ "میں اُن کے آگے پیچھے سے اور اُن کے دائیں بائیں سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا"۔

خدا نے جواب میں فرمایا۔ مردود! تو نے چار سمتیں سنبھال لیں اور دو سمتیں تجھ سے رہ گئیں۔ اوپر کی اور نیچے کی۔ چار سمتیں تمہاری اور دو میرے بندوں کی۔ فَإِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ عَلَىٰ سَبِيلِ الْخُضُوعِ أَوْ وَضَعَ وَجْهَهُ عَلَى الْأَرْضِ عَلَىٰ سَبِيلِ الْخُشُوعِ

اَوْ وَضَعَ وَجْهَهٗ عَلَى الْاَرْضِ عَلٰى سَبِيْلِ الْخُشُوْعِ
غَفَرْتُ لَهٗ ـــــ میرا بندہ جب خضوع کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر
اُٹھائے گا یا خشوع کے ساتھ اپنا منہ سجدہ کے لیے نیچے ڈال دے
گا تو میں اُس کے سب گناہ معاف کر دوں گا۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ رحمت ہے۔ میرے بھائیو! اپنے مولائے کریم جل شانہ
کی رحمت تو دیکھو۔ کہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔

بھائیو! شیطان کو جب تعظیم آدم علیہ السلام نہ کرنے کی پاداش میں مردود کر دیا گیا
تو یہ بہت گھبرایا۔ خدا تعالیٰ سے اُسے لمبی عمر بھی مل گئی۔ اب یہ سوچنے لگا کہ میں
کس صورت سے اولادِ آدم کو گمراہ کروں اور کس سلسلہ کے تحت انھیں اپنا
ساتھی بناؤں۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد اس نے خیال کیا کہ میں جس وجہ سے
مردود ہوا ہوں۔ وہی کام میں اولادِ آدم سے بھی کیوں نہ کراؤں؟ اس نے
سوچا کہ میں نے حضرتِ آدم علیہ السلام کی تعظیم نہیں کی اور اپنے آپ کو ان سے
بہتر قرار دیا اور کہا۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ میں اس سے اچھا ہوں۔ کیوں نہ لوگوں
سے بھی میں یہی بات کہلواؤں۔ پھر اس نے سوچا کہ اللہ کے پیغمبر سے اپنے
آپ کو بہتر قرار دینا یہ میرا ہی حوصلہ تھا اور میری ہی جرأت تھی۔ دوسرے
لوگ ایسا نہ کہہ سکیں گے۔ آخر اُسے یہ بات سوجھی کہ میں لوگوں سے یوں کہوں
گا کہ تم اگر اللہ کے پیغمبروں سے اپنے آپ کو بہتر نہیں کہہ سکتے تو کم از کم
انھیں اپنی مثل تو کہو۔ بہتر نہ سہی۔ یوں کہہ دو۔ کہ پیغمبر بھی ہماری مثل بشر ہیں
یہ بات سوچ کر شیطان خوش ہو گیا اور اس نے اپنا پروگرام یہی تیار کیا کہ
جب بھی اللہ کا کوئی پیغمبر دنیا میں آیا۔ میں اپنے ماننے والوں سے یہی بات
کہلواؤں گا کہ یہ پیغمبر تو ہماری ہی مثل ایک بشر ہے۔ چنانچہ سُنیے:۔

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے تو شیطان
نے اپنے مریدین کفار کو یہی سبق دیا کہ شاباش

میرے شاگردو۔ کہو یہی بات۔ کہ یہ تو ہماری مثل ایک بشر ہی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک
بیان فرماتا ہے کہ:۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا
بَشَرًا مِّثْلَنَا (پ ۱۲ ع ۳) "تو اس (نوح) کی قوم کے سردار جو کافر
ہوئے تھے بولے ہم تو تمھیں اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔"

دیکھ لیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کافروں نے وہی کچھ کہا جو۔ کچھ
شیطان نے سبق دیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے تو شیطان نے پھر اپنے مریدین کفار سے کہا۔ ہاں میرے
پرستارو! ادھر آگے اور وہی جو میں نے پڑھا رکھا ہے۔ چنانچہ کافروں نے حضرت
صالح علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا (پ ۱۹ ع ۱۲) "بولے تم پر جادو ہوا ہے۔ تم تو ہم جیسے بشر ہو۔"

دیکھ لیجئے۔ وہی بات جو شیطان نے پڑھائی تھی۔ انھوں نے بھی کہہ دی۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام تشریف لائے تو شیطان نے یہاں بھی کافروں سے وہی بات
کہلوائی۔ چنانچہ کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا۔

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (پ ۱۹ ع ۱۴)
"تم تو نہیں مگر ہم جیسے بشر اور بیشک ہم تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔"

دیکھا آپ نے یہ بھی وہی سبق ہے یا نہیں۔ جو شیطان نے پڑھایا تھا۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تشریف لائے تو کافروں نے ان سے
بھی وہی کچھ کہا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا۔ (پ۱۸ ع ۳)

"بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو بشروں پر۔"
اسی طرح سورہ یٰسین میں پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (پ۲۲ ع ۱۹) "اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے۔ جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے۔ پھر انھوں نے ان کو جھٹلایا۔ تو ہم نے تیسرے سے زور دیا۔ اب ان سب نے کہا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے بشر۔"

میرے بھائیو! قرآن پاک کا مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ جب بھی کوئی اللہ کا پیغمبر تشریف لایا۔ شیطان نے اپنے مریدین کفار سے یہی کہلوایا ہے اور کافروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو "بَشَرٌ مِّثْلُنَا" کہہ کر ہی خطاب کیا۔ گویا شیطان نے جو اپنی سکیم بنائی تھی۔ اس میں وہ کامیاب ہو گیا اور اپنے مریدین سے یہ کہلوا کر رہا۔ کہ یہ پیغمبر ہم جیسے بشر ہیں۔

حضرات! اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "ہماری مثل بشر" کہنا کہاں تک جائز ہے۔

بشریت عزیزو! انبیاء کرام علیہم السلام کی مطلقاً بشریت کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ یہ نفوس قدسیہ علیہم السلام بے شک لباسِ بشریت میں تشریف لائے۔ مگر یہ مثلیت کا دعوےٰ بڑا ہی خطرناک ہے۔ اگر کہا جائے کہ دیکھو صاحب! دو ہاتھ ہمارے۔ دو ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ دو کان ہمارے، دو ہی حضور علیہ السلام کے۔ دو آنکھیں ہماری دو ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پھر مثلیت ہوئی یا نہ؟ تو ہم گزارش کریں گے کہ اس طرح تو دو ہاتھ ہمارے اور دو ہی فرعون کے بھی تھے۔ دو کان تمھارے اور دو ہی فرعون کے۔ دو آنکھیں تمھاری اور دو ہی فرعون کی بھی تھیں۔ پھر اگر کوئی آپ کو یوں بھی کہے کہ آپ بھی فرعون کی مثل ایک بشر ہیں تو کیا آپ بُرا تو نہ منائیں گے؟ ہمارا خیال ہے کہ یقیناً بُرا منائیں گے۔ تو جناب! جس طرح فرعون کی مثل آپ کو بتانا آپ کی توہین ہے۔ اسی طرح آپ کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا یہ حضور علیہ السلام کی توہین ہے۔

علاوہ ازیں صرف بشر کہنا بھی محل نظر ہے۔ بشر ہونا اور بات ہے اور بشر کہنا اور بات ہے۔ ہر شخص کی والدہ اس کے شوہر کی جورو ہوتی ہے۔ مگر کوئی اپنی ماں کو یوں کہہ کر تو دیکھے۔ کہ اے میرے ابا کی جورو۔ یوں کہے گا تو ماں جوتا لے کر پڑے گی۔ اور کہے گی۔ نالائق! میرے لیے یہی لفظ رہ گیا ہے، تمھارے پاس۔ اور کوئی لفظ یاد نہیں۔ مجھے بلانا ہے تو اماں جان کہو، امی کہو۔ والدہ صاحبہ کہو۔ بلاتشبیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو کیا یہی ایک لفظ رہ گیا ہے۔ ہزاروں لاکھوں اسمائے گرامی ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اللہ کا محبوب کہیے۔ دانائے غیوب کہیے۔ اُمت کا سہارا کہیے۔ اللہ کا پیارا کہیے۔ خاتم المرسلین یا رحمۃ اللعالمین کہیے۔ محبوبِ کبریا کہیے۔ صاحبِ ہر دو سرا کہیے۔ ہزاروں نام ہیں میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بَری!
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے

طوطی مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ

ایک عطار کے پاس ایک طوطی تھا۔ اس میں یہ کمال تھا کہ بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا۔ لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے وہاں ٹھہر جایا کرتے تھے اور عطار کی بکری خوب ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ عطار گھر گیا تو طوطی نے دکان میں اُڑنا شروع کیا اور اس کے اُڑنے سے تیل کی کچھ بوتلوں کو ٹھوکر لگی اور وہ سب ٹوٹ گئیں اور سارا تیل بہہ گیا۔ عطار دکان میں آیا تو یہ ماجرا دیکھ کر سخت غصہ میں بھر گیا اور طوطی کو پیٹنے لگا۔ عطار نے طوطی کے سر پر کچھ ایسا مارا کہ طوطی کے سر کے بال اُڑ گئے اور وہ گنجا ہو گیا۔ پٹنے کے بعد طوطی نے چپ سادھ لی اور میٹھی میٹھی گفتگو کرنا اس نے چھوڑ دی۔ عطار بڑا پچھتایا کہ میں نے ناحق اُسے مارا اور یہ خاموش ہو گیا۔ بڑی کوشش کی مگر طوطی پھر نہیں بولا۔

ایک مرتبہ ایک سائل جو سر سے گنجا تھا عطار کی دکان پر مانگنے کے لیے آیا۔ طوطی نے جو اس گنجے فقیر کو دیکھا۔ تو طوطی بول اُٹھا۔ اُس فقیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"میاں گنجے! کیا تو نے بھی کوئی تیل کی بوتل توڑی ہے؟"

طوطی نے سمجھا کہ جس طرح میں تیل کی بوتل توڑ کر اور پٹ کر گنجا ہوا ہوں اسی طرح یہ فقیر بھی کہیں سے پٹ کر ہی گنجا ہوا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اللہ کے مقبولوں کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس کر لیتے ہیں۔ مولانا نے پھر فرمایا: ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم را درد — شیر آں باشد کہ مرد او را خورد

یعنی پاک لوگوں پر اپنا قیاس مت کرو اور انھیں اپنی مثل مت سمجھو۔ دیکھو شیر اور شیر لکھنے میں تو برابر ہیں مگر پہلا شیر ایک درندہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے اور دوسرا شیر (دودھ) ہے۔ جسے آدمی پی جاتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! اس شیطان نے اپنی کوشش جاری رکھی اور لوگوں کو بہکانا

شروع کیا اور کئی بدنصیب لوگوں کو اس نے اپنا ساتھی بنا بھی لیا۔ بدعقیدگی کے ساتھ ساتھ بدعملی کا درس بھی دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پیچھے لگ کر اس کے جہنم کے ساتھی بن جائیں۔

میرے بزرگو! اور دوستو! یہ جو لوگ آجکل شیطانی راہوں میں بُرے کاموں پر تو بے دریغ روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرنے کے وقت بخیل بن جاتے ہیں۔ یہ سب شیطانی داؤ کے شکار ہیں ایسی طرح آج اکثر لوگ جو نماز نہیں پڑھتے یا نماز پڑھنے پر مذاق اُڑاتے ہیں۔ نہ خود شریعت پر عمل کرتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں۔ ایسے سب لوگ شیطان کے پیروکار ہیں۔ بھائیو! اس مردود سے بچنے کی کوشش کرو۔ خداوند کریم جو اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے وہ نہیں چاہتا کہ ہم شیطان کے چنگل میں پھنس کر اپنی عاقبت خراب کریں۔ اسی لیے وہ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (پ ۲۲)

"بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تم بھی اُسے دشمن سمجھو۔"

کس قدر حماقت و نادانی ہے اُس شخص کی جو اپنے ازلی دشمن کو اپنا دوست سمجھ لے اور اس کا کہا مان کر اپنی عاقبت خراب کرے۔

خدا کی پناہ

میرے بھائیو! آیئے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایک اور عظیم احسان سناؤں۔ شیطان مردود بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اس کے داؤ سے بچنا بھی کارے دارد۔ آج اگر ہم اس کے داؤ سے بچنا بھی چاہیں تو کیسے بچیں۔ جب کہ وہ مردود ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے مگر ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ جتنی طاقت اس کے پاس ہے۔ ہمارے پاس نہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم اس کے سامنے کمزور ہیں اور وہ بہت طاقتور ہے۔ ہم اگر اللہ کے پاس جانا چاہیں۔ اس کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کریں اور نیک بن جانے

کی ٹھان لیں تو یہ راستے میں بیٹھا ہوا جو ہمارا پرانا دشمن شیطان ہے یہ ہماری راہ روک لیتا ہے۔ خدا کے حضور نہیں جانے دیتا۔ اس صورت میں ہم کیا کریں؟

میرے بھائیو! ایک مثال عرض کروں۔ دیکھیے آپ کسی بڑے آدمی سے ملنے کے لیے جائیں اور جب اس کے دروازے پر پہنچ جائیں تو دروازے پر ایک خونخوار کتا بیٹھا نظر آئے جو آپ کو مکان کے اندر داخل ہونے نہیں دیتا تو اس وقت آپ کے لیے اندر جانے کی صرف تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ خود آپ میں اتنی جرأت وہمت ہو کہ آپ اس کتے پر غلبہ حاصل کر کے اندر داخل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ صاحبِ مکان کے کسی دوست کو دیکھیں کہ وہ اندر جا رہا ہے تو آپ اس کے ساتھ ہو لیں۔ صاحبِ مکان کے اس دوست پر چونکہ کتا حملہ نہیں کرے گا۔ اس لیے آپ اگر اس کے ساتھ ہو جائیں گے تو آپ بھی کتے کے حملہ سے بچ جائیں گے۔

تیسرے یہ کہ آپ خود صاحبِ مکان کو آواز دیں۔ کہ چوہدری صاحب! ذرا باہر تشریف لائیے۔ یہ کتا مجھے اندر آنے نہیں دیتا تو آپ کی آواز سن کر چوہدری صاحب خود آپ کی مدد کو نکل آئیں اور اپنے ساتھ آپ کو اندر لے جائیں۔

بلا تشبیہ ہم خدا کے حضور جانا چاہتے ہیں تو یہ راستے میں بیٹھا ہوا کتا یعنی شیطان ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ پہلی صورت کے مطابق تو اولیا کرام کے وجود ہیں جن میں اتنی جرأت وہمت ہے کہ وہ اس خبیث کتے کو مغلوب کر کے بارگاہِ حق میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ـــ یعنی شیطان کو اللہ والوں پر غلبہ حاصل نہیں ہے۔ دوسری صورت کے مطابق ہم عام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ:-

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

یعنی ان اللہ والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ چونکہ ان پر تو شیطان کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اگر تم ان کے ساتھ ہو گئے تو تم بھی اس کے غلبہ سے بچ جاؤ گے۔

اور تیسری صورت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:-

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

یعنی خود اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ کہ الٰہی! اس شیطان مردود سے بچنے کے لیے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ہمیں اس مردود کے غلبہ سے تو خود بچا۔

الغرض میرے بھائیو! یہ شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اس سے بہر حال بچو۔ اب میں بزرگانِ دین کی ایک مختصر سی جامع تقریر سنا کر اپنا وعظ ختم کرتا ہوں۔ بزرگانِ دین لکھتے ہیں کہ شیطان کو جب مردود کر کے زمین پر گرایا گیا تو اس کی تعزیت کے واسطے دنیا اور ہوا (حرص) نے آ کر کہا۔ اے شیطان! غم نہ کر۔ ہم دونوں تمہارے ساتھی ہیں۔ اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ہم تیرے معاون رہیں گے۔ یہ بات سن کر شیطان خوش ہو گیا اور پھر آپس میں تقسیم کار کرنے لگے۔ شیطان نے کہا میں تو ان کو اطاعتِ الٰہی سے روکتا رہوں گا۔ دنیا بولی اور میں ان کے سامنے مزین ہو کے آتی رہوں گی تاکہ وہ میرے ہو کر حلال و حرام کی تمیز نہ کریں۔ ہوا نے کہا اور میں مختلف قسم کی غیر شرعی خواہشات ان کے سامنے لاتی رہوں گی۔ پھر تینوں بولے۔ کہ ہمارے کوئی خلیفے بھی ہونے ضروری ہیں۔ ابلیس نے کہا میرا خلیفہ تکبر ہے۔ دنیا نے کہا میرا خلیفہ حرص ہے۔ ہوا بولی۔ میرا خلیفہ حسد ہے۔ پھر بولے کہ ہمارا لشکر ہونا بھی لازم ہے۔ شیطان بولا۔ میرا لشکر کفار ہیں۔ دنیا بولی۔ خواہشات و لذات میرا

لشکر ہے۔ ہوا بولی۔ عیش و عشرت کے سامان میرا لشکر ہے۔

پھر بولے ہمارے جھنڈے بھی ہونے ضروری ہیں۔ شیطان بولا میرا جھنڈا کفر ہے۔ دنیا بولی غفلت میرا جھنڈا ہے۔ ہوا نے کہا اور گناہ میرا جھنڈا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہ تینوں لشکر اپنے تینوں خلیفوں کے ساتھ مومن کے وجود میں پھیل جاتے ہیں اور مومن کا ایمان لوٹنے کے لیے جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اُدھر بندے کے باطنی میدان میں دل بادشاہ ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر اُٹھتا ہے اور معرفت کے لشکر کو حکم دیتا ہے کہ دل اور تمام اعضاء کی حفاظت کرو اور عقل کو اپنا وزیر اور علم کو سپہ سالار بنا دیتا ہے تو دشمن کے مقابلہ میں مجاہدانِ باطنی اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ — کی بندوق اور اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ — کی تلوار لے کر اور بدن پر وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ — کی زرہ پہن کر سامنے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ کی ڈھال رکھ کر میدان میں آجاتے ہیں۔

الغرض یہ دونوں لشکر لڑائی میں ہیں اور بندے کا سینہ میدانِ جنگ، پھر خدا کی نصرت شامل ہو جائے۔ تو فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ۔ اور اگر عیاذ باللہ حق تعالیٰ سے خذلان نصیب ہوا اور لشکرِ شیطان غالب ہو گیا تو فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ۔ پس ہمیں سب کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے ظاہری و باطنی حالات کی طرف توجہ رکھیں تاکہ حق تعالیٰ نورِ ایمان سلامت رکھ کر اپنے پیاروں اور مقبولوں میں داخل کر کے دنیا سے باایمان اُٹھائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

۳۱

اکتیسواں وعظ

دِل کی صفائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (پ۹ ع۱۲)

(ترجمہ) اور بیشک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کئے بہت جن۔ اور

آدمی۔ وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔ اور وُہ آنکھیں جن سے
دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں،
بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔"

حضرات! آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں "دل کی صفائی" کے عنوان سے آپ کو وعظ سناؤں۔ بھائیو! اِس وعظ کو دِل کے کانوں سے سُننا۔ اِس لیے کہ سر کے کان تو جانوروں کو بھی میسّر ہیں۔ ہاں انسان ہی ایک ایسا اشرف وجود ہے۔ جو دل کے کان بھی رکھتا ہے۔ اِس لیے بھائیو! وعظ سننے کا فائدہ اِسی میں ہے کہ دل کے کانوں سے سُنا جائے اور دل کے کانوں سے سُننے سے مراد کیا ہے؟ یہ بھی سمجھ لیجئے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو سُنا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے اور اگر سُن کر عمل نہ ہو تو گویا کچھ سُنا ہی نہیں۔ دیکھئے اُستاد اپنے شاگرد کو ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے کہ کم بخت! کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سبق یاد کرو۔ مگر تم سنتے ہی نہیں۔ تو کیا اِس سے یہ مراد ہے کہ وہ شاگرد بہرہ ہے اور آواز نہیں سُنتا؟ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ سن کر وہ عمل نہیں کرتا۔ یہیں سے ایک مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ نے جو قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ یعنی آپ ان مردوں کو سُنا نہیں سکتے۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ کافر آپ کی بات سُن کر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اسی لیے کفّار کے حق میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ۔ یعنی یہ کافر گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ واقعی ان کی یہ ظاہری آنکھیں اندھی اور سر کے کان بہرے تھے اور اُن کے منہ میں زبان نہ تھی۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کا راستہ نہیں دیکھتے تھے۔ حق کی بات نہیں سنتے تھے۔ اور حق کی بات نہیں کہتے تھے تو ان کے نہ سننے سے مراد سن کر عمل نہ کرنا ہے۔

سماعِ موتیٰ میرے بزرگو! بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مر جانے کے بعد انسان سنتا نہیں ہے۔ حالانکہ اِس آیت میں

یہ بات مذکور ہی نہیں۔ اوّل تو آیت مذکورہ میں نفی اگر ہے بھی تو اسماع کی نہ کہ سماع کی۔ یعنی اللہ یہ فرما رہا ہے کہ آپ مردوں کو سُنا نہیں سکتے۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ مُردے نہیں سنتے ہیں۔ سُنانے اور سننے میں جو فرق ہے ظاہر ہے تو دعویٰ تو نہ سننے کا ہو اور دلیل نہ سُنانے کی دی جائے۔ تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ یہ کہاں تک درست ہے؟

دوسرے یہ ارشاد کفّار کے حق میں ہے نہ کہ اموات کے لیے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کسی قبرستان میں تشریف فرما ہو کر وعظ فرما رہے تھے؟ جو اللہ نے یوں فرمایا کہ آپ مردوں کو نہیں سُنا سکتے۔ نہیں آپ کا وعظ تو کفّار کے سامنے تھا۔ جو انھوں نے قبول نہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُن مردوں کو آپ نہیں سُنا سکتے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ یہ آیت شریف پوری اس طرح ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ۔ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ۲۰ ع۲)

ارشاد ہوتا ہے کہ "بیشک تمھارے سُنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمھارے سُنائے بہرے پُکار سنیں۔ جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور اندھوں کی گمراہی سے تم ہدایت کرنے والے نہیں۔ تمھارے سنائے تو وہی سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ مسلمان ہیں۔"

دیکھ لیجئے یہ کفّار کے لیے ارشاد ہے یا نہیں؟ "جب پھریں پیٹھ دے کر" یہ جملہ صاف بتا رہا ہے کہ یہاں مراد کفّار ہی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ آخر میں صاف ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمان ہیں انھیں آپ سُنا سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی پُکار اور آپ کا وعظ جنھوں نے سُن کر

قبول کرلیا اور آپ کا وعظ جن کے لیے نافع ہو گیا۔ بس وہی دراصل سننے والے ہیں۔ اور جو پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے والے ہیں اور جنھوں نے آپ کی پکار پر عمل نہ کیا، اور آپ کا وعظ جن کے لیے نافع نہ ہوا۔ انھوں نے گویا آپ کی پکار سنی ہی نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہاں سننے سے مراد یہی سن کر عمل نہ کرنا اور پکار کا غیر نافع ہونا ہے۔ رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نے کفار کو مُردوں سے تشبیہ کیوں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُردے بھی اُس جگہ پہنچ چکے ہیں۔ جو جگہ عمل کی جگہ نہیں۔ آپ اُن سے لاکھ کہیئے کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو تو بیکار ہے۔ اس لیے کہ وہ اس وعظ پر عمل نہیں کریں گے۔ اور آپ کا یہ وعظ اب ان کے لیے نافع نہیں۔ اس لیے کہ دار العمل تو یہ جہان تھا نہ کہ وہ جہان۔ تو نماز کی تلقین عمل کی پکار جیسے ان کے لیے غیر نافع ہے اور وہ سن کر بھی اس پر عمل نہ کریں گے۔ اسی طرح یہ کفار بھی گویا مردے ہیں کہ تلقینِ ایمان و عمل کی پکار سن کر بھی نہ اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ اُس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

یہ ہے اصل مراد قرآن پاک کی۔ مگر یار لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ مردے سنتے ہی نہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے دوست یعنی دفنانے والے جب واپس پلٹتے ہیں۔ تو

اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ۔ (بخاری شریف ص۱۷۸۔ جلد۱)

"وہ میت اُن پلٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔"

کیوں صاحب! فرمایئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ صاحبِ قبر دفنا کر واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہے۔ پھر ہم یہ بات کیسے مان لیں۔ کہ مُردہ سنتا نہیں ہے۔

ہاں تو بھائیو! میرے وعظ کو دل کے کانوں سے سننا۔ سنیئے! خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کیے ہیں۔

جہنّمیوں کی نشانیاں

وہ جہنمی کون ہیں؟ وہ جن کے دل تو ہیں۔ مگر وہ دلوں سے سمجھتے نہیں اور جن کی آنکھیں تو ہیں۔ مگر آنکھوں سے وہ دیکھتے نہیں اور جن کے کان تو ہیں مگر ان سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ غفلت کا شکار ہیں۔" یہ ہیں تین نشانیاں جہنمیوں کی ہدایت کے اسباب بھی تین ہی تھے۔ دل، آنکھ اور کان۔ دل ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ساتھ خدا کی معرفت جو اعلیٰ درجہ کی ہدایت ہے۔ حاصل ہو سکتی ہے اور آنکھوں سے خدا کے مقبول بندوں کے مبارک حالات دیکھ کر، اور کانوں سے وعظ و نصیحت سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو انسانیت ہی سے خارج قرار دے دیا اور فرمایا کہ یہ تو چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

کتے کے پاؤں پر

حضرات! ایک عبرتناک حکایت سنیئے۔ ایک مجذوب بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انھوں نے ایک کتا دیکھا۔ یہ کتے کے پاؤں پر گر پڑے اور اس کے پاؤں چومنے لگے شاعر لکھتا ہے کہ ؎

ایک عاشق سگ کے پاؤں پر گرا ‏ ‏ ‏ چومنے پھر وہ پاؤں اس کے وہ لگا
بولا سگ انسان ہے تو واہ واہ ‏ ‏ ‏ ہے شرافت پر تری قرآں گواہ

شاعر لکھتا ہے کہ کتے نے کہا۔ آپ اشرف المخلوقات انسان ہو کر مجھ جیسی ذلیل مخلوق کتے کے قدموں پر کیوں گر پڑے ہیں؟ ؎

یوں کہنے لگا کہ ہاں انسان ہوں ‏ ‏ ‏ پر تری خصلت پہ میں قربان ہوں

وہ بزرگ کہنے لگے کہ میں اگرچہ انسان ہوں مگر تیری عادت و خصلت پر مرمٹا ہوں اور تجھے اچھا سمجھتا ہوں۔ کتے نے پوچھا۔ وہ کونسی خصلت میری پسند آگئی ہے آپ کو؟ وہ بولے! ؎

ایک لقمہ جس کا کھا لیتا ہے تو! ‏ ‏ ‏ اس کے در پر رات دن رہتا ہے تو!
لیکن افسوس! صد بار افسوس!! کہ ؎

ہیں خدا کا رزق کھا کر عمر بھر　　چھوڑ کر اُس کو پھرو ں ہیں دربدر

اللہ اکبر! کیا بات کہہ گئے مسلمانوں! سوچو! کہ یہ بات ہے نادرست؟ کہ کتے کو جس در سے ایک لقمہ بھی مل جاتے۔ تو پھر وہ اسی در کا ہو جاتا ہے۔ مالک اُسے جھڑکے، مارے، پیٹے مگر وہ ہمیشہ دُم ہی ہلاتا اور لقمہ دینے والوں کے قدموں کو چاٹتا ہے۔ مگر غافل انسان؟ جس مالکِ حقیقی کا عمر بھر رزق کھاتا ہے۔ اس کا منادی مسجد سے آواز دیتا ہے۔ کہ نماز کی طرف آؤ۔ فلاح ونجات کی طرف آؤ۔ مگر غافل انسان پرواہ نہیں کرتا۔ تھیٹروں، کلبوں اور ناچ گھروں میں تو شوق سے جاتا ہے۔ مگر اپنے مالک وخالق کے دروازے پر نہیں آتا۔ کیوں بھائیو! ایسے غافل انسان سے جانور اچھے ہوتے یا نہیں؟

ایک شعر اکبر الہ آبادی نے ایک کتے کو دیکھا جو اپنے آقا کی لاش کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پورا دن گزر گیا مگر کتا اپنے آقا کی لاش کو چھوڑ کر کہیں نہ گیا۔ اکبر کہتے ہیں کہ ؎

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

یعنی اے کتے! دن بھر کے بھوکے ہو اور یہیں پڑے ہو۔ کچھ اپنی غذا کی بھی فکر کرو۔ کہ "غذا بھی ہے کوئی چیز"

کتے کا جواب سُنیے! ؎

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب　　لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

واہ وا! کیسا وفادار جانور ہے۔ کہ وفاداری کو نبھاتے ہوئے کھانا پینا بھی بھول گیا۔ کیوں صاحب! رمضان شریف کے مہینے میں جو غافل آدمی اپنے پیٹ کی خاطر خدا اور رسول کے احکام کو نظرانداز کر کے روزہ توڑے اور بغیر کسی عذر کے محض کھانے پینے کے لیے خدا اور رسول سے بے وفائی کرے۔ اس سے ایک جانور اچھا ہوا یا نہیں؟

آجکل یورپ کی تقلید میں لوگ کتوں کے بڑے شوقین ہیں۔ انھیں پالتے اور چومتے چاٹتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس کی وفاداری سے سبق حاصل نہیں کرتے کہ وہ اپنے مالک کا کس قدر وفادار ہوتا ہے۔

سگ پروری میرے بھائیو! اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ کتا چونکہ وفادار جانور ہے۔ اس لیے اُسے پالنا اور رکھنا جائز ہے۔ بھائیو! کتے میں وفاداری بے شک ہے مگر اس میں ایک بُرائی اتنی بڑی ہے کہ اس کی ساری وفاداریوں پر پانی پھر جاتا ہے اور وہ ہے اس میں قومی ہمدردی کا فقدان۔ یعنی یہ اپنے بھائیوں کا ہمدرد نہیں اور ایک دوسرے کا دشمن ہے۔

ایک مسلمان کے لیے تو شریعت کا ارشاد ہی سب کچھ ہے۔ شریعت نے سگ پروری سے منع فرمایا ہے۔ بس یہی ممانعت ہمارے لیے تو کافی ہے۔ ہمیں کسی فلسفے ولسفے سے کیا غرض؟ مگر آجکل لوگ فلسفے پوچھنے کے بڑے عادی ہیں۔ یہ بات میں نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہی ہے کہ کتے میں چونکہ قومی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لیے اس دشمنِ قوم سے "میل ملاپ" اچھا نہیں۔

لطیفہ کہتے ہیں اکبر بادشاہ کے دربار میں ایک مرتبہ بیربل نے یہ سوال اٹھایا کہ کتا ہندو ہے یا مسلمان؟ ملا دوپیازہ بڑا حاضر دماغ تھا۔ اُس نے کہا کہ دو کتوں کے درمیان روٹی کا ٹکڑا ڈال کر دیکھ لیجئے۔ اگر دونوں مل کر کھالیں تو مسلمان اور اگر الگ الگ لے جائیں تو ہندو۔

ایک پنجابی نظم کہتے ہیں۔ قومی ہمدردی کے فقدان کے علاوہ ایک اور بُرائی بھی ہے کہ یہ مسکینوں اور فقیروں کا بھی دشمن ہے۔ جہاں کہیں مسکین اور فقیر کو دیکھ لیتا ہے۔ اُسے بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

کتے مینوں آکھیا مینوں اپنی گل سمجھا　　آہندے اینتھے ہوئے نے بڑے بڑے اُلیا
اساں بھی ایسے دیس وچ دِتی عمر لنگھا　　اساں نہ اینتھے ویکھیا کوئی ولی آلیا

یعنی مجھ سے ایک کتے نے کہا۔ کہ شاعر صاحب! لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے اولیاء موجود ہیں۔ میں نے بھی اپنی عمر اسی ملک میں گزاری ہے۔ مگر مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔" شاعر لکھتا ہے کہ میں نے اُسے جواب دیا۔ ؎

ٹنگیں پئیوں بھونکوں جے کریں پرہیز   سجے کھبے اولیا تینوں دیاں وکھا

یعنی یہ جو تمہاری بھونکنے اور کاٹنے کی عادت ہے۔ یہ بہت بُری عادت ہے۔ اگر تو بھونکنا اور کاٹنا چھوڑ دے تو میں تجھے دائیں بائیں اللہ کے ولی دکھا سکتا ہوں اور پھر کہا کہ ؎

کتے اُتے فقیر دا منڈھ قدیمی ویر   ویری نوں کیوں ویر یا آن ملن آکیا

یعنی کتے کی فقیر سے عداوت پُرانی ہے۔ جہاں کسی فقیر کو دیکھا تم نے بھونکنا شروع کر دیا جب تم فقیر کے دشمن ہو تو دشمن سے دشمن کیسے مل سکتا ہے؟ یہ نظم میں نے اِس لیے سنائی ہے کہ کتے میں قومی ہمدردی بھی نہیں اور یہ فقیر کا بھی دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کتوں کے شوقین ہیں اور کتے رکھنے کے عادی ہیں۔ وہ کتوں سے تو محبت کرتے ہیں۔ مگر انسانوں سے نفرت۔ کتوں کو تو موٹر کی گدی پر بٹھاتے ہیں اور انسانوں کو پہیوں کے نیچے کچل دیتے ہیں اور فقراء کو بھی دیکھ کر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کوئی فقیر غوث ولی وغیرہ نہیں ہے۔ ہمیں تو کوئی ولی نظر نہیں آتا۔ تو ہم یہی جواب دیں گے کہ جناب آپ اپنی روایتی بدعقیدگی اور گستاخی وبے ادبی چھوڑ دیجئے اور پھر دیکھئے کہ کوئی ولی نظر آتا ہے یا نہیں؟

دل کی صفائی

ہاں تو بھائیو! اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی جو پہلی نشانی بیان فرمائی ہے۔ وہ دل رکھ کر دل کی سمجھ۔ اور معرفت الٰہی سے محروم رہنا ہے۔ جہنم سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ آدمی اپنے دل سے سمجھ بوجھ کا کام لے اور اپنے دل کو صاف ستھرا رکھ کر اِس میں انوارِ الٰہی بھرے۔ یہ دل بنا ہی اس لیے ہے کہ اسے مثل آئینہ سے چمکایا جائے تاکہ اس میں

اللہ کے انوار چمکنے لگیں۔ ایک حدیث قدسی میں وارد ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلٰكِنْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ۔ یعنی میں نہ زمینوں میں اور نہ آسمانوں میں سماتا ہوں۔ ہاں بندۂ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔"

خدا تعالیٰ سمانے سے پاک و منزہ ہے مطلب یہ ہے کہ میرا جلوہ اگر دیکھنا ہو تو کسی مردِ حق کا دل دیکھ لو۔ اِسی قسم کے دل کے متعلق مولانا رومی کا ارشاد ہے کہ:۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است!
از ہزاروں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی کسی مردِ حق کا دل چونکہ مہبطِ انوارِ الٰہی ہے اور خدا کے جلوۂ نور کا مقام ہے۔ اس لیے کسی ایسے مبارک دل کا مل جانا حج اکبر ہے اور ایسا دل کعبہ سے بھی بہتر ہے۔ یہاں دل سے ایسا ہی صاف و نورانی دل مراد ہے۔ جس میں جلوۂ حق نظر آتا ہو۔ سنگ دلوں کا دل مراد نہیں۔ ؎

دل وہ دل ہے جو تری یاد سے معمور رہا
سر وہ سر ہے جو ترے قدموں پہ قربان گیا

بھائیو! آپ نے حدیث قدسی سُنی۔ کہ خدا تعالیٰ بندۂ مومن کے دل میں سماتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی بڑی لاشریک ذات اور اتنے چھوٹے سے دل میں سمانے کو فرمایا جا رہا ہے۔ آیئے آپ کو ایک مثال دے کر اس بات کی حقیقت سمجھاؤں۔

سُورج

سائنس والے بتاتے ہیں کہ یہ سُورج ہماری زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا ہے۔ باوجود اس کے آپ ایک روپیہ کے سائز کا چھوٹا سا آئینہ اس سُورج کے سامنے کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ اتنا بڑا سُورج ایک چھوٹے سے شیشے میں سما جائے گا اور زمین سے بھی بڑا سورج اس چھوٹے سے شیشے میں نظر آنے

لگا ہے۔ برعکس اِس کے کہ آپ ایک بہت بڑے پہاڑ کو دیکھ لیجیے۔ وہ بھی سورج کے سامنے آتا ہے۔ مگر سورج کا جلوہ اس میں نظر نہیں آتا۔ یہ کیوں؟ یہ صرف اِس لیے کہ پہاڑ کے اندر صفائی موجود نہیں۔ پہاڑ میں آئینہ کی سی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ جلوۂ سورج کا مظہر بننے سے رہ گیا۔ اِسی طرح جو سنگدل ہیں وہاں جلوۂ حق کہاں؟ ہاں جن کے دل مثل آئینہ کے صاف ہیں، اُن کے دلوں میں انوارِ الٰہی کے جلوے نظر آتے ہیں۔

صیقل قلب

اور بھائیو! دل کی یہ صفائی حاصل کیسے ہوتی ہے۔ سنیے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۹۱)

یعنے ہر چیز کے لیے ایک صقالہ (صفائی کرنے کا آلہ) ہے۔ اور دلوں کی صفائی کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ والے اللہ کا ذکر کرکرکے اپنے دلوں کو مثل آئینہ کے صاف کر لیتے ہیں۔ پھر ان کے دل اللہ کے انوار کے مہبط و مظہر جلوہ حق بن جاتے ہیں۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے مولانا کے اشعار کا اُردو میں منظوم ترجمہ سنئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

چینیوں اور رومیوں میں ایک بار
بحث تھی ہے کون بڑھ کر دستکار

یعنی ایک مرتبہ چینیوں اور رُومیوں میں باہمی تنازعہ ہوا۔ رُومی کہنے لگے۔ کہ ہم بہترین نقاش ہیں اور چینی بولے۔ کہ تم نہیں بلکہ ہم سب سے بڑھ کر اچھے نقاش ہیں۔

بادشاہ نے ان دونوں فریقوں کو محل کے دو آمنے سامنے کی دیواریں دے دیں اور حکم دیا کہ تم میں سے ایک اس دیوار پر اپنی صنعت کا نمونہ دکھائے اور

دوسرا اُس دیوار پر اپنا شاہکار پیش کرے۔ یہ دونوں دیواریں ان کو دے دی گئیں اور درمیان ایک پردہ لٹکا دیا۔ تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں اور اپنی اپنی جگہ کام کرتے رہیں۔

مولانا فرماتے ہیں :- ؎

رنگ و روغن سینکڑوں گودام سے
چینیوں نے اِک مہینے تک لیے
دل لگا کر کام انھوں نے وہ کیا
بن گئی دیوار نقشہ باغ کا

یعنے چینیوں نے مہینہ بھر میں دیوار پر ایسے ایسے حیران کُن نقش تیار کر دیئے کہ عقل حیران رہ گئی۔ اُدھر رُومی مہینے بھر میں دیوار پر مسالے لگا لگا کر دیوار کو صاف کرتے رہے اور مہینہ بھر میں اُسے کَل کَل کر مثل آئینہ کے چمکا دیا۔ ؎

رُومیوں نے کچھ لیا روغن نہ رنگ!
پر ذرا دیوار پر چھوڑا نہ زنگ!

تاریخ مقررہ پر جب ان دونوں کی صنعت دیکھی گئی تو چینیوں کے نقش و نگار دیکھ کر سب حیران رہ گئے اور درمیان سے پردہ جو ہٹایا تو رُومیوں کی صیقل کردہ دیوار میں سامنے کے سارے نقش و نگار اس میں منعکس نظر آنے لگے۔ بڑھ چڑھ کر بہار دینے لگے۔ بادشاہ نے دیکھا۔ کہ ؎

تھا مرقع چینیوں کا ہُو بہُو!
فرق دونوں میں نہ تھا مقدارِ مُو

مولانا رُومی نتیجہ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

کر حسد کو باہر اپنے سینہ سے! | دل کو کر تُو صاف بُغض و کینہ سے
ذکرِ حق سے قلب کی کر تو جلا! | تاکہ ظاہر اُس سے ہو نورِ خدا

بھائیو! اِن اللہ والوں نے بھی دن رات کی محنتِ ذکر و فکر سے اپنے

اپنے دلوں کو مثل آئینہ کے صاف کرلیا ہے اور اس میں اللہ کا نور بھر لیا ہے اور دنیا جو اللہ والوں کے ان قدموں میں گرتی ہے۔ تو اسی نور کا صدقہ و کرشمہ ہے۔

پیر پرست اور قبر پرست

بھائیو! اس موقعہ پر یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ آج اگر کوئی شخص ہمیں پیر پرست یا قبر پرست کہنے لگے تو یہ اس کی بہت بڑی زیادتی ہے۔ دیکھئے رات کو گیس پر پروانہ آکر گرتا ہے۔ اس کے گرد گھومتا ہے۔ اس کی بلائیں لیتا ہے تو انصاف سے کہیئے کہ کیا وہ پروانہ گیس پرست ہے؟ اگر آپ کہیں کہ ہاں وہ گیس پرست ہے تو ہم کہیں گے کہ دن کے وقت بھی تو وہی گیس ہوتا ہے۔ پھر وہ دن کے وقت اس گیس کے پاس کیوں نہیں آتا؟ — کیوں صاحب بتائیے! کہ یہ کیا بات ہے؟ یہی ہے نا! کہ وہ پروانہ دراصل گیس کا عاشق نہیں بلکہ وہ اس نور کا عاشق ہے جو گیس کے اندر اسے نظر آتا ہے۔ چونکہ وہ نور اس گیس میں رات کو تو ہوتا ہے۔ دن کو نہیں ہوتا اس لیے پروانہ رات کو تو گیس کے گرد چکر کاٹنے لگتا ہے اور دن کو وہ نور نہ پاکر اس کے پاس نہیں آتا۔ تو بھائیو! ہم بھی کسی پیر کے دیوانے کب ہیں؟ ہم تو اس نور کے عاشق ہیں جو کسی مردِ حق کے دل میں نظر آتا ہے۔ اگر پیر ہی کے دیوانے ہوتے۔ تو کئی ایسے لوگ بھی تو ہیں۔ جو پیر کہلاتے ہیں۔ مگر ہم ان کے نزدیک جانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ ہم کسی قبر کے عاشق کب ہیں؟ ہم تو اسی نور کے عاشق ہیں جس کا کسی اللہ کے مقبول کی قبر سے جلوہ نظر آتا ہے۔ لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کا مزار شریف بھی۔ مگر دیکھ لیجئے جہانگیر کے مقبرہ پر کوئی نہیں جاتا۔ جو جاتا بھی ہے تو محض سیر و تفریح کے لیے۔ اور عمارت دیکھنے کے شوق میں جاتا ہے۔ مگر حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پُر انوار پر ہر روز عشاق کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ تو ہم اگر قبر پرست

ہوتے تو جہانگیر کے مقبرہ پر جو بظاہر دیدہ زیب بھی ہے۔ پہلے جاتے۔ مگر نہیں عشاق کے لیے تو کشش داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار شریف میں ہے۔ اور وہ کشاں کشاں وہیں پہنچتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہم نہ پیر پرست ہیں اور نہ قبر پرست۔ بلکہ اسی نورِ حق کے ہم شیدائی ہیں۔ جس کا جلوہ نورِ حق کے قلوب اور ان کی قبور سے نظر آتا ہے۔ ؎

کافر ہو جو سجدہ کرے بُت خانہ سمجھ کر
سر رکھ دیا ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

بھائیو! کئی دوسروں کی بھی تو قبریں ہیں۔ جہاں جانے کا کوئی نام بھی تو نہیں لیتا۔ اور وہاں کوئی جائے بھی کیوں؟ جائے تو کوئی جب، جبکہ وہاں کوئی روشنی بھی ہو۔ اور جہاں اندر باہر اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس اندھیرے میں پروانے کا کیا کام؟ پروانہ تو روشنی کا عاشق ہے۔ داتا صاحب یا دیگر بزرگانِ دین کے مزارات انوارِ حق سے منور ہوتے ہیں۔ اس لیے لوگ پروانہ وار وہاں گرتے ہیں۔ پروانوں کو لاکھ ہٹائیے۔ شمع سے دُور کیجئے مگر وہ بار بار گھوم گھوم کر بھی وہیں گرتے ہیں۔ ہمیں ان اللہ والوں سے کون دُور رکھ سکتا ہے؟ ہمیں ان نورانی آستانوں میں جلوۂ نورِ خدا نظر آتا ہے اور اللہ کی مہربانی سے ہمیں یہاں سب کچھ ملتا ہے۔ ؎

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ
یہ اللہ والے ہیں دیتے ہیں سب کچھ
مگر چاہیئے ان سے لینے کا ڈھب کچھ

لطیفہ

کہتے ہیں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پُر انوار پر ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ اے داتا! دس روپے دیدے داتا! دس روپے درکار ہیں۔ لے کر ہی جاؤں گا۔ بس یہی رٹ لگاتے جا رہا

تھا کہ "کوئی صاحب" اتفاقاً وہاں سے گزرے اور کہنے لگے، نادان! داتا داتا مت کہو۔ اور ان سے مت مانگ یہ جائز نہیں۔ اس شخص نے اس بات کی پرواہ کی، اور اپنا سوال جاری رکھا۔ "وہی صاحب" پیچ وتاب کھانے لگے اور دل میں کہنے لگے کہ چاہے میرے پیسے ہی خرچ کیوں نہ ہوں۔ میں اس سے یہ "مشرکانہ" حرکت چھڑا کے ہی دم لوں گا۔ چنانچہ "ان صاحب" نے اپنی جیب سے دس کا نوٹ نکالا۔ اور کہا۔ لو بھئی! یہ دس روپے مجھ سے لے لو۔ مگر "داتا سے نہ مانگو یہ کیا دیں گے"۔ اس شخص نے دس کا نوٹ لیا اور زور سے ایک نعرہ لگایا۔

"داتا! تیرے صدقے! دلائے بھی تو کس موذی سے"۔

یہ کہا اور چل دیا اور "وہ صاحب" حیران کھڑے رہ گئے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اللہ کا ذکر صیقلِ قلب ہے۔ خدا کی یاد سے دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی یاد سے غافل ہوجانے سے نہ یہ کہ دل زنگ آلود ہوجاتا ہے بلکہ اپنی غذا نہ پانے سے دل مر ہی جاتا ہے اور بھائیو! جس کا دل مرگیا۔ پھر اس کا رہا ہی کیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کا نفس مرجائے تو خلق کی نظر اس سے اٹھ جاتی ہے اور جس کا دل مرجائے خالق کی نظر اس سے اٹھ جاتی ہے۔ نفس مرجائے تو رشتہ دار اور ہمسائے روتے ہیں اور دل مر جائے تو اس پر فرشتے روتے ہیں۔ نفس مرجائے تو اس سے اس کے دوست جدا ہوجاتے ہیں اور دل مرجائے تو وہ قربِ خدا سے دور ہوجاتا ہے۔

بھائیو! جن کے دل زندہ ہیں۔ وہ یقین جانیئے کہ مر کر بھی نہیں مرتے۔ اور جن کے دل مُردہ ہیں۔ وہ زندہ رہ کر بھی مُردہ ہی ہیں۔ ؎

جس کا دل زندہ ہو وہ مرتا نہیں! موت کے آنے سے وہ ڈرتا نہیں
مُردہ دل کو موت کا رہتا ہے ڈر نام کا زندہ ہے، مُردہ ہے مگر

بھائیو! یہ دل کی باتیں اہلِ دل ہی جان سکتے ہیں اور جو ہوں ہی مُردہ دل اور ناآشنائے دردِ دل انھیں ان باتوں کی کیا خبر؟ ؎

دردِ دل کو جانتا ہے وہ جو اہلِ درد ہو!
جس کے دل میں سوز ہو اور لب پہ آہِ سرد ہو
اور جو ہے محروم کیا جانے وہ سرِّ عشق کو
جانے وہ جو رند ہو یا وہ قلندر مرد ہو

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرات! بزرگوں نے لکھا ہے کہ اہلِ باطن اور صاحبانِ صفائی کے سردار انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دل کی صفائی رکھنے والے حضرات جس قدر ہوئے یا قیامت تک ہوں گے۔ سب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں۔ اس لیے کہ آپ کا دل ایک ایسا صاف اور چمکتا ہوا آئینہ تھا جس میں خدا اور رسول کی محبت کی چمک کے سوا دنیا کی معمولی سی بھی کوئی آلائش نہ تھی اسی لیے ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اپنے گھر کا سارا سامان راہِ خدا میں خرچ کرنے کی خاطر حاضر کر دیا تھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر میں اپنے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول۔ اقبال نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو یوں منظوم کیا ہے کہ ؎

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

میرے بزرگو! صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان ہے اور ان کی محبت بھی اسی دل میں ہوگی جو صاف اور ستھرا ہوگا اور جس دل میں صدیق اکبر کی محبت نہیں سمجھ لیجئے کہ وہ دل بغض وکینہ کی میل سے ملوث ہے اور یقیناً ایسا دل نہ صرف یہ کہ صدیق کی محبت سے خالی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے انوارِ محبت سے بھی محروم ہے۔

قساوتِ قلب

بھائیو! جو دل سمجھ بوجھ سے عاری اور خدا تعالیٰ کی یاد اور

اس کے خوف سے خالی ہے۔ وہ دل نہیں، سل ہے۔ پتھر ہے بلکہ پتھر سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اپنے ان ناعاقبت اندیش اور غافل بندوں کو جنھوں نے اپنے دلوں سے صحیح کام نہیں لیا اور فکرِ عاقبت کو دل سے نکال کر دن رات گناہوں میں زندگی گزاری ہے۔ مخاطب فرما کر فرماتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

یعنے اے غافلو! میں نے تمھارے سامنے دوزخ اور اس کا عذاب کھول کھول کر قرآن میں بیان کر دیا۔ پہلے لوگوں پر جو ان پر میری بے فرمانی کے باعث عذاب نازل ہوئے۔ ان کا بھی ذکر کر دیا۔ مگر تمھارے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور بجائے نرم ہونے کے تمھارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ تخویف و ترہیب کی آگ بھی اثر نہیں کرتی بلکہ پتھر تو پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر قبول کر لیتے ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے بڑے بڑے چشمے اور نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض میں سے پانی رِس کر بہتا ہے اور بعض اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں اور تمھارے دل ایسے سخت ہیں کہ کسی طرح اثر ہی قبول نہیں کرتے۔ تو تمھارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

"یعنی برائیوں میں انہماک اور نیکیوں سے فرار کے باعث ان کے دلوں پر زنگ لگ بیٹھ گیا ہے" اور وہ صاف نہیں رہے اور جو دل صاف نہ ہو۔ اُس کا مقام کیا ہے؟ فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

"یعنی اللہ کی یاد سے غافل سخت دلوں کے لیے ویل کا عذاب ہے"

میرے بھائیو! خدا کے عذاب سے پناہ مانگو اور اپنے دلوں کو اس قساوت سے محفوظ رکھو۔ اور یادِ حق سے دلوں کو نرم اور صاف کر لو۔

چار مذموم صفتیں

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انسان کے وجود میں تمام برائیوں کی اصل چار صفتیں ہیں۔ جب تک اُن کو دور نہ کیا جائے انسان نیک نہیں بن سکتا۔

پہلی صفت ہے۔ صفاتِ ربوبیت کی خواہش

دوسری۔ صفاتِ شیطانیہ کا وجود

تیسری۔ صفاتِ بہیمیہ یعنی چوپاؤں کی صفتوں کا وجود

چوتھی۔ صفاتِ سبعیہ کا یعنی درندوں کی صفتوں کا وجود۔

تکبر و فخر اور اپنی مدح و ثنا کا چاہنا اور عزت و عناد اور ہمیشہ جیتے رہنے کی تمنا اور یہ چاہنا کہ سب لوگ میری ہی عزت کریں اور میں سب سے اُونچا رہوں۔ حتیٰ کہ خدا کہلانے کی بھی دل میں خواہش رکھنا۔ یہ سب خواہشات صفاتِ ربانیہ کی خواہشات ہیں۔

اور ایک دوسرے کا حسد کرنا، خدا کے حکموں سے نکل کر باغی ہو جانا، مکر و فریب سے کام لینا، لوگوں کو بُرے کام سکھانے اور انھیں فتنہ فساد کی ترغیب دینا، دل میں کھوٹ اور نفاق رکھنا، خدا کے نیک بندوں سے بیر رکھنا اور اُنھیں تکلیف دینے کی ترکیبیں کرنا۔ یہ سب صفاتِ شیطانیہ ہیں۔

اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگے رہنے، حلال و حرام میں کچھ فرق نہ کرنا، چوری کرنا، یتیموں، غریبوں کا مال کھا جانا۔ زنا و لواطت کا ارتکاب کرنا وغیرہ یہ سب چوپاؤں کی صفتیں ہیں۔ اور فوراً دوسرے

پر غصہ جھاڑنا، جنگ و جدال میں رہنا، کسی کو ناحق قتل کر دینا، اور خونریزوں میں رہنا یہ درندوں کی صفتیں ہیں۔

انسان پر سب سے پہلے غلبۂ شہوت کے سبب نفسانی خواہشات زنا، چوری وغیرہ چوپایوں کی صفتیں آکر اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ پھر غصہ و غضب لڑائی اور فساد وغیرہ درندوں کی صفتیں آجاتی ہیں۔ جب چوپایوں اور درندوں کی یہ دونوں قسم کی صفتیں جمع ہوجاتی ہیں تو پھر مکر و فریب اور جھوٹ و نفاق اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی شیطانی صفتیں بھی آجاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر صفاتِ ربانیہ کی خواہشات آداخل ہوتی ہیں اور بندہ اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے کہ بس اب جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ دوسرا کوئی بھی میرا ثانی نہیں۔ بلکہ بسا اوقات دل میں خدا کہلانے کی بھی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ مولانا روم فرمانے لگتے ہیں ؎

نفس ہریک کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون مارا عون نیست

یعنی آج ہمارا بھی یہ نفس فرعون سے کچھ کم تو نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فرعون کے پاس سامان بہت تھا۔ ہمارے پاس اس قدر سامان نہیں ہے ورنہ خدائی دعوے کرنے سے ہم بھی اس سے پیچھے نہ رہتے۔

تکبّر میرے بھائیو! کبر و غرور بہت بُری چیز ہے۔ اس سے اپنے دل کو بچاؤ۔ تکبر صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ اس لیے کہ اس سے کوئی بڑا نہیں۔ تکبر کرنے کا حق اُسی کو ہے۔ جس کے اُوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ اور اس کائنات میں کون ایسا ہے جس کے اُوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات میں بڑے ہیں۔ مگر تکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں فرمایا۔ تو ایک دنیوی عہدہ پاکر اگر کوئی اکڑنے لگے تو فرمایئے اس کی یہ اکڑ "پکڑ" کی مستحق ہے یا نہیں؟ شیطان اسی اکڑ سے

مارا گیا تھا۔ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

یہ بے دین حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہا۔ اسی "بڑائی" نے قیامت تک کے لیے اسے ملعون بنا دیا۔

قبرِ آدم علیہ السلام یہاں مجھے ایک عبرتناک روایت یاد آئی۔ علامہ صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی پر سوار ہونے لگے تو ابلیس بھی آ چمٹا۔ حضرت نوح نے فرمایا۔ تُو کون ہے؟ وہ بولا۔ آپ میرے لیے جنابِ الٰہی میں توبہ کی درخواست کیجیے۔ شاید اللہ تعالےٰ آپ کے وسیلے سے میری توبہ قبول کرلے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا میں خدا تعالیٰ سے تمہارے لیے عرض کرتا ہوں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے عرض کی تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اے نوح! اس ملعون سے ہماری ناراضگی تو اسی باعث ہوئی ہے، کہ اس نے ہمارے پیغمبر آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اب یہ معافی چاہتا ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اب بھی وہ آدم علیہ السلام کی قبر پر چلا جائے اور قبرِ آدم کو سجدہ کرلے تو ہم راضی ہوجائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ابلیس سے کہا۔ لو خوش ہوجاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرما لینے کا وعدہ فرما لیا ہے مگر یہ شرط رکھی ہے کہ تم ایک بار قبرِ آدم پر جاکر آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر لو۔ پھر خدا راضی ہی راضی ہے۔

مسلمانو! سُنا ذرا ابلیس ملعون نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگا۔ نہیں صاحب! یہ تو نہیں ہوسکتا۔ میں نے جسے جیتے جی سجدہ نہیں کیا۔ اب اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر کو سجدہ کروں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ پیغمبر ہو یا اس کی قبر۔ میں مردود و ملعون ہی سہی۔ مگر یہ بات نہ ہوگی۔ (نزہۃ المجالس باب ذم الکبر ص۱۷۲ ج۱)

دیکھا آپ نے ملعون کی اکڑ کو۔ رسّی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ اس وقت حضرت

آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد اب ان کی قبر پر جانے کو بھی اپنے خیال میں شاید شرک سمجھ رہا تھا۔ ملعون تکبر و غرور اور انانیت کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ہو گیا۔

ایک اور روایت علامہ صفوی علیہ الرحمۃ نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے کہ نسفی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ خدا تعالیٰ ابلیس کو دوزخ میں رکھنے کے بعد پھر دوزخ سے نکالے گا اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر تشریف لانے کا حکم دے گا۔ اور پھر ابلیس سے فرمائے گا کہ اے ابلیس! دیکھ یہ وہی آدم ہیں جن کے سبب میں نے تجھے دوزخ میں ڈالا ہے۔ اگر تو انھیں اب بھی سجدہ کر لے تو میں تجھے دوزخ سے نکال دوں گا۔ وہ مردود جواب دے گا کہ "جب میں اوّل میں ان کے آگے نہ جھکا تھا تو اب آخر میں اس کے آگے جھک جاؤں؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا" (صفہ۲۷ ج ۱)

دیکھا آپ نے ابلیس کی ضد کو؟ کہ عذاب میں مبتلا رہنا منظور ہے۔ مگر اللہ کے پیغمبر کے آگے جھک جانا یہ منظور نہیں۔ توبہ توبہ! خدا تعالیٰ بزرگوں کی اہانت اور اس تکبر و انانیت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بزرگوں نے ایک بڑی مفید اور حقیقت آمیز بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندہ اگر شہوت کی بدولت معصیتِ الٰہی میں گرفتار ہو جائے تو اس کی توبہ کی قبولیت کی اُمید ہو سکتی ہے اور اگر کبر و نخوت کی بدولت معصیتِ الٰہی سرزد ہو تو پھر توبہ کی قبولیت کی اُمید نہیں۔ چنانچہ شیطان سے جو معصیت سرزد ہوئی تھی۔ وہ شہوت کے باعث نہیں۔ بلکہ کبر و نخوت کے باعث ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو نہ توبہ کی توفیق ہوتی نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ ہاں تو بھائیو! اس تکبر و غرور سے بچو۔ اکڑ باعث "پکڑ" ہے۔ ابلیس کے علاوہ شداد، ہامان، فرعون و نمرود وغیرہم جملہ متکبرین اسی اکڑ کے باعث مارے گئے۔ بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اگر تمھیں اپنی مہربانی سے تمھیں مال و دولت اور عظمت عطا فرمائی ہے تو تم اپنے دلوں میں اس کے لیے جذبۂ شکر پیدا کرو اور اپنی چال، ڈھال اور روش میں تواضع اختیار کرو اور

جملہ علاماتِ کبر و رعونت سے بچو۔ بعض لوگ اچھے قیمتی کپڑے بھی پہن لیں تو ان کی چال ہی اور ہو جاتی ہے اور بعض لوگ سینہ تان کر یوں تن کر نکلتے ہیں اور چلتے ہیں۔ جیسے یہ زمین کو پھاڑ ڈالیں گے۔ قرآن کا ارشاد ہے:۔

لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ یعنی زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چلو۔"

مگر یہاں تو یہ صورت ہے جیسے "لکہ کبوتر آ رہا ہو۔"

لطیفہ ایک صاحب جب بھی گھر سے نکلتے تو سینہ تان کر اور تن کر نکلتے۔ اور اپنے آپ کو خدا جانے کیا سمجھتے۔ ایک مجذوب صفت انسان نے ایک مرتبہ انھیں صفتِ بد سے بچانے کے لیے یہ کام کیا کہ ایک روز وہ متکبر صاحب جب گھر سے نکلے تو یہ مجذوب اس کی راہ میں سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ ادھر متکبر آدمی اکڑا ہوا آ رہا تھا اور ادھر یہ اسی کی مانند اکڑے ہوئے راستے میں کھڑے تھے۔ وہ متکبر آدمی جوں جوں ان کے قریب آتا گیا یہ اور بھی زیادہ اکڑتے گئے اور اپنی چھاتی کو باہر نکالتے گئے۔ حتٰی کہ جب وہ متکبر سینہ تانے ان کے قریب پہنچا تو یہ صاحب اتنا اکڑے کہ اکڑتے ہوئے ایکدم پیچھے کو دھڑام نیچے فرش پر گر گئے۔ اس متکبر آدمی نے پوچھا سائیں جی! یہ کیا ہوا آپ کو؟ تو وہ بولے بھئی! میں تمھیں ہر روز اس طرح اکڑتے ہوئے دیکھتا تھا تو سوچا یہ کوئی اچھی بات ہی ہے جو تم روز کرتے ہو۔ لو آج میں بھی اکڑ کر دیکھ لوں۔ مگر تعجب ہے اس اکڑ نے مجھے گردن سے پکڑا اور مروڑ کر نیچے پٹک دیا ہے۔ اب دیکھیں تمھاری باری کب آتی ہے اور تجھے کب یہ نیچے پٹکتی ہے۔ وہ آدمی سمجھ گیا کہ اس نے اس اکڑ کے ہولناک نتیجے سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ اس نے توبہ کر کے تواضع اختیار کر لی۔

آنکھ اور کان ہاں تو بھائیو! دل کی صفائی بڑی ضروری چیز ہے اور یاد رکھیے کہ جب دل کی صفائی حاصل ہو گئی تو دیگر اعضاء بھی جو اسی کے تابع ہیں، درست ہو جائیں گے۔ دل کی مثال ایک حوض کی سمجھئے اور آنکھ کان وغیرہ اس حوض کی ٹونٹیاں۔ اس حوض میں اگر پانی صاف ہے تو جو ٹونٹی بھی کھولیے گا

اس سے پانی صاف ہی نکلے گا اور اگر حوض کا پانی ہی گندہ ہے تو پھر ہر ٹونٹی بھی گندہ ہی پانی دے گی۔ دل سے اگر آپ سمجھ بوجھ کا کام لیں گے اور عرفانِ حق کو اسی میں جگہ دینگے تو پھر آنکھیں بھی غیر شرعی چیزوں سے بند ہو جائیں گی اور کان بھی غیر شرعی چیزوں سے بند ہو جائیں گے اور آنکھیں جائز چیزوں کو دیکھیں گی اور کان کلماتِ حق سنیں گے۔ میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے جہنمیوں کی جو نشانیاں بیان کی ہیں ان سے بچو اور جہنم کی آگ جو بڑی ہولناک ہے۔ اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

آجکل کی ترقی میرے بھائیو! آجکل دل و دماغ اور آنکھ کان وغیرہ کو دنیا اور صرف دنیا کے حصول کی خاطر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اخروی زندگی اور عاقبت کی خاطر ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا بُری ہے اور اس کا حصول اچھا نہیں میرا مطلب ہے کہ یہ دل جو مقامِ حق تھا، اسے دنیوی کباڑ خانہ بنا دینا اور دنیا ہی کی محبت سے بھر دینا اور اپنے جملہ اعضاء کو دنیا کی خاطر غیر شرعی حرکات میں لگا دینا یہ اچھی بات نہیں۔ آجکل کی ترقی نام ہے کھانے پینے کی جائز و ناجائز کوشش کرنے کا۔ عاقبت بگڑے نہ بگڑے اس کا کچھ خیال نہیں۔ بس کھانے پینے کی ترکیبوں کا نام ہے ترقی۔ بھائیو! اگر ترقی اسی کا نام ہے تو پھر سب جانور بھی ترقی یافتہ ہیں۔ اس لیے کہ کھانے پینے کی ترکیبیں کسے نہیں آتیں۔ کسی شاعر نے ایسی ہی "ترقی آموز" ایک سکول کے خوشہ چینوں سے کہا ہے۔ کہ ؎

اَیُّهَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَه   کُلَّمَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَه

یہ ترقی برائے نام ترقی ہے اور محض وہم و وسوسہ ہے۔ بھائیو! کچھ ہوش کرو اور اس دنیا میں دل لگا کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دائرہ شریعت میں رہ کر آپ دنیا سے متمتع ضرور ہوں مگر خدارا عاقبت کو مت بھولیں اور اپنے دل و دماغ اور دیگر اعضاء کو تابع شریعت بنائیں۔

دُنیا کی حقیقت ایک شاعر نے اپنی ایک رُباعی میں اِس دُنیا کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

حالِ دُنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ!   گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ
باز گفتم حالِ آنکس گو کہ دل در وے ببست   گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانۂ

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

۳۲ بتیسواں وعظ

اِسلام کامِل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (پ۲ ع۹)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "اِسلام کامِل" یعنی پورا اسلام۔ خدا تعالیٰ نے اِس آیتِ کریمہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے ارشاد فرمایا

ہے۔ کہ مسلمانو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہوجاؤ۔ یعنی یہ نہیں کہ کوئی بات اسلام کی لے لی اور کوئی دوسرے کسی اور دین کی اور دعویٰ یہ بھی رکھا کہ میں مسلمان ہوں۔ مسلمان بننا ہے تو سو فیصدی مسلمان بنو۔ پہلے اس آیت شریفہ کا شانِ نزول سنیئے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی ومقدس چہرہ دیکھا تو یہ کہہ کر کہ یہ پیارا منہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بن گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام نے بعض باتیں دینِ موسوی کی اپنائے رکھیں۔ شریعتِ موسوی میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ اسلام میں بھی اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں۔ کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ تو میں کیوں نہ ان باتوں پر بھی عمل کرتا رہوں یعنی اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں اور دودھ بھی پیئوں تاکہ شریعتِ موسوی پر بھی عمل ہوتا رہے اور اسلام کی بھی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ اونٹ کے گوشت ودودھ سے پرہیز رکھتے رہے (دیکھئے تفسیر خازن اور دیگر کتب سیر بحوالہ تفسیر خزائن العرفان ص۵۴) اب پر یہ آیت اتری اور خدا نے فرمایا۔ کہ اے ایمان والو! مسلمان بننا ہے تو پورے پورے مسلمان بنو۔ یہ کیا کہ ادھر بھی اور ادھر بھی۔ کچھ باتیں اسلام کی لے لیں اور کسی دوسرے دین کی۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمان بنتے ہو تو اونٹ کا گوشت اور دودھ اگر اس خیال سے نہیں کھاتے پیتے کہ دینِ موسوی میں حرام تھا۔ تو یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ مسلمان بن کر ان سے اجتناب کیوں؟ اونٹ کا گوشت بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیئو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو یہ شیطان کی اتباع ہوگی۔

بھائیو! اس سے ایک مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ اسلام میں اگر کوئی چیز محض مباح اور جائز ہو اور اس کا استعمال کوئی ضروری نہ ہو تو اگر کوئی شخص کسی دوسرے

مسلک کا لحاظ کرکے اس سے بچنے لگے تو اب اس پر اس چیز کا استعمال ضروری ہوجائے گا اور ہم اسے وہ چیز ضرور کھلائیں گے تاکہ یا تو وہ پورے طور پر ادھر ہوجائے یا پھر صاف ادھر ہوجائے۔

گیارہویں شریف کے چاول اور شبِ قدر حلوہ

مثلاً گیارہویں شریف کا کرنا کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔ ہاں مستحسن وجائز ہے اور ایصال ثواب و وعظ وتبلیغ کے باعث کارِ خیر اور موجبِ ثواب ہے۔ کوئی کرے یا نہ کرے۔ کرے تو ثواب ہے نہ کرے تو گناہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس سے اس لیے اجتناب کرے کہ فلاں مسلک میں یہ ناجائز وحرام ہے اور ہمارے مسلک میں بھی یہ کوئی ضروری تو ہے نہیں تو کیوں نہ میں اس سے اجتناب ہی کرلوں۔ تاکہ فلاں مسلک پر بھی عمل ہوتا رہے اور اپنی سنیت میں بھی فرق نہ آئے تو ایسے شخص پر گیارہویں شریف کا کرنا اور اس میں شامل ہونا ضروری ہے اور اسے زور سے کہا جائے گا کہ وہ گیارہویں شریف کر اپنائے خود پکائے کھائے اور کھلائے۔ اسی طرح شبِ قدر کا حلوہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ کوئی پکائے یا نہ پکائے۔ کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس سے اس لیے پرہیز کرے کہ فلاں مذہب میں یہ بدعت ہے تو ایسے شخص کو زور سے بھی یہ حلوہ کھلایا جائے گا تاکہ اس کا کام ودہن میٹھا رہے، دل ودماغ تر ہو اور خشکی دور ہو۔

بدعت

میرے بھائیو! آجکل جہاں کئی اور من گھڑت مسئلے نکل آئے ہیں وہاں ایک ہر کارِ خیر کو بدعت قرار دینے کا مسئلہ بھی عام ہے۔ کوئی نیک کام کیجئے جھٹ بدعت کا فتویٰ سن لیجئے۔ مثلاً یہی گیارہویں شریف کی محفل یا ایصال ثواب کے لیے شبِ قدر کو حلوہ پکانا۔ بعض حضرات اسے بھی بدعت و حرام قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ اس لیے کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو اسے کوئی دوسرا کیوں حرام کرے؟ خوب یاد رکھیئے

کہ شریعت میں بعض چیزوں کے کرنے کا حکم ہے اور بعض چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ جن کے کرنے کا حکم ہے وہ فرائض و واجبات ہیں اور جن سے بچنے کا حکم ہے۔ وہ حرام و ممنوعات ہیں اور جن باتوں کے نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ ان سے بچنے کا حکم ہے وہ جائز و مباحات ہیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو فرض و واجب کہے تو ہم اس سے دلیل طلب کر سکتے ہیں کہ کہاں لکھا ہے کہ یہ کام کرو۔ اور اسی طرح کوئی شخص کسی کو حرام و منع کہے تو ہم اس سے بھی دلیل طلب کر سکتے ہیں۔ کہ کہاں لکھا ہے کہ یہ کام نہ کرو۔ اور جو شخص کسی کام کو جائز و مباح سمجھ کر کرے اس سے کہنا کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ کام جائز و مباح ہے۔ یہ سوال ہی اصولاً غلط ہے۔ اس لیے کہ دلیل ہمیشہ فرض و واجب یا منع و حرام کی ہوتی ہے جواز و مباح کی دلیل کیسی؟ جواز و مباح کی تو دلیل ہی یہی ہے، کہ اس کام کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ دیکھیے آپ کو ایک مثال دے کر سمجھاؤں۔ ایک مسجد کا کنواں ہے۔ اس سے نمازی وضو کر رہے ہیں اس کا پانی لے جا کر لوگ پی رہے ہیں اور کپڑے دھو رہے ہیں۔ گویا اس کا پانی استعمال ہو رہا ہے۔ اب ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے۔ بھائیو! یہ کنواں تو ناپاک ہے اسے استعمال نہ کرو اور پھر یوں کہے کہ اس کنوئیں کو پاک کہہ کر اسے استعمال کرنے والو۔ اگر یہ کنواں پاک ہے تو اس کے پاک ہونے کی کوئی دلیل پیش کرو۔ کیوں بھائیو! انصاف سے کہنا کہ اس کی اس دلیل طلبی کا تم کیا جواب دو گے؟ یہی نا کہ بھائی دلیل ہم سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ ہم تو اسے پاک کہہ رہے ہیں جو اصل ہے۔ دلیل تو تمھارے ذمے ہے۔ ناپاک تم کہہ رہے ہو تم بتاؤ کہ اس کے ناپاک ہونے کی تمھارے پاس کیا دلیل ہے۔ کیا اس میں کسی نے پیشاب کر دیا ہے یا اس میں کوئی جانور گر گیا ہے؟ کیا بات ہے؟ اس پر بھی اگر کوئی یہ کہتا چلا جائے کہ نہیں دلیل تم بتاؤ کہ یہ کیسے پاک ہے؟

تو پھر اسے یہی کہا جائے گا کہ اس کے پاس ہونے کی دلیل یہی ہے کہ اس کے ناپاک ہونے کی تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ دلیل ہمیشہ ناپاک کہنے والے کے ذمہ ہوگی۔ پاک کہنے والے کے ذمہ نہیں۔

اسی طرح گیارہویں شریف، تیجہ، دسواں، چالیسواں یا جلوس میلاد شریف امور مستحسنہ جن کو جائز کہہ کر ان پر بڑے بڑے علماء و صلحاء عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر ایک شخص ان کے متعلق یوں کہہ دے کہ یہ کام ناجائز ہیں یا جائز ہیں، تو ان کی دلیل پیش کرو۔ ہم کہیں گے کہ بندۂ خدا! دلیل ہم جائز کہنے والوں سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ ناجائز تو تم کہہ رہے ہو۔ دلیل تو تمھارے ذمے ہے۔ اور ہمارے پاس تو جواز کی یہی دلیل ہے کہ تمھارے پاس ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

میرے بھائیو! اگر یہی اصول گھڑ لیا جائے کہ ہر جائز چیز کے لیے بھی دلیل کی حاجت ہے تو پھر بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں ہیں جو درجۂ جواز میں ہیں۔ مدرسہ کھولنا، اس کے لیے چندے کرنا، انجمن بنانا۔ اس کے لیے رکن بنانا، انجمن کا نام رکھنا، اس کی میٹنگ کرنا، بورڈ لکھوانا، سالانہ جلسے کرنا، سٹیج بنانا، اپنے علماء کو دعوت دینا اور اہتمام کے ساتھ ان کی تقریریں کرانا، تقریروں کا وقت مقرر کرنا، انھیں مشتہر کرنا، اخبار نکالنا اور ان کی اشاعت کی تاریخیں مقرر کرنا اور تاریخ مقررہ سے آگے پیچھے نہ ہونا، اخبار میں قَالَ اللّٰه وَقَالَ الرَّسُوْل لکھ کر اس کے پیسے لینا وغیرہ وغیرہ، کیا ان سب باتوں کے لیے الگ الگ کوئی دلیل ہے؟ یا صرف یہی ایک دلیل ہے کہ ان کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

سردار اہلحدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب کا ایک فتویٰ

آئیے میں آپ کو ایک فتویٰ سناؤں جو سردار اہلحدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا ہے۔ صاحب انصاف کے لیے

یہی ایک فتوے کافی ہے۔ جناب مولوی صاحب سے کسی نے دریافت کیا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شیروانی نہیں پہنتے تھے اور پمپ جُوتا نہیں پہنتے تھے اور کوٹ نہیں پہنتے تھے اور بندوق نہیں چلاتے تھے اور پان نہیں کھاتے تھے اور آجکل یہ سب چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اِس لیے یہ سب بدعت ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جناب مولوی صاحب مذکور نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔

حدیث میں آیا ہے۔ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ یعنی جب تک میں تمہیں کسی چیز سے منع نہ کروں تم اس کو منع مت سمجھا کرو بلکہ جائز سمجھو۔ اشیاء مذکورہ اس حدیث کے ماتحت جائز ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں ممانعت نہیں آئی۔" (اخبار اہلحدیث امرتسر ۷ شوال ۱۳۶۳ھ ص۲)

کیوں صاحب! یہ وہی بات جو میں کہہ چکا۔ یعنی جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا وہ بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور جائز ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ اُوپر کے سوال کی لسٹ میں اگر محفل میلاد، جلوس میلاد اور گیارھویں شریف وغیرہ کا بھی اضافہ کرلیا جائے تو اس کا بھی یقیناً وہی جواب ہوگا۔ جو مولوی صاحب نے دیا ہے اور مولوی صاحب کا کہنا درست ہے۔ اِس لیے کہ استدلال ان کا حدیث سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرما دی ہے کہ جسے میں منع نہ کروں اُسے تم بھی منع مت سمجھو۔ لیجئے ایک اور حدیث سُنیئے :۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّۃِ یَاْکُلُوْنَ اَشْیَاءَ وَیَتْرُکُوْنَ اَشْیَاءَ تَقَذُّرًا۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَاَنْزَلَ کِتَابَہٗ وَاَحَلَّ حَلَالَہٗ وَحَرَّمَ حَرَامَہٗ فَمَا اَحَلَّ فَھُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَھُوَ حَرَامٌ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ عَفْوٌ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲)

"دورِ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے۔ پس اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنی کتاب اتاری اور اپنے حلال کو حلال کیا اور حرام کو حرام کیا۔ پس جسے اس نے حلال کیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے وہ خاموش رہا وہ معاف (جائز) ہے۔"

دیکھ لیجیے اِس حدیث پاک میں صاف ارشاد ہے کہ حرام چیزیں وہی ہیں جسے خدا اور رسول نے حرام کیا ہے اور جن کے متعلق سکوت ہے وہ جائز ہیں۔ میرے بھائیو! اب خود ہی فیصلہ کرلو کہ جن چیزوں کو خدا اور رسول نے حرام نہیں فرمایا۔ اور جن باتوں سے خدا اور رسول منع نہیں فرمایا انھیں خود ہی حرام قرار دے دینا اور انھیں منع و ناجائز کہہ دینا کہاں تک جائز ہے۔

غلط فہمی باوجود ان حقائق کے اگر پھر بھی کوئی شخص یہی رٹ لگاتے جائے کہ نہیں صاحب یہ باتیں منع ہی ہیں۔ پھر چاہے وہ بزعم خویش قرآن وحدیث بھی پڑھ پڑھ کر سناتے تو ہم یہی عرض کریں گے کہ قرآن وحدیث میں تعارض نہیں ہوسکتا۔ قرآن وحدیث میں ان باتوں کی کوئی ممانعت نہیں آپ ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے اور غلط فہمی کوئی اچنبی بات نہیں ایسا ہوتا آیا ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک ایسے ہی صاحب اپنے گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہنے لگے کہ میں شہر کی ایک جامع مسجد میں مولانا کا وعظ سن کر آیا ہوں مولانا بڑے جوش میں فرمارہے تھے کہ پیاز کھانا حرام ہے۔ لہٰذا اے میرے بھائیو! پیاز کا استعمال ترک کردو۔ یہ حرام ہے۔ گاؤں والے بڑے حیران ہوئے کہ پیاز تو ایک دنیا استعمال کرتی آئی ہے اور آج تک یہ کسی نے بھی نہیں کہا تھا کہ پیاز کھانا بھی حرام ہے۔ چنانچہ گاؤں والے اکٹھے ہوکر شہر کے مولانا صاحب کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ قبلہ! آپ نے یہ کیا ارشاد فرمایا کہ :

"پیاز کھانا حرام ہے"

مولانا نے فرمایا۔ میں نے تو کہا تھا کہ —

"بیاج کھانا حرام ہے"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ! دیکھ لیجئے۔ کہنے والے نے کیا کہا اور سُننے والے نے کیا سُنا؟ میرے بھائیو! کچھ یہی حال ہے زید و عمر بکر کا بھی کہ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا کہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی جس جانور پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے۔ مگر انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر وہ چیز جس پر کسی صورت بھی غیر اللہ کا نام آجائے وہ حرام ہے۔ ہوئی نا وہی بات کہ پیاز کھانا حرام ہے۔

ہاں تو میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو!! خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ساری شریعت پر چلو۔ تمام احکامِ الٰہی بجالاؤ۔ تمام منہیات سے بچو اور پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی — اسلام ہی اسلام ہو۔ یہ نہیں کہ دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور — دل میں تو ضروریاتِ دین کا انکار ہو اور لوگوں کو فریب دینے کے لیے زبان پر اسلامی کلمات ہوں۔ اور يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ کی اور لِسَانُهُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّكَّرِ کی تفسیر ہو یا نقشہ یہ ہو کہ بظاہر کسی اسلامی حکم کی تعمیل نظر نہ آئے اور اگر کہا جائے کہ بھئی! تم مسلمان ہو اپنا ظاہر تو اسلامی رنگ میں رنگو۔ تو جواب ملے کہ چھوڑیئے صاحب اس ظاہر و باہر کو! اندر سے مسلمان ہونا چاہیے۔ باہر کا کیا ہے کچھ بھی ہو۔ خدا ظاہر کو کب دیکھتا ہے۔ وہ تو اندر دیکھتا ہے۔ ہمارے اندر اسلام ہی اسلام ہے۔ میرے بزرگو! یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

باہر اور اندر

عزیز اور معزز مہمان کے لیے ایک کمرہ صاف ستھرا کر کے اُسے خوب مزین کرتے ہیں۔ اندر جھاڑو دیتے ہیں۔ میز، ٹیبل اور کرسیاں سلیقے سے لگاتے ہیں اور لوبان کی بتیاں بھی سُلگا دیتے ہیں۔ الغرض نہایت شاندار

طریق پر کمرے کے اندر کو مزین کر کے پھر کمرے کے باہر جس دروازے سے داخل ہو کر معزز مہمان نے اندر آنا ہے اس دروازے کے ساتھ ہی ایک بچے کو بٹھا کر ہگا بھی دیتے ہیں تو جس وقت وہ معزز مہمان کمرے کے اندر داخل ہونے کے لیے آئے گا تو یقیناً وہ وہیں رُک جائے گا اور اپنی ناک پر رُومال رکھ لے گا۔ اب اگر وہ نہایت شوق سے کمرے کا اندر سجانے والے میزبان صاحب اپنے معزز مہمان سے کہنے لگیں کہ کیوں صاحب! آپ یہاں رُک کیوں گئے؟ تو مہمان جواب دے کہ یہ جو کمرے کے باہر نجاست پڑی ہے اس کی وجہ سے رُک گیا ہوں تو میزبان صاحب فرمائیں۔ چھوڑیئے صاحب اس باہر کو۔ آپ ذرا اندر تو دیکھئے۔ اندر صفائی ہی صفائی ہے۔ چھوڑیئے اس باہر کی بدبو کو۔ ذرا اندر ملاحظہ فرمائیے۔ اندر خوشبو ہی خوشبو ہے۔ کیوں صاحب! فرمائیے۔ مہمان صاحب اندر دیکھیں گے یا پہلے باہر کا جائزہ لیں گے اور کیا وہ ایسے صاف اور ستھرے اندر جانے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے جس کے باہر نجاست پڑی ہو؟ میرے بھائیو! یہ کوئی سلیقہ نہیں کہ اندر نفاست اور باہر نجاست سلیقہ تو یہ ہے کہ اندر بھی اور باہر بھی نفاست، پوری پوری نفاست ہو بس خدا تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ — تمہارے اندر بھی اسلام ہو اور تمہارے باہر بھی اسلام ہو۔

مسجد اور بازار

میرے بھائیو! ایک اور غلطی بھی ہے ہم میں اور وہ یہ کہ بعض لوگ مسجد میں ہوں تو کسی واقعہ کے متعلق کچھ کہنے لگیں تو یوں کہتے ہیں کہ بھئی! یہ مسجد ہے مسجد میں کیا جھوٹ بولنا — یہاں تو سچ ہی کہنا چاہیے یا پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر یوں کہیں گے مولوی صاحب! اب آپ کے سامنے کیا جھوٹ بولنا۔ گویا مسجد سے باہر نکل کر اور کسی غیر مولوی کے سامنے جی بھر کے جھوٹ بول لیا جائے گا۔ فرمائیے یہ کیسا اسلام ہے کہ مسجد میں آئے تو سچ بول لیا اور دکان پر بیٹھے تو جھوٹ کو اپنا لیا۔

کسی کے سامنے سچ کہہ دیا اور کسی کے سامنے جھوٹ۔ بھائیو! اسلام یہ ہے کہ مسجد ہو، بازار ہو، دکان ہو، گھر ہو، مولوی صاحب کا سامنا ہو یا کسی دوسرے کا، کہیں بھی جھوٹ نہ بولا جائے اور ہر حال میں اور ہر وقت سچ ہی بولا جائے اور اسلام میں پورا پورا داخل ہوا جائے۔

ہاں تو بھائیو! مسلمان بننا ہے تو ہر حال میں مسلمان بنو کسی وقت بھی تقویٰ و پاکبازی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ہر جگہ اور ہر لمحہ تمہارا اسلام نظر آئے اور ظاہر و باطن، اندر و باہر تمہارا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ تمہاری سیرت اور صورت دونوں ہی مسلمانوں کی سی ہوں۔ یہ نہیں کہ دل میں تو ایمان و اسلام ہو اور صورت سے کرپارام ہو۔

لمبی مونچھیں بھائیو! سنو! حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک بار ان کی مونچھیں کچھ بڑھ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا۔ اے مغیرہ! یہ کیا؟ تمہاری مونچھیں بڑھی ہوئی کیوں ہیں؟ انہیں کاٹ لو۔ حضرت مغیرہ نے سوچا کہ گھر جا کر قینچی سے کاٹ لوں گا۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں! ابھی ابھی مسواک لو اور اس پہ بڑھے ہوئے بال رکھ کر چھری سے کاٹ دو۔"

مسلمانو! دیکھ لو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اغیار کی سی مونچھوں کو فوراً کٹوا دیا۔ ذرا سی بھی مہلت نہیں دی۔ مطلب یہی کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیرت میں بھی اور صورت میں بھی مسلمان نظر آئے۔

فلسفہ مسلمانو! ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صرف اِسی لیے واجب الاطاعت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مگر بعض لوگوں کو ہر بات میں فلسفہ چھانٹنے کی عادت ہوتی ہے۔ چنانچہ کئی لوگ داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کا بھی فلسفہ پوچھا کرتے ہیں۔ بھائیو! سب سے بڑا فلسفہ تو یہی ہے کہ یہ ادائے مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر ریش مبارک تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوارب اقدس پست ہوتے تھے۔ پس جسے اللہ کا محبوب بننا ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارے۔ اللہ کو وہی شکل پیاری ہے جس میں اُسے اپنے محبوب کا جلوہ نظر آئے۔ بھائیو! دنیوی اسکولوں میں تو جو لڑکا کسی دوسرے کی نقل اتارے وہ فیل ہو جاتا ہے۔ مگر اس دینی مدرسہ میں جو کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارے گا۔ وہ "پاس" ہو جائے گا۔ دیکھ لو یہ نماز بھی کیا ہے ___؟ ادا ہائے صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ___! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نقل نہ ہو تو اُمّت اس بات کے پیچھے کیوں پڑے کہ نماز میں رفع الیدین ہو یا نہ ہو۔ ہاتھ باندھے جائیں یا نہ باندھے جائیں اور باندھے جائیں تو کہاں باندھے جائیں۔ دیکھئے نماز کی قبولیت کے لیے سب اسی کی کوشش میں ہیں اور ائمہ اربعہ علیہم الرضوان اسی سعی و اجتہاد میں رہے کہ ہماری نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پوری پوری نقل ہو جائیں۔ جو نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نہیں وہ نماز نماز ہی نہیں۔ بھائیو! اگر نماز صرف اس بات کا نام ہو کہ قیام ہو، رکوع ہو اور سجود ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں منظور نہ ہو تو یقین کر لیجئے کہ یہ نماز برائے نام نماز ہے اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ دیکھ لیجئے۔ ایک شخص مغرب کی نماز قصداً بجائے تین رکعت کے چار رکعت پڑھ لے تو اس نے قیام و رکوع اور سجود میں کثرت کر دی تو اگر نماز اسی قیام و رکوع اور سجود کا ہونا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کی یہ نماز کامل بلکہ اکمل ہوتی۔ مگر نہیں اس کی یہ نماز ہوگی ہی نہیں اور اس کے منہ پر مار دی جائے گی۔ ذرا سوچئے تو کیوں؟ کیا اس لیے کہ اِس میں کسی رکوع یا سجدے کی کمی رہ گئی؟ نہیں! رکوع و سجود تو بلکہ زیادہ کر دیئے گئے ہیں۔ تو کیا اس لیے کہ اس میں کوئی رکعت کم کر دی؟ نہیں! رکعت تو بلکہ ایک بڑھا دی ہے۔ تو پھر کیا وضو نہیں کیا؟ نہیں! وضو بھی کیا۔ پھر کیا بات

کہ یہ قصداً پڑھی ہوئی چار رکعات قبول نہیں ہوئیں ؟ تو بھائیو! بات یہی ہے کہ خداتعالیٰ کو یہ نماز اس لیے قبول نہیں کہ یہ نماز اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائے مبارک کے مطابق نہیں۔ اس کے محبوب نے جب تین رکعات پڑھی ہیں تو خدا کو بھی تین رکعات ہی مقبول ہیں۔ کم و بیش نہیں۔ گویا مقصود بالذات رکوع و سجود نہیں۔ ادائیں محبوب ہیں۔ اِسی لیے اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ مسائل فروع ہیں!
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

بھائیو! ایک تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی اور ایک یہ خیال بھی ہے کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔" معاذ اللہ! کس قدر بُرا خیال ہے اور کیسی فضول و غیر مقبول ہے وہ نماز جس میں خیال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو ع

تیری تڑپ نہ ہو اگر کیسے ادا نماز ہو

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ داڑھی کا رکھنا اور مونچھوں کا کٹوانا یہ بھی ادائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مسلمان کے لیے یہی بڑا فلسفہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے۔ اور اگر کسی کو اس وقت تک چین نہ آئے جب تک کہ ان کی مرضی کے مطابق کوئی فلسفہ بیان نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ بعض طبیعتیں ایسی بھی ہیں کہ جب تک کوئی دنیوی فلسفہ ان کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ تو وہ مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی مثال بچوں کی سی ہے۔ بچے کو سو کا نوٹ دیجیے تو وہ کبھی خوش نہ ہوگا اور اگر اُسے پیسہ پکڑا دیجیے۔ پیسہ بھی وہ جس میں چھید ہو۔ تو بڑا خوش ہو جائے گا۔ اِسی طرح ان فلسفہ پسندوں کے سامنے قرآن و حدیث پیش کیجیے تو یہ خوش نہیں ہوتے اور جب کوئی یورپ کی بات کیجیے تو بڑے خوش

ہو جاتے ہیں تو لیجیے صاحب! ہم ان مونچھوں کی پستی کا من مانی مرضی کا فلسفہ بھی بتا دیں۔ یورپ کے ڈاکٹر ہی کہتے ہیں کہ بالوں میں جراثیم ہوتے اور بڑھی ہوئی مونچھیں کھانے پینے کے وقت اگر نوالہ کے ساتھ منہ میں چلی جائیں تو ان جراثیم کے اندر چلے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی لیے امریکہ میں جہاں یہودیوں کی بڑی بڑی مونچھیں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے ہوٹلوں میں جو چائے کے کپ ہوتے ہیں۔ وہ اُوپر سے بند ہوتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی جگہ خالی ہوتی ہے جہاں لب لگا کر چائے پی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ کپ کا منہ ننگا ہونے سے مونچھیں چائے میں پڑنے سے جراثیم کے چائے میں داخل ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس خطرہ کے تدارک کے لیے کپ کا منہ بند ہوتا ہے۔ میرے بھائیو! پڑھیے! درود شریف اور اپنے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر قربان ہو جائیے کہ جو بات لوگوں کو آج سوجھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے اس کا علاج بیان فرما دیا ہے اور وہ یہ کہ قُصُّوا الشَّوَارِبَ۔ یعنی لبوں کے بال پست کراؤ۔" یعنی نہ بڑی بڑی مونچھیں رہیں اور نہ ان کے جراثیم کے ماکولات و مشروبات میں داخل ہو جانے کا خطرہ رہے۔ بھائیو! امریکہ کے یہودیوں کو تو آپ نے دیکھا نہیں۔ اور سکھوں کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ اور انھیں کبھی لسی پیتے بھی آپ نے دیکھا ہوگا۔ توبہ! توبہ! لسی پی کر پھر وہ اپنی لسی آلود مونچھوں کو منہ میں ڈال کر انھیں یوں چوسا کرتے تھے جیسے کوئی آئس کریم چوس رہا ہو۔ یہی حال ہر اُس شخص کا ہوتا ہے جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں۔

لطیفہ ایک سکھ ہی کا لطیفہ ہے کہ وہ سویاں کھا رہا تھا۔ جب وہ سویوں کا لقمہ منہ میں ڈالتا تو اس کی مونچھیں بھی لقمہ کے ساتھ منہ میں چلی جاتیں اور جب وہ مونچھوں کو منہ سے نکالتا تو سویوں کا لقمہ بھی باہر آجاتا۔ اس بے چارے کو سویاں کھانا مشکل ہو گئیں۔ بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت میں اُخروی

فوائد کے ساتھ ساتھ دنیوی فوائد بھی ہوتے ہیں اور ترکِ سنت سے اُس عالم میں بھی اور اس دنیا میں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

؎ دونوں عالم میں تجھے مطلوب گر آرام ہے
اُن کا دامن تھام لے جن کا محمد نام ہے

ایک سکھ سے گفتگو

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ راولپنڈی آرسنل کے ایک پڑھے لکھے سکھ سے میری گفتگو ہوئی اور اس نے مجھ سے سوال کیا کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے داڑھی رکھنے کی جب تاکید فرمائی ہے تو داڑھی جب اچھی چیز ہے تو پھر مشت بھر سے زیادہ کٹوانے اور مونچھوں کے بال پست کرانے کی کیا وجہ ہے؟ چہرے کے بال جب اچھے ہیں تو پھر کوئی بال بھی نہیں کٹوانا چاہیے۔ چنانچہ ہمارے دھرم نے یہی بتایا ہے کہ داڑھی مونچھیں سب کی سب رکھی جائیں۔ اور کسی بال کو بھی نہ چھیڑا جائے۔ میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ سردار جی! بات یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں اور لطافت و نظافت اور حکمت کے معلم بھی ہیں۔ دیکھئے! خربوزہ ایک بہترین پھل ہے۔ مگر اس کے کھانے کے دو طریق ہیں۔ ایک طریق تو مہذبانہ ہے اور ایک وحشیانہ۔ مہذبانہ طریق تو یہ ہے کہ خربوزے کو پہلے دھو لیا جائے۔ پھر اُسے چاقو سے چیر کر اس کے بیج وغیرہ سب نکال کر صاف کر لیا جائے اور پھر اس کی پھانکیں کاٹ کر ان کے چھلکے اُتار دیے جائیں اور پھر لطافت و نظافت کے ساتھ کھایا جائے اور وحشیانہ طریق یہ ہے کہ خربوزے کو ہاتھ میں لیا اور دوسرے ہاتھ کا گھونسا بنا کر اس کو دے مارا، اور اُسے توڑ پھوڑ کر چھلکوں اور بیج سمیت منہ میں ڈال لیا۔ فرمائیے! کیا یہ طریق کوئی اچھا ہے؟ سردار جی! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کو رکھایا مگر مہذبانہ طریق سے ــــ گویا اس کے بیج چھلکے وغیرہ سب اُتروا دیئے۔ مگر یہ کہ داڑھی رکھو اور بے تحاشہ رکھو حد سے زائد اور مونچھوں کے عرض و طول سمیت

رکھو ایسے ہی جیسے کہا جائے کہ خربوزہ کھاؤ تو اس کے بیج اور چھلکے بھی رگڑ جاؤ۔ آپ ہی فرمائیے کہ یہ طریق کہاں تک معقول ہے؟ میرے بھائیو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ خربوزہ کے چھلکے اتارے جائیں گے۔ یہ نہیں کہ ساتھ ہی گودا بھی اُتار کر پھینک دیا جائے۔ مطلب یہ کہ داڑھی کو مشت بھر سے کم کر دینا ایسا ہی ہے جیسے گودا بھی الگ کر دیا جائے۔

میں نے پھر اس سکھ سے یہ بات بھی کہی کہ دیکھئے ہر شخص اپنے مکان کی نالی کے منہ کو صاف رکھتا ہے۔ وہاں کوڑا کرکٹ جمع ہونے نہیں دیتا تاکہ گندہ پانی رُک نہ جائے۔ اسی طرح یہ ناک ایک ایسی نالی سمجھئے جو ناک بہنے کا راستہ ہے۔ پس اس نالی کے منہ کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے تاکہ بہتی ناک یہاں آکر رُک نہ جائے۔ چنانچہ لمبی مونچھیں زیادہ تر رینٹھ آودہی ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ہے دنیائے انسانیت پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت و دانائی اور صحت و صفائی کا درس دیا اور انسان کو انسان بنایا۔ سچ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؎

انساں نہ بن سکا کوئی انساں ترے بغیر

میرے بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ اُس سکھ سے ان باتوں کا کوئی جواب بن سکا۔

محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! یہ حقیقت ہے اور واقعہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ عالم ہیں۔ ساری دنیا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ہیں۔ انسان کو انسان اگر بنایا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی و اتباع ہی کا دوسرا نام انسانیت ہے۔ انسان جسم و رُوح سے مرکب ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے جسم کو بھی پاک کیا ہے اور رُوح کو بھی۔ آج لوگ یورپ کی تہذیب پر بڑے نازاں ہیں۔ حالانکہ یہ تہذیب ایک گندی تہذیب ہے۔ انگریز و فرانسیسی، جرمن، امریکن وغیرہ بظاہر کتنے صاف نظر آتے ہیں خود

کو، مکانوں کو اور شہروں کو کتنا صاف رکھتے ہیں۔ مگر سوٗر جیسا پلید جانور جو بول و براز پر گذارا کرتا ہے۔ اور اسی سے اس کا گوشت پوست بنتا ہے۔ ان کی محبوب غذا ہے۔ کتے جیسا ناپاک جانور ان کے بستروں پر سوتا اور گود میں بیٹھتا ہے اور یہ لوگ اُس کا منہ تک چوم لیتے ہیں۔ استنجا کرنا اُن میں ہے ہی نہیں۔ صرف کاغذ سے نجاست صاف کر لیتے ہیں۔ پیشاب کے قطرات ان کی پتلونوں اور پینٹ کو "عطر آلود" بنائے رکھتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی ٹب میں نہاتے اور بجائے پاک ہونے کے اور بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کا ہے۔ لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی نہیں کہ لباس و جسم ہی کی صفائی و پاکیزگی پر زور دیا ہے بلکہ ہر قسم کی نجاستوں سے بچنے کے شدید احکامات نافذ فرمائے اور ظاہر و باطن، مرئی و غیر مرئی جسمانی و روحانی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک رہنے کی تاکید فرمائی تہذیب جدید نے اپنے تمام طمطراق صفائی کے باوجود مرئی او ر ظاہر نجاستوں کو بھی دُور نہیں کیا۔ مگر اسلام ظاہر سے گزر کر باطن تک بھی پہنچ گیا اور اس نے پہلی مرتبہ دنیا کو بتایا کہ نجاست کی جہاں بظاہر کئی قسمیں ہیں۔ وہاں ایسی نجاستیں بھی موجود ہیں جن کا اثر بظاہر جسم پر تو نہیں ہوتا، مگر وہ نہ صرف یہ کہ جسم ہی کو ناپاک کر دیتی ہیں بلکہ اخلاق و روح پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں جسم پر ظاہر نہ ہونے والی نجاست کو نجاستِ حکمی کہتے ہیں۔ اور اس سے بھی جسم ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسے حدثِ اکبر یعنی حالتِ جنابت نہانے کی حاجت ہو تو شریعت میں اس وقت تک کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ انسان غسل نہ کر لے۔ بلکہ شریعت نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ بغیر غسل کیے کے اس حالت میں کھانا پینا اور اُٹھنا بیٹھنا بھی معصیت کا باعث ہے۔ دوسری نجاست نجاستِ حقیقی ہے اور یہ وہ نجاست ہے جو ظاہر اور نمایاں ہو۔ جیسے بول و براز اور خون و پیپ وغیرہ۔ اور پھر یہ نجاست

نجاستِ خفیفہ بھی ہے اور نجاستِ غلیظہ بھی۔ چنانچہ فقہاءِ اسلام علیہم الرحمۃ نے کتبِ فقہ میں نجاست کا ایک خاص باب مقرر کر کے نجاست کے مفصل احکام درج فرماتے ہیں۔ میرے بھائیو! اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں صفائی و پاکیزگی کے متعلق کتنے وسیع اور حکمت آمیز احکام ہیں۔

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائی ہے اور جسم و رُوح دونوں کو پاک فرمایا ہے اور کمال یہی ہے کہ جسم بھی پاک ہو اور رُوح بھی پاک ہو اور یہی ہے اسلام کامل یعنی انسان اندر و باہر سے اور ظاہر و باطن سے اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ جو لوگ اپنے باطن کی صفائی کا اعلان کریں اور اُن کا ظاہر اسلامی نہ ہو تو ایسے لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ اس لیے کہ ظاہر و باطن کا آپس میں گہرا تعلق ہے جو شخص بظاہر گندہ و غلیظ رہنے کا عادی ہو اس کا باطن بھی مکدّر اور پستی میں رہتا ہے اور ظاہری صفائی کا دل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دق کے مریض کے لیے اطباء و ڈاکٹر یہ بتاتے ہیں کہ اسے صاف ستھرا رکھو ایسے اچھی ہوا میں رکھو۔ اس کا لباس صاف و ستھرا رکھو۔ دیکھ لیجئے بیماری تو اندر کی ہے اور علاج باہر کا ہو رہا ہے۔ یہ اسی لیے کہ باہر کا اثر اندر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح اندر کا اثر باہر بھی دکھائی دیتا ہے۔ دیکھ لیجئے اگر اندر دِل میں خوشی ہو تو باہر چہرہ بھی چمک اُٹھتا ہے اور اگر اندر دل میں غم ہو تو باہر چہرہ بھی مرجھا جاتا ہے۔ بھائیو! یہ آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ دل میں تو بے حد خوشی ہو اور چہرہ غمزدہ ہو۔ مگر تعجب ہے کہ یہ بات منوانے کے درپے کیوں ہوا جاتا ہے۔ کہ ہمارے باہر کو چھوڑ دیجئے اور ہمارے اندر اسلام ہی اسلام ہے۔ اگر اندر اسلام ہے تو باہر اس کا اثر کیوں نہیں دکھائی دیتا۔ ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مونچھیں ترشوانے کا ارشاد فرمایا ہے وہ بھی اسی لیے کہ ان میں کھانے کے غیر مرئی ذرّے یا بہتی

ناک کے جراثیم اُلجھے نہ رہ جائیں اور اس ظاہری غلاظت سے باطن بھی اثر پذیر نہ ہو جائے۔

حضرات! انھیں ظاہری و باطنی ہر قسم کی نجاستوں سے بچنے کا نام ہے، اِسلام کامل۔ ظاہری نجاستوں کے علاوہ جو باطنی نجاستیں ہیں۔ ان

باطنی نجاستیں

سے بچنا بھی کامل مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے۔ جھوٹ، دغا، فریب، رشوت و خیانت، حرص و ہوا، اسراف و تبذیر، بہتان و افترا، اور کبر و غرور۔۔ یہ سب باطنی نجاستیں ہیں۔ مسلمانو! ان سب باتوں سے بھی بچو۔ تمھاری صورت بھی اسلامی ہو اور تمھاری سیرت بھی سراسر اسلامی ہو۔ اور اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ کے تم سراپا تصویر بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ میرے بندے اندر اور باہر سے کامل طور سے میرے بندے بن جائیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

بھائیو! بعض لوگ یہ حدیث پڑھا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا دلوں کو دیکھتا ہے۔ اِس حدیث پاک سے وہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صورت اور ظاہر کیسا بھی ہو۔ کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں، بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صورتوں ہی کو نہیں دیکھتا۔ وہ صورتوں کے ساتھ ساتھ سیرتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ یعنی صورت و سیرت دونوں اسلامی ہونی چاہئیں اور اگر یہی بات ہو کہ صورت کیسی بھی بنالی جائے پروا نہیں۔ تو پھر ایسے شخص کو جو مرد ہو کر کانٹے اور چوڑیاں پہن لے۔ لوگ "زنانہ" کیوں کہنے لگتے ہیں۔ اور کوئی یہ منظر کیوں نہیں دکھاتا کہ ساڑھی پہن کر اور دوپٹہ اوڑھ کر اور کانٹے چوڑیوں سے مزین ہو کر باہر نکلے اور لوگ تمسخر اُڑائیں تو کہہ دے کہ صورت کو کیوں دیکھتے ہو۔ باہر "زنانہ" سہی۔ اندر سے تو میں "مردانہ" ہی ہوں نا۔ اسی طرح کوئی مسلمان ہو کر زنار پہن کر یا ہندوؤں کی سی چوٹی رکھ کر تو دکھائے۔ چاروں طرف سے آوازیں اُٹھتی ہیں یا نہیں۔

الغرض میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! خدا کے ارشاد کے مطابق تم اپنے آپ کو سراسر اسلامی رنگ میں رنگ لو۔

مثال

میرے بھائیو! جس کا باطن اچھا نہ ہو اور ظاہر اچھا نظر آئے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نجاست پر چاندی کا ورق لگا دیا جائے یا کسی زہر بھری بوتل پر شہد کا لیبل چسپاں کر دیا جائے۔ مولانا رُومی علیہ الرحمۃ نے ایسے شخص کے لیے یہ فرمایا ہے کہ ؎

از بروں طعنہ زدی بر بایزید وز درونت ننگ می دارد یزید

اور جس کا ظاہر اچھا نہ ہو اور بقول اس کے اس کا باطن اچھا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی زمین میں بیج بوئے اور جب وہ بیج پودا بن کر نکلے اور بڑھے اور اُس کی شاخیں اور پتے نکلیں۔ تو یہ "عقلمند" اس کی شاخیں پتے سب کاٹ چھانٹ ڈالے اور پھر پھل کا منتظر رہے اور دلیل یہ دے کہ زمین کے اندر دیکھ لو بیج موجود ہے۔ سب کہیں گے کہ جناب والا! بیج موجود سہی۔ مگر اس کے بارآور ہونے کے لیے اس کی شاخوں، پتوں کا موجود رہنا بھی ضروری ہے۔ اگر شاخیں، پتے ہی نہ رہے تو بیج سے مستفید ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ بھائیو! دل میں ایمانی بیج بویا ہے تو اس ایمانی درخت کی شاخیں پتے یہ ظاہری شکل و صورت اور نماز روزہ وغیرہ نیک اعمال ہیں۔ اگر یہ شاخیں پتے ہی نہ رہے تو پھر کیا فائدہ۔ اقبال نے اسی حالت پر تو یہ لکھا ہے کہ: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور سب خیریت ہے

کہتے ہیں کہ آدمی کسی شہر میں گیا اور رات بسر کرنے کے لیے اپنے گاؤں کے ایک بابو صاحب کے گھر چلا گیا۔ بابو صاحب اس شہر میں ملازم تھے۔ بابو صاحب نے اپنے گاؤں سے آتے ہوئے اس آدمی سے اپنے گھر کی خیر دریافت کی اور پوچھا۔ میاں! سناؤ میرے گھر میں تو

خیریت ہے ؟ وہ آدمی بولا۔ہاں سب خیریت ہے۔صرف آپ کا جو کتا تھا وہ مرگیا ہے اور" سب خیریت ہے " بالوجی بولے۔ارے میرا کتا مرگیا ؟ وہ تو بڑا وفادار تھا۔اچھا یہ تو بتاؤ کہ اُسے ہوا کیا ؟ وہ بولا۔ہونا کیا تھا۔آپ کا جو گھوڑا تھا اُس کے مرجانے کے بعد کتے نے گھوڑے کی لاش کو کھانا شروع کردیا۔اتفاقاً اس کے گلے میں ایک ہڈی پھنس گئی اور وہیں مرگیا" اور سب خیریت ہے " بالوجی بولے۔ارے! میرا گھوڑا بھی مرگیا ؟ اسے کیا ہوا ؟ وہ بولا آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر کے لیے اینٹیں درکار تھیں۔وہ اینٹیں اس گھوڑے پر لادی گئیں۔بیچارہ بوجہ سہار نہ سکا۔گرمی کے دن تھے۔اچانک گرا اور مرگیا" اور سب خیریت ہے " بالوجی گھبرا کر بولے۔تو کیا میری ماں بھی مرگئی ؟ ارے یہ کیا ہوا۔جلدی بتاؤ انھیں کیا ہوا ؟ وہ بولا۔آپ کی ماں اپنی بہو کے مرجانے کے بعد اِس قدر متاثر ہوئی کہ ان کا ہارٹ فیل ہوگیا" اور سب خیریت ہے " اب تو بالوجی کی آنکھوں میں اندھیرا چھاگیا اور سر پیٹ کر بولے۔تو ظالم! کیا میری بیوی بھی مرگئی ؟ اُسے کیا ہوا ؟ وہ بولا ہونا کیا تھا۔بیچاری اپنے دونوں بچوں کی لاشیں دیکھ کر تڑپ کر رہ گئی اور وہیں اللہ کو پیاری ہوگئی" اور سب خیریت ہے " اب تو بالوجی کا اپنا بھی ہارٹ فیل ہونے لگا اور روتے ہوئے پوچھا ارے میرے پیارے بچوں کو کیا ہوا ؟ وہ بولا۔کثرتِ باراں کی وجہ سے آپ کا کچا مکان اچانک گر گیا اور آپ کے دونوں بچے چھت کے نیچے آکر ہلاک ہوگئے" اور سب خیریت ہے " کا بھی کوئی معنی باقی رہ جاتا ہے جب کہ ماں رہی نہ بیوی اور نہ بچے اور نہ مکان۔بھائیو! اسی طرح کچھ آجکل کی مسلمانی بھی ہے کہ " الحمد للہ مسلمان ہوں "کیوں صاحب! سنا ہے کبھی نماز پڑھی ؟ جواب ملتا ہے۔کیا بتاؤں صاحب! کپڑے صاف نہیں رہتے اور دکان سے فرصت بھی نہیں ملتی۔ویسے " الحمد للہ مسلمان ہوں "! اچھا صاحب! روزہ تو رکھتے ہیں آپ ؟ جواب ملتا ہے۔کیا عرض کروں مولوی صاحب! صحت خراب رہتی ہے۔کوشش

کروں بھی تو روزہ نہیں رہتا۔ویسے " الحمد للہ مسلمان ہوں " اچھا صاحب زکوٰۃ تو ادا کرتے ہی ہوں گے آپ ؟ جواب ملتا ہے۔اجی اپنا ہی وقت مشکل سے گزر رہا ہے۔زکوٰۃ کا کیا سوال ؟ ویسے " الحمد للہ مسلمان ہوں " اِسی طرح رشوت بھی لی جارہی ہے، غبن بھی کیا جارہا ہے، کم بھی تولا جارہا ہے۔فتنہ وفساد بھی برپا کیا جارہا ہے اور یہ جملہ بھی ساتھ ہی ساتھ دہرایا جارہا ہے کہ

" الحمد للہ مسلمان ہوں "۔

کیوں صاحب! ہوئی نا وہی بات کہ " اور سب خیریت ہے " نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حج ہے نہ زکوٰۃ۔نہ خوفِ خدا اور نہ شرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر پھر " الحمد للہ " میں مسلمان ہوں۔بھائیو! مسلمان بننا ہے تو پورے پورے مسلمان بنو اور ہر غیر اسلامی حرکت کو چھوڑ دو۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ

شیطان سے بچو

چلو۔یہ تمھارا دشمن ہے۔" بزرگو! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا۔یہ اسلام ہے اور شیطان کے قدموں پر چلنا یہ الحاد ہے۔شیطان خود جہنمی ہے۔اِس کے پیچھے لگ کر بجز اس کے کہ جہنم میں پہنچ جائیں۔اور کیا مل سکتا ہے اور وہ بے ایمان بھی یہی چاہتا ہے کہ ان آدمیوں کے جدِّ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے میں تو ناری بن ہی چکا ہوں۔ ع " ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے " کے مصداق انھیں بھی اپنا ساتھی بناؤں اور جہنم میں ساتھ لے جاؤں۔بھائیو! اس کے داؤ سے بچو۔یہ بڑا ملعون و مکار ہے۔بڑے بڑے عجیب داؤ سے شکار کرتا ہے۔رشوت و غبن، جھوٹ، مکر و فریب اور عریانی و فحاشی وغیرہ جملہ بُرے کام اسی شیطان کے بتائے ہوئے کام ہیں۔یہ ان بُرے کاموں کو بڑے بڑے دلفریب لیبلوں سے پیش کرتا ہے اور دنیا کی محبت و رغبت پیدا کرکے عاقبت برباد کردیتا ہے۔بھائیو! اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔یہ دنیا ناپائیدار ہے۔

حکایت چنانچہ ایک بادشاہ کی حکایت ہے کہ اس نے ایک نیا محل تعمیر کرایا اور پھر حکم دیا کہ یہ محل ہر شخص کے نظارے کے لیے کھلا ہے۔ سب آئیں اور اس محل کو دیکھیں۔ اس لیے کہ دیکھنے والے یا دوست ہوں گے یا دشمن۔ دوست تو خوش ہوں گے اور دوستوں کی خوشی سے ہم بھی خوش ہوں گے، اور دشمن جلیں گے اور سب چاہتے ہیں کہ دشمنوں کو رنج ہی پہنچے۔ چنانچہ سب دیکھنے کے لیے آتے رہے اور بادشاہ سب سے پوچھتا رہا کہ اس محل میں کوئی عیب تو نہیں؟ ایک فقیر نے اس کے سوال کے جواب میں کہا کہ اس محل میں دو زبردست عیب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل بھی ہمیشہ نہ رہے گا۔ بادشاہ اس کلام سے بیحد متاثر ہوا۔

بھائیو! یہ دنیا واقعی ناپائیدار چیز ہے۔ شیطان کا کہا مان کر اس میں دل نہ لگاؤ اور پورے پورے مسلمان بن کر اپنی عاقبت سنوار لو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

۳۳ تینتیسواں وعظ

نئی تہذیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ۳ ع۱۲)

ترجمہ: "اے محبوب! تم فرما دو! کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔"

حضرات! ۷، ۸ مارچ کو لائل پور میں شیخ الحدیث استاد العلماء حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے عرس شریف اور جلسۂ دستارِ فضیلت میں میری بھی حاضری ہوئی اور منتظمین جلسہ نے میری تقریر کا

جو موضوع مقرر فرمایا۔ وہ تھا "نئی تہذیب پر ایک نظر" میں چاہتا ہوں کہ آج میں وہی تقریر آپ کو بھی سناؤں۔

بھائیو! پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے ساری کائنات کو پیدا فرما کر حضرتِ انسان کو ساری کائنات پر شرافت بخشی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ یعنی ہم نے بنی آدم کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ "وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔" یعنی زمین اور اس کی ساری نعمتیں یہ صرف حضرت انسان کی خاطر ہیں۔ اگر کوئی صاحب پوچھیں کہ یہ کیا؟ آپ تو کہا کرتے تھے کہ ساری کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہے۔ زمین و آسمان، عرش و فرش سب سامان و نعم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔ مگر آج آپ نے خود ہی قرآن سے بیان کر دیا کہ یہ نعمتیں سب انسانوں کی خاطر ہیں۔ تو بھائیو! اس کا جواب بھی سن لیجیے۔ دیکھیے کسی گھر میں کوئی برات آنے والی ہو تو اس گھر کو خوب سجایا جاتا ہے، اور طرح طرح کے لذیذ کھانے پکائے جاتے ہیں۔ یہ سب سامانِ آرائش و لذیذ کھانے اس برات کے براتیوں کے لیے ہیں۔ وہ براتی وہاں آ کر ٹھہریں گے اور رنگ رنگ کی لذیذ غذائیں کھائیں گے۔ مگر سچ بتائیے کہ برات میں اگر دولہا نہ ہوتا تو ان براتیوں کو کون پوچھتا؟ کون ان کے لیے آرائش و زیبائش کے انتظام کرتا اور کون ان کے لیے دیگیں چڑھاتا؟ بھائیو! ان براتیوں کے لیے ساری یہ آؤ بھگت اس دولہا ہی کے دم سے ہے۔ اصل میں وہ سب آرائش و زیبائش اور مختلف قسم کے لذیذ کھانے اس دولہا ہی کی خاطر ہیں۔ مگر دولہا کو تو خوشی میں اس روز بھوک ہی نہیں لگتی۔ ہاں براتی کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں اور دولہا کا صدقہ کھاتے ہیں۔ تو وہ ساری نعمتیں ہیں تو اس دولہا ہی کی خاطر۔ مگر چونکہ دولہا کے صدقہ

میں کا وہ آتی ہیں براتیوں کے۔ اس لیے کہا بھی جاتا ہے کہ یہ "دیگیں" براتیوں کے لیے ہیں۔ میرے بھائیو! سمجھے کچھ آپ؟ کہ یہ ساری دنیا براتی ہے اور دولہا ہیں حضور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیحضرت نے ؎

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ ہمیشہ درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا ہیں اور ہم سب براتی اور خدا تعالیٰ کی یہ ساری نعمتیں اور کائنات کے یہ سب سامانِ آرائش و زیبائش "خَلَقَ لَكُمْ" کے مطابق ہمارے ہی لیے ہیں مگر ہیں سب اسی دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے ہیں۔ اس لیے کہ براتیوں کی عزت و تکریم دولہا ہی کی بدولت تو ہے۔ دولہا ہی نہ ہو تو برات ہی کب بنتی ہے۔ دولہا ہوا تو براتی بھی ہوئے۔ اور براتی ہوئے تو سب کچھ ملا۔

بھائیو! پھر یہ بھی دیکھو کہ کھانے پینے کے لیے سب براتی ہی ہوتے ہیں اور دولہا کو خوشی میں بھوک ہی نہیں لگتی۔ علاوہ ازیں دولہا کی جو آؤ بھگت ہوتی ہے وہ براتیوں کی ہو ہی نہیں سکتی اور جہاں دولہا کی رسائی ہے، کسی براتی کی رسائی وہاں ہو ہی نہیں سکتی۔ دولہا کو اندر بلا کر دودھ پلایا جاتا ہے اور اس کے سر سے مختلف نعمتیں نچھاور کر کے تقسیم کی جاتی ہیں۔ بلا تشبیہ ساری کائنات کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں یہ ساری نعمتیں پیدا کی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہم تو یہ نعمتیں خوب کھانے لگے مگر دولہا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْٓ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ
وَيَسْقِيْنِيْ (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۷)

یعنی تم میں میری مثل کون ہے۔ مجھے تو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور

پلا بھی دیتا ہے۔"

مطلب یہ کہ یہ سب نعمتیں میری طفیل تمہارے لیے ہیں اور میرے سرِ انور کا صدقہ ہیں۔ کھاؤ پیو اور میں ان دنیوی لذات کا محتاج نہیں ہوں" اس لیے کہ میں تم سب میں بے مثل ہوں۔ جہاں میری رسائی ہے وہاں تمہاری رسائی نہیں اور مجھے تو خاص طور پر کھلایا پلایا جاتا ہے۔ تم مجھے اپنی مثل نہ سمجھو۔

بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

بھائیو! ذرا یہ بات بھی سمجھ لو کہ برات جا رہی ہو اور دولہا نہایت شان و شوکت سے گھوڑے پر تشریف فرما ہو تو اتنے میں براتیوں میں کوئی بیوقوف اُٹھے اور یوں کہنے لگے کہ "میں بھی اس دولہا کی مثل ہوں" تو کیوں صاحب! وہ بیوقوف جو دولہا کی مماثلت کا اعلان کرنے لگے۔ کیا اس کی اس حماقت کو حق گوئی پر محمول کیا جائے گا یا سب کہیں گے کہ نکالو اس گستاخ کو کہ براتی ہو کر خود دولہا بننا چاہتا ہے۔ بھائیو! گھر والوں کو پتہ چل جائے تو اور بھی زیادہ آفت آ جائے گی اور اسے کسی صورت اندر داخل ہونے ہی نہ دیا جائے گا کہ یہ گستاخ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی سزا یہی ہے کہ یہ ان براتیوں سے الگ ہو جائے۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اور جو براتی اس دولہا کے نیاز مند ہیں۔ وہ اس دولہا کے ساتھ بیشک اندر آئیں اور کھائیں پئیں۔ مگر اس بے ادب کا نہ دولہا سے تعلق رہا اور نہ اس گھر سے ؎

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر! دور ہو
ہم رسُول اللہ کے جنت رسُول اللہ کی

ہاں تو میں دراصل نئی تہذیب کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی صاحب کہہ دیں۔ کہ یہ سنّی مولوی کوئی سا بھی موضوع ہو۔ فضائل رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور شروع کر دیتے ہیں۔ انھیں تو اور کچھ آتا ہی نہیں۔ ہاں بھائیو! یہ ٹھیک ہے۔ ہمارا مرکزی موضوع یہی فضائل رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ میں نے عرض کیا ہے ؎

اہلِ دنیا گتھیاں دنیا کی سلجھاتے پھریں
اپنا تو موضوع ہے بس اک ثنائے مصطفٰے

بات دراصل یہ ہے کہ: مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ کے مطابق اہلِ سنّت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بے پناہ محبت ہے، اور وہ کوئی بھی سٹیج ہو اور کوئی سا بھی موضوع ہو۔ پھر پھرا کر اپنے اس مرکزی پر آ ہی جاتے ہیں۔ دیکھئے ایک ماں کو اپنے بچّے سے محبت ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے بچّے کو بھی دیکھتی ہے تو اس کی تعریف کرتے ہوئے بھی اپنے بچّے کو نہیں بھولتی اور کہتی ہے کہ اس کی آنکھیں تو بالکل خدا رکھے میرے منّے کی سی ہیں۔ دیکھو بہن یہ ہنستا بھی ہے تو بالکل میرے منّے ہی کی طرح ہنستا ہے۔ دیکھا آپ نے "موضوع" کوئی بھی ہو۔ لیکن محبت کسی نہ کسی بہانے اپنے محبوب کا ذکر درمیان میں لے ہی آتی ہے۔ تو بھائیو! سچی بات تو یہی ہے کہ ہمیں کوئی سا بھی موضوع دیجئے اور کسی اسٹیج پر بھی لے چلئے۔ ہم بغیر اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیے رہ ہی نہیں سکتے اور ہماری دُعا ہے کہ ہم اسی ذکر و فکر میں رہیں اور یہی ذکر کرتے ہوئے دنیا سے جائیں بھی۔ ؎

میں سو جاؤں یا مُصطفٰے کہتے کہتے
کھلے آنکھ صَلِّ عَلٰی کہتے کہتے

آمین یا رَبّ العالمین
بجاہِ النبی الامین
صلی اللہ علیہ وسلم

ہاں تو سُنیے۔ خدا تعالےٰ نے حضرت انسان کو بڑی شرافت اور عزّت بخشی ہے اور یہ عزّت و شرافت اِسے اِنسانیت کی وجہ سے ملی ہے۔

انسانیت

اب مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ انسانیت کیا ہے؟ اور وہ کیا چیز ہے جو انسان کو دیگر جملہ حیوانات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ تو میرے بھائیو! سُن لو کہ شرعی و اخلاقی پابندیوں کا نام ہے انسانیت۔ یعنی کچھ قواعد و ضوابط اور قوانین ہیں۔ جن کی پابندی سے انسان انسان کہلاتا ہے۔ یعنی انسان حیوانوں کی طرح آزادِ مطلق نہیں بلکہ وہ اخلاقی اور شرعی قواعد و قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ اخلاقی و شرعی قواعد و ضوابط انسان ہی کے لیے ہیں۔ حیوانوں کے لیے نہیں۔

یہاں پیشاب کرنا منع ہے

دیکھیے! شہر کی دیواروں پر اکثر آپ نے یہ لکھا دیکھا ہوگا کہ "یہاں پیشاب کرنا منع ہے اور یہاں پیشاب کرنے والا گرفتار کر لیا جائے گا۔" اب دیکھ لیجئے۔ وہاں اگر کوئی شخص پیشاب کرے تو اُسے گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اگر کوئی گدھا وہاں دس آدمیوں کے برابر بھی پیشاب کر دے تو اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ قانون انسانوں کے لیے ہے۔ حیوانوں کے لیے۔ یہ کپڑے پہننا، قابلِ ستر جگہ کو چھپانا، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب کرنا۔ کسی کو نہ ستانا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا اور وقت پر کھانا، وقت پر سونا۔ وقت پر اُٹھنا، بھائی کو بھائی سمجھنا، باپ کو باپ، بیٹے کو بیٹا اور ماں کو ماں اور بیوی کو بیوی سمجھنا اور اسی طرح کی جملہ پابندیاں اور قیود صرف حضرتِ انسان کے لیے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کوئی پابندی حیوانوں میں نہیں۔ کوئی حیوان لباس نہیں پہنتا۔ کوئی گدھی برقعہ نہیں پہنتی اور کوئی جانور ماں، بہن اور بیوی کا امتیاز نہیں رکھتا۔ کوئی حیوان وقت کا پابند نہیں۔ کسی جانور کے کھانے کا ٹائم مقرر نہیں اور کوئی جانور کسی قاعدے، کسی ضابطہ اور کسی قانون کا پابند نہیں۔

اَلدُّنیا سِجنُ المُؤمِن

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِن (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۹)

دنیا مومن کے لیے جیل ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ جیل کا قیدی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جب آزاد تھا تو اپنی مرضی سے کھاتا تھا پیتا تھا۔ گھر سے کھائے یا ہوٹل سے کھائے۔ رات گھر رہے یا کسی اور جگہ۔ جب چاہے سوئے اور جب چاہے اُٹھے۔ اُسے پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ مگر اب جبکہ وہ جیل کا قیدی بن چکا ہے تو اب اس کی اپنی کوئی مرضی باقی نہیں رہی۔ قیدی کو جیل کے افسر جس وقت کھانا دیں اور جو دیں اُسے وہ کھانا پڑتا ہے۔ اور گھنٹی بجنے پر وہ سوتا ہے۔ گھنٹی بجنے پر ہی اُٹھتا ہے اور کام کا وقت ہونے پر کام کرتا ہے۔ بیکار اُسے کوئی بیٹھنے ہی نہیں دیتا۔ الغرض اس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا۔ چلنا پھرنا۔ حتیٰ کہ پیشاب وغیرہ بھی کرنا اس کا افسروں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ میرے بھائیو! اب سمجھے کہ مومن کے لیے یہ دنیا جیل کیوں ہے۔ یاد رکھیئے۔ مردِ مومن اس دُنیا میں آزاد نہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پابند ہے۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا۔ حتیٰ کہ جینا مرنا سب کچھ اللہ کی مرضی کے مطابق ہے۔ اور اس آیت کے مطابق۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (پ۸ ع ۷)

"تم فرما دو۔ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔"

اس کی ہر حرکت شریعت کی پابند ہے۔ وہ آزاد نہیں۔ بلکہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے اور اسیرِ زلفِ محمدی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بھائیو! مومن وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو۔ اور جو غلام ہے وہ شریعتِ محمدی کا پابند ہے۔ ہاں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام نہیں وہ آزاد ہے۔ وہ جو چاہے کھائے، حلال ہو یا حرام۔ جہاں چاہے جائے اچھی جگہ ہو یا بُری۔ جو

چاہے کرے۔ اچھا کرے یا بُرا۔ نیکی و بدی، خیر و شر اور حلال و حرام کا امتیاز تو وہ کرے جو غلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور جو ان کا غلام نہیں پھر اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔

کا وہ مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت نام اگر ہے تو غلامیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خدا تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں جو میں نے ابتداء وعظ میں پڑھی ہے۔ اسی غلامی کا درس دیا ہے اور ہمیں انسان بننے کی تلقین فرمائی ہے۔ انسانیت نام ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا ہے۔ دیکھ لیجئے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نہیں اور شریعت سے آزاد ہیں۔ ان کی جملہ حرکتیں حیوانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ اور یہیں سے اس "نئی تہذیب" کے اصل خد و خال سامنے آجاتے ہیں اور وہ یہ کہ اس تہذیب میں اخلاقی و شرعی قواعد و ضوابط کی پابندی مفقود ہے۔ یہ تہذیب گویا حیوانیت کا دوسرا نام ہے۔ دیکھ لیجئے یہ جو آجکل اس نئی تہذیب کا مرکز یورپ امریکہ ہے وہاں علی الاعلان ننگوں کے کلب بن چکے ہیں۔ جو کپڑے پہننے کو "بدعت" قرار دیتے ہیں اور دلیل یہی پیش کرتے ہیں کہ سارے حیوانوں کو دیکھو سب ننگے ہیں اور سورج کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں۔ مگر انسان نے خواہ مخواہ یہ لباس کی پخ لگا کر "بدعت" کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ لوگ اس "بدعت" سے دوسروں کو بھی بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ننگے رہنے کے فوائد پر بہت سا لٹریچر بھی لکھا ہے۔

"ننگے رہو"

چنانچہ میرا اپنا ہی واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ میں لاہور کے پلیٹ فارم پر گاڑی پر سوار ہونے کے لیے پہنچا اور گاڑی میں بیٹھ گیا تو ایک صاحب ناول اور دیگر کتابیں پلیٹ فارم پر پھر کر بیچ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑکی کے قریب پہنچے اور ایک کتاب میرے سامنے کر دی۔ اس کتاب کا

نام ہی جلی حروف میں یہ لکھا تھا۔

"ننگے رہو"

یہ کتاب ان صاحب نے میرے سامنے کرکے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کتاب کو ضرور خریدوں اور پڑھوں اور کہا کہ مولوی صاحب! یہ کتاب پڑھنے کے قابل ہے اسے ضرور خرید یئے۔ میں نے اس سے کہا بھئی! پہلے تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے سارے کپڑے اُتار دو اور "ننگے رہو" کتاب کو "ننگے رہ کر" بیچو۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں کہ خود تو کپڑے پہنے رہو اور دوسروں کے اُتروانے کی فکر میں رہو۔ یہ بات سُن کر وہ صاحب مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

تو میرے دوستو! نئی تہذیب حیوانیت کا دوسرا نام ہے۔ یہ لوگ حیوانوں کی طرح خود بھی ننگے ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی ننگا کر دینے کے درپے ہیں اور یہ لوگ اگر لباس پہنتے بھی ہیں تو برائے نام۔ ذرا اس نئی تہذیب کے نئے نئے لباس تو ملاحظہ کیجئے۔ لباس کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ قابلِ شرم چیزوں کو وہ چھپاتے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا۔ (پ ع ۹) اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اُتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو۔"

دیکھ لیجئے۔ خالقِ کائنات لباس کا مقصد یہ فرما رہا ہے کہ وہ شرم کی چیزوں کو چھپائے۔ مگر آہ! اس نئی تہذیب کا برائے نام لباس دیکھئے۔ اتنا چست و تنگ کہ جسم کا ہر حصہ اور بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ عورتوں کا لباس دیکھئے سارے ننگے۔ سینہ اور پشت ننگی۔ پنڈلیاں سب ننگی۔ ذرا "بحر" کی شان ملاحظہ فرمایئے کہ رانیں سب ننگی اور آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ تو پھر تو یہ ہی بھلی۔ اور یہ آجکل کا ٹیڈی لباس توبہ توبہ!!! اِدھر چھینک آئی اور اُدھر ٹانکے اُدھڑے۔ بقول

حاجی حق حق ؎

یہ ٹیڈی لڑکیاں لڑکے بنے پھرتے ہیں جو بانکے
یہ سارے ٹڈے ٹڈیاں ہیں اس تہذیب عریاں کے
لباس چست میں جکڑے ہوئے اکڑے ہوئے نکلے!
اِدھر چھینک آئی اور اُدھڑے اُدھر پتلون کے ٹانکے

کسی ٹیڈی کا بٹوہ گر جائے تو کوئی بھی اسے اطمینان سے بیٹھک اُٹھالے۔ مجال ہے جو ٹیڈی جھک کر اپنا بٹوہ ہی اُٹھا سکے۔ ؎

جکڑ کر رکھ دیا پتلون نے جھکنے نہیں دیتی
اُٹھالے جائے کوئی بھی گرے بٹوہ جو ٹیڈی کا
جلال و رعبِ مردانہ نئی تہذیب پر قرباں
گماں ہونے لگا ہے دیکھئے لڑکے پہ لڑکی کا

لباس کیا ہے شکنجہ ہے۔ بھائیو! جو لباس قابلِ شرم چیزوں کو چھپاتا نہیں وہ لباس کیا ہوا۔ ایسا لباس پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ میں ایسی عورتیں بھی ہوں گی جو لَابِسَاتٌ عَارِیَاتٌ یعنی کپڑے پہن کر بھی ننگی ہوں گی۔ استغفر اللہ جو عورت کہلاتی ہی عورت ہے اور جن کا نام ہی "مستورات" وہ اس نئی تہذیب نے ننگی کر ڈالیں۔ حاجی حق حق اپنی ماڈرن مثنوی میں کیا خوب لکھتے ہیں۔ کہ ؎

ہیں زمانے کی عجب نیرنگیاں
تھیں جو مستورات اب ہیں ننگیاں
دی اجازت ماڈرن اسلام نے!
بیوی آسکتی ہے سب کے سامنے

حُسن کا معیار اور بھائیو! پُرانی تہذیب تو یہ چاہتی ہے کہ تمہاری صحت بھی برقرار رہے اور تمہارے اندر خون پیدا ہو اور اس خون سے

تم حسین نظر آؤ۔ مگر یہ نئی تہذیب حُسن کا معیار اور بتاتی ہے۔ ؎

اس زمانے میں نیا ہر طور ہے! حُسن کا معیار بھی اب اور ہے!
حُسن بنتا تھا جو پہلے خون سے آج کل بنتا ہے وہ پتلون سے

مُجاہد میرے بھائیو! اسلامی تہذیب مردِ مومن کو مجاہد بناتی ہے اور وہ اسے یہ درس دیتی ہے کہ ؎

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

مگر اس نئی تہذیب نے کیا ظلم کیا؟ سنیئے ؎

تھے جو اباجان اب ڈیڈی بنے جو کبھی غازی تھے اب ٹیڈی بنے
رقص بھی کرنے لگے وائے ستم
آنچہ یورپ مے کند بوزینہ ہم

اِسلامی تہذیب نے اللہ کی راہ میں کٹ مرنے اور جہاد کا ولولہ عطا فرمایا تھا اور یہ درس دیا تھا کہ ؎

نکلو یوں میداں میں ہاتھوں میں تو شمشیر ہو
اور زبانوں پر تمہاری نعرۂ تکبیر ہو

مگر اس نئی تہذیب میں نقشہ یہ ہے کہ ؎

جن کو تلوار سے محبت تھی! اب وہ ریزر سے پیار کرتے ہیں
ریزر اپنا ہے منہ بھی اپنا ہے! کب وہ دشمن پہ وار کرتے ہیں

اور یہ کہ ؎

وہ جن ہاتھوں میں اے حق حق کبھی تلوار ہوتی تھی
اب اُن میں کنگھی، آئینہ، یا پھر گیند بلّا ہے

اسلامی تہذیب نے مردِ مومن کو اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا ترجمان اور وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا مظہر بنایا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس سے وعدہ فرمایا

ہے کہ تو اپنے جلال کے ساتھ میدانِ جہاد میں کود اور میں سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ان کافروں کے دلوں میں تیرا رعب ڈال دوں گا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ پڑھ کر دیکھئے کہ مردِ مومن کی شجاعت و ہیبت سے دشمنوں کے چھکے چھوٹ جاتے رہے۔

فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ قیصرِ روم نے اپنا ایک ایلچی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ ایلچی مدینہ منورہ پہنچا تو ہر ایک سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا محل پوچھتا رہا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہ امیر المومنین ہیں۔ جو قیصر کی طرح کسی محل میں نہیں رہتے۔ بلکہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور سادہ مکان میں رہتے ہیں۔ لوگوں نے اُسے بتایا کہ ہمارے امیر المومنین کسی محل میں نہیں رہتے بلکہ (مثنوی کا اُردو ترجمہ)

صبر و شکر اس کے ہیں دو حسن وحسین
قصر کی اس شیر کو حاجت نہیں

وہ ایلچی یہ بات سُن کر حیران ہوا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو میں نے یتیموں کے باغ میں دیکھا ہے۔ وہاں چلا جا۔ وہ اللہ کا شیر ایک درخت کے نیچے۔

ظلِّ حق سایہ میں ہے سویا ہوا
یہ عمر ہے جس کا تُو جویا ہوا

چنانچہ وہ ایلچی وہاں پہنچا تو فاروقِ اعظم باوجودیکہ سو رہے تھے۔ مگر

ڈیل میں تھا ایلچی گو ہیل تن
لیکن اس کا کانپ اُٹھا تن بدن
دل میں کہتا تھا الٰہی کیا ہوا
قیصر و کسریٰ کو دیکھا بارہا!

میں نے مارے بیسیوں شیر و پلنگ
پر نہ بدلا تھا کبھی چہرے کا رنگ
کانپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ   آ کے یاں نکلی ہے اب ساری مروڑ
آسمانی رُعب ہے اس شخص کا
ہے خدائی بھید گدڑی میں چھپا

سبحان اللہ! یہ ہے مردِ مومن کا رُعب و جلال۔ کہ سو رہے ہیں۔ پھر بھی جلال و ہیبت کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور دشمن کانپ رہا ہے۔ اسی طرح!

حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ

جنگِ خیبر میں قلعہ خیبر کا مالک مرحب میدان میں نکلا تو اِدھر سے شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ میں تشریف لائے۔ مرحب نے رجزیہ یہ شعر پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اِنِّیْ مَرْحَبٗ
شَاكِیْ السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٗ

یعنی سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ کون مرحب؟ وہ جو مسلح اور تجربہ کار بہادر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کا یہ شعر سُنا تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهَةُ الْمَنْظَرَهْ

"یعنی سُن او مرحب! میں وہ ہوں۔ جس کا نام میری ماں نے شیر رکھا ہے جو جنگل کے شیروں کی طرح مہیب ہے"!

بھائیو! یہ ہے شان مردِ مومن کی اور اسلامی تہذیب کے شیروں کی۔ مگر اس نئی تہذیب کے شیر بھی ملاحظہ فرمائیے

ہمنشیں چل کالجوں کی سرزمینِ پاک دیکھ   چشمِ عبرت کھول اور نیرنگیٔ افلاک دیکھ

ذرہ ذرہ رنگ حسن و ناز میں ڈوبا ہوا
نکہتِ تہذیبِ نَو سے ہر نفس مہکا ہوا
ہر جواں صورت پہ اک محبوبیت چھائی ہوئی
ہر بُتِ نوخیز پر نسوانیت چھائی ہوئی
ہر جواں اک پھول ہے ہر پھول اِک تازہ بہار
ان کا اپ ٹو ڈیٹ فیشن گویا دلہن کا سنگھار
ہاتھ میں اک دو کتابیں منہ میں انگریزی سگار
پان کی سرخی لبوں پر رُخ پہ پوڈر کا نکھار
خوشنما تسمے ہیں پتلی سی چھڑی باندھی ہوئی
پھول سی نازک کلائی پر گھڑی باندھی ہوئی
سر پہ سولا ہیٹ پہنے اک ادائے ناز سے
اے میں صدقے جھومتے آتے ہیں کس انداز سے
اِن سے کیا بَر آئے گی امیدِ پاکستانیاں
نازوالوں میں بھلا ایثار کی ہمت کہاں
قوم کو خوں چاہیئے، جاں چاہیئے، سر چاہیئے
اِن کو دونوں وقت صابن، تیل، پوڈر چاہیئے

اور ان شیروں کی بہادری بھی ملاحظہ فرمایئے :-

لطیفہ ایک جنٹلمین دوسرے سے لڑ پڑا تو غصے میں بولا۔ ابے ایک ایسی چپت رسید کروں گا کہ لاہور پہنچ جاؤ گے۔ دوسرا بولا۔ اور میں ایسا گھونسا ماروں گا کہ دلی پہنچ جاؤ گے۔ پاس سے ایک دہقانی گزر رہا تھا۔ بڑی متانت سے کہنے لگا۔ بابوجی! تھوڑی سی ٹھوکر مجھے بھی لگا دیجو۔ مجھے صرف گوجرانوالہ ہی جانا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ انسانیت نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو انسان بنایا ہے اور اس نئی تہذیب نے انسانیت کو کچلا ہے۔ بھائیو! آپ سن چکے کہ تہذیب نو نے انسانیت کو ننگا کر دیا ہے۔ اسی طرح اس تہذیب نے کھانے پینے کے اسلامی و اخلاقی قواعد و ضوابط کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

کھانا پینا دیکھیے اللہ تعالیٰ نے ہر جانور و حیوان کو پیٹ دیا ہے اور پیٹ کے بھرنے کی ہر حیوان میں فطری خواہش موجود ہے مگر آپ دیکھ لیجئے کہ جب کسی حیوان کو بھوک لگتی ہے یا پیاس لگتی ہے تو اپنے رزق اور پانی کی طرف وہ حیوان اپنا سر جھکاتا ہے۔ گدھے، گھوڑے، گائے، بھینس وغیرہ حتیٰ کہ جنگل کے بادشاہ شیر کو بھی دیکھ لیجیے کہ جب وہ اپنا لقمہ منہ میں ڈالنا چاہتا ہے تو اپنا سر اس لقمہ کی طرف جھکاتا ہے۔ گائے، بھینس، اونٹ، گھوڑا وغیرہ بھوک کے وقت گھاس کی طرف اپنا سر جھکاتے ہیں۔ گویا ہر جانور کھانے پینے کے وقت اپنے رزق کی طرف اپنا سر جھکانے پر مجبور ہے۔ مگر انسان کی شرافت و کرامت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی پیٹ دیا ہے اور اسے بھی کھانے پینے کی احتیاج ہے۔ مگر کھانے پینے کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا کہ دیگر حیوانوں کی طرح یہ بھی رزق کی طرف اپنا سر جھکائے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اسے دو ہاتھ عطا فرما دیئے تاکہ انسان کو جب بھوک لگے تو اس کے یہ ہاتھ اس کا لقمہ اُٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دیں اور سر اس کا جھکے تو اللہ ہی کی بارگاہ میں جھکے۔

میرے بھائیو! اس موقعہ پر اگر میرا کوئی زمیندار بھائی یہ کہے کہ مولوی صاحب! مجھے تو جب کھیتی باڑی کرتے وقت پیاس لگتی ہے تو میں کنوئیں کی نالی میں بہتے ہوئے پانی کو پینے کے لیے نالی سے منہ لگا کر پانی پی لیتا ہوں۔ تو میں کہوں گا کہ بھئی! تم اگر خود حیوانوں کا سا کام کرنے لگو تو اس میں کسی کا کیا قصور! تم خود ہی حیوان بن جاؤ تو یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔

شریعت تو یہ نہیں کہتی شریعت نے تو کھانے پینے کے بھی آداب سکھائے ہیں۔

پینے کے آداب

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا کَشُرْبِ الْبَعِیْرِ
وَلٰکِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰی وَثُلَاثَ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۳)

"یعنی اُونٹ کی طرح منہ لگا کر ایک دم پانی نہ پیو۔ بلکہ دو، دو، تین تین مرتبہ کر کے پیو۔"

اِس ارشادِ پاک میں صاف ممانعت اُونٹ کی طرح پانی پینے کی۔ اور پھر یہ بھی کہ ایک دم نہ پینا چاہیئے۔ بلکہ دو تین مرتبہ کر کے اور سانس لے کر پینا چاہیے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا اچھا لکھا ہے کہ مرغی ہی کو دیکھ لو کہ وہ پانی پینے کے وقت ایک گھونٹ بھر کر پانی دینے والے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنا سر اُٹھا لیتی ہے اور شکر ادا کر کے پھر دوسرا گھونٹ بھرتی ہے۔ بھائیو! کچھ سوچو تو سہی۔ کہ ہم نے عمر بھر میں ٹنوں پانی پی ڈالا۔ مگر کیا کبھی اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

سَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ
وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ (مشکوٰۃ ص۳۶۳)

"یعنی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لو اور پینے کے الحمد للہ" کہو۔

کیونکہ دوستو! کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ اگر جواب ہاں ہے تو بہت اچھا ہے۔ اور اگر جواب "نہیں" ہے تو مقامِ افسوس ہے۔ میرے بھائیو! آجکل کی نئی تہذیب نے "الحمد للہ" کو چھین کر اس کے بدلے "تھینک یو" دے دیا ہے۔ خدا جانے ہم اپنی پیاری تہذیب کو چھوڑ کر کیوں اس نئی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔

کھڑے ہو کر پینا

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ کی طرح پینے

سے منع فرمایا ہے اور اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

لَا یَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِمًا (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲)

"یعنی تم میں سے کوئی کھڑے کھڑے نہ پیئے۔"

سبحان اللہ! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہی انسانیت آموز ارشادات ہیں۔ بھائیو کھڑے کھڑے پینا بھی تو حیوانوں ہی کا کام ہے اور یہ روش آج کل عام ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں نئی تہذیب والے کھڑے کھڑے ہی پیا کریں گے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ یہ ٹی سٹال وغیرہ جہاں لوگ کھڑے کھڑے ہی چائے پیتے ہیں۔ کھڑے کھڑے ہی بوتلیں پیتے ہیں اور بھائیو! اب تو کھڑے رہ کر پینا درکنار۔ نئی تہذیب نے کھانا بھی کھڑے کھڑے ہی کھلانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ آجکل کا ایک فیشن یہ بھی ہے کہ کھانا میز پر چن دیا جاتا ہے اور بیٹھنے کے لیے کرسیاں نہیں رکھی جاتیں۔ بلکہ نئی تہذیب کے پروردہ میز کے اردگرد ہاتھوں میں پلیٹیں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا ڈال کر ٹہلتے ہوئے کھانے لگتے ہیں۔ اگر رفتارِ ترقی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دُور نہیں جب کہ یہ لوگ دوڑ دوڑ کر کھانا کھلایا کریں گے۔ کیوں دوستو! کہاں یہ اسلامی تہذیب کہ بیٹھ کر انسانوں کی طرح کھانا کھایا جائے اور کہاں یہ نئی تہذیب کہ کھانا کھاتے ہوئے یہ معلوم ہو کہ اصطبل میں چند خچروں کو کھول دیا گیا ہے۔ جو اِدھر اُدھر منہ مار رہی ہیں — میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!!

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

یہ کھڑے کھڑے کھانا پینا خود ہی فیصلہ کر لیجئے، کہ حیوانیت ہے یا نہیں؟ اور سنیئے نئی تہذیب کی رُو سے اب تو پیشاب بھی کھڑے کھڑے ہی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب مبارک فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۴۳) کیوں بھائیو! یہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا حیوانوں کا کام ہے یا نہیں؟ ایسے

افراد میں سے اگر کوئی اس حرکت کو "فیشن" بتائے اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو "آؤٹ آف فیشن" بتائے تو میں گزارش کروں گا کہ پھر تو گدھا بھی فیشن ایبل ہی ٹھہرا۔ جو کھڑے کھڑے موتتا ہے۔ گھوڑا اور اُونٹ بھی "اپ ٹو ڈیٹ" ہی ثابت ہوئے جو پیشاب کرنے کے "بیٹھتے" نہیں۔ بھائیو! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے خلاف ہر بات حیوانیت ہی ہے۔ اگرچہ اس کا نام کوئی ترقی رکھ لے۔

لطیفہ

کتنے ہیں۔ ایک ایسے ہی ترقی پسند صاحب کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے کہ ان کے لڑکے نے ابّا جان کو اس ہیئت میں دیکھا اور پوچھا۔ کہ ابّا جان! یہ کیا آپ کھڑے کھڑے پیشاب کر رہے ہیں؟ وہ بولے کہ بیٹا! یہ ترقی کی علامت ہے اور بیٹھ کر پیشاب کرنا پُرانی اور مُلّاؤں کی روائت ہے۔ زمانہ ترقی کر رہا ہے اور مُلّا ابھی تک رجعت پسندی ہی میں ہے۔ بیٹا! تم بھی ترقی پسند ہو۔ اور مجھے خوشی ہو گی جب تم مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر ترقی پاؤگے۔ بیٹا بولا ایسا ہی ہو گا۔ ابّا جان! کچھ دنوں کے بعد وہ صاحب گھر آئے تو دیکھا کہ ان کے لڑکے نے بانس کی ایک سیڑھی دیوار کے ساتھ لگا رکھی ہے۔ اور اُس کے سب سے اُوپر کے ڈنڈے پر چڑھ کر وہ پیشاب کر رہا ہے۔ باپ نے بیٹے کی یہ ہیئت دیکھی تو کہا بیٹا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ وُہ بولا۔ ابّا جان! آپ سے بھی بڑھ کر اور سیڑھی پر چڑھ کر ترقی پا رہا ہوں۔ آپ تو صرف زمین پر ہی کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے نا اور میں آپ سے بڑھ اسی صورت میں سکتا تھا جبکہ سیڑھی پر چڑھ کر پیشاب کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں سیڑھی پر چڑھ کر پیشاب کر رہا ہوں۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ ہے نئی تہذیب کا کرشمہ۔ خدا کا خوف کیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کو مدِّ نظر رکھیے اور انسان بنیئے۔

کھانے کے آداب

میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کھانا

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹو۔ تمھیں کیا معلوم کہ رزق کے کونسے ذرّے میں برکت ہے، اور ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا۔ الغرض سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی تعلیم فرمائی اور انسان کو انسانیت عطا فرمائی ہے۔

میرے بھائیو! یہ تو ہے اسلامی تہذیب کہ کھانا ہاتھ سے کھایا جائے۔

چمچے

اور انگلیاں چاٹی جائیں۔ مگر نئی تہذیب یہ کہتی ہے کہ کھانے کو ہاتھ ہرگز نہ لگایا جائے اور چھری کانٹوں سے کھانا کھایا جائے۔ کسی ایسی ہی دعوت میں اگر کوئی پُرانی طرز کا مسلمان چلا جائے اور جب وہ دیکھے کہ میز پر چھری کانٹے لائے جا رہے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ بیچارا ڈر جائے کہ یہ کھانے کا اہتمام ہے یا اپریشن کا انتظام۔ اس موقعہ پر نئی تہذیب والے کہتے ہیں کہ ان ملّاؤں کو کیا خبر؟ آجکل کی تحقیق کے مطابق ہاتھوں میں جراثیم ہوتے ہیں۔ اگر ہاتھ سے کھانا کھایا جائے تو خطرہ ہے کہ جراثیم پیٹ کے اندر چلے جائیں۔ بھائیو! اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر تو ناک بھی کسی چھری ہی سے صاف کرنی چاہیئے۔ اس لیے کہ ہاتھ سے صاف کرنے کی صورت میں خطرہ ہے کہ جراثیم ناک کے رستے پیٹ کے اندر چلے جائیں۔ کانوں میں کھجلی ہو تو کانوں کو کھجلانا بھی کسی چمچے یا کانٹے سے چاہیے تاکہ جراثیم اسی راستے سے اندر نہ جا گُھسیں۔ کیوں صاحب؟ کیا خیال ہے؟

بھائیو! نئی تہذیب کے ڈھکوسلے ہیں۔ اصل بات اور حقیقت وُہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

فسٹ کلاس کے دو مسافر

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ یہ بات سنائی تھی کہ حیدر آباد دکن کے ایک ڈاکٹر میرے مرید تھے۔ انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ بمبئی جا رہا تھا اور فسٹ کلاس میں بیٹھا تھا میرے ساتھ ایک دوسرا مسافر بھی تھا۔ جو نئی تہذیب کا مکمل چربہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب

کا بیان ہے کہ میرے کھانے کا ٹائم ہوا۔ تو میں نے دستر خوان بچھایا اور گھر کا پکا ہوا کھانا جو میرے ساتھ تھا۔ دستر خوان پر چُنا اور حسبِ معمول ہاتھوں سے کھانے لگا۔ وہ دوسرا مسافر مجھ سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب! فسٹ کلاس کے پسنجر ہو کر آپ کھانا ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ اس قدر رجعت پسندی؟ میں نے کہا کہ صاحب! مجھے رجعت پسندی ہی محبوب ہے۔ آپ اپنی ترقی کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ کچھ دیر بعد ایک جنکشن اسٹیشن آیا اور ان صاحب نے ہوٹل سے اپنے لیے کھانا منگوایا۔ نئی طرز کا کھانا معہ چھری کانٹوں کے آیا اور وہ کھانا کھانے لگے۔ اتفاق دیکھئے کہ انجن گاڑی سے کٹ کر پانی لینے گیا اور پانی لے کر جب پھر گاڑی کے ساتھ لگا تو اس وقت ان صاحب نے کانٹے کے ساتھ لقمہ اُٹھا کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ گاڑی کو زور سے دھکا لگا اور اُدھر وہ کانٹا ان صاحب کے حلق میں جا پھنسا۔ اب وہ چلّائے اور بولے ڈاکٹر صاحب! آپ سچے۔ واقعی کھانا ہاتھ سے ہی کھانا چاہیئے۔

دیکھا میرے بھائیو! کہ یہ نئی تہذیب کس قدر بیکار اور فضول بلکہ خطرناک بھی ہے۔ خدا کرے کہ مسلمان اپنی تہذیب ہی کو اپنائیں اور نئی تہذیب کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر نہ جائیں۔ بھائیو! یہ محض دکھاوا ہی دکھاوا ہے حقیقت کچھ نہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ پیکنگ دلفریب ہے مگر اندر کچھ نہیں۔ کسی کا رنگ کالا ہو اور وہ اپنے سیاہ رُخ پر لاکھ پوڈر و سرخی ملتا رہے۔ اس سے کیا فائدہ؟ ایسا حسن معمولی سے پسینے کے ساتھ بہ جاتا ہے اور پھر وہی کالے کا کالا رنگ سامنے آجاتا ہے۔

عذاب

نئی تہذیب کے یہ جملہ تکلفات سچ پوچھئے تو ایک قسم کا عذاب ہیں۔ یار لوگ اسے ترقی سمجھتے ہیں۔ تو سمجھیں۔ اصل میں یہ عذاب سے کم نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا "یعنی ان کی کثرتِ اموال و اولاد پر آپ

تعجب نہ فرمائیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے انھیں اس دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔"

بھائیو! اس نئی تہذیب کی مختلف پابندیاں جو اس نے اپنے پرستاروں پر عاید کر رکھی ہیں۔ غور کر لیجئے۔ کہ کیا عذاب سے کم ہیں؟ — صبح کا سلام اور۔ دوپہر کا اور۔ اور شام کا اور۔ صبح کا لباس اور۔ شام کا اور۔ اور سونے کا اور۔ آدمی غور کرے تو وہ شرعی پابندیوں کو چھوڑ کر ہزارہا فضول پابندیوں میں خود ہی اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے۔ ایک شرعی زکوٰۃ کو چھوڑا گیا تو ہزاروں فضول خرچ پیچھے پڑ گئے۔ حج کی ایک مقدّس دوڑ یعنی صفا مروہ کی سعی کو چھوڑا تو کئی خطرناک دوڑیں پیچھے دوڑنے لگیں اور گویا یوں کہا گیا کہ تو نے ہماری ایک دوڑ چھوڑی۔ تو جاؤ۔ اب تم دوڑتے ہی رہو۔ کرکٹ کھیلو تو دوڑو۔ فٹ بال کھیلو تو دوڑو۔ نٹ بال کھیلو تو دوڑو۔ پولو کھیلو تو دوڑو۔ صفا مروہ کی دوڑ میں تو آج تک کسی حاجی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ مگر کرکٹ اور پولو کی دوڑ میں کئی کھلاڑی دل پر گیند لگنے سے اور دوڑتے ہوئے گھوڑے سے گر جانے سے بھی مر جاتے ہیں۔ اکثر کھلاڑیوں کے ہاتھ پیر بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایک شرعی فرض یعنی روزہ چھوڑنے سے نئی تہذیب کی بدولت کئی بھوک ہڑتالیں پیچھے پڑ گئیں۔ اور اللہ کا خوف دل سے نکالنے پر اس دل میں کئی دوسرے ڈر اور خوف دل سے نکالنے پر اس دل میں کئی دوسرے ڈر اور خوف پیدا ہو گئے۔ اور گویا یوں کہا گیا کہ تم ہم سے نہیں ڈرتے۔ تو جاؤ۔ ہر کسی سے ڈرتے ہی رہو۔ حتّٰی کہ اپنی والدہ سے بھی ڈرتے ہی رہو۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہی بات؟ بخدا اسلامی تہذیب ایک خداداد نعمت ہے اور یہ نئی تہذیب ایک مصیبت ہے۔ اسی لیے تو اقبالؔ نے بھی کہا تھا کہ۔ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

مگر افسوس کہ آج کل بعض لوگ انہیں گندے انڈوں کو اپنائے ہوئے ہیں، اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان سے "منزلِ مقصود" کا بچہ پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ منزلِ مقصود کے حصول کے لیے تو اسلامی تہذیب کو اپنانا پڑے گا۔

؎ خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

نئی نئی بیماریاں

میرے بھائیو! یہ جو آجکل نئی نئی بیماریاں نکل آئی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ سب اس نئی تہذیب کی "برکات" ہیں جب یہ نئی تہذیب نہ تھی۔ اس وقت یہ آج کل کے بڑے بڑے ہسپتال بھی نہ تھے اور یہ نئی نئی بیماریاں بھی نہ تھیں۔ آپ اکثر دفعہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں شہر میں ایک نئی قسم کی بیماری پھوٹ پڑی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر تحقیق کر رہے ہیں کہ یہ کیا بیماری ہے۔ مگر تا حال فیصلہ نہیں ہو سکا کہ یہ کونسی بیماری ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے سیالکوٹ میں ایک وبائی مرض پھوٹ پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق یہ ایک نئی بیماری تھی ہیضہ بھی نہ تھا۔ بلکہ ہیضہ سے ملتی جلتی کوئی بیماری تھی اور اس کا نام انھوں نے رکھا تھا "معدہ کی مخصوص بیماری"۔ بھائیو! اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اور اس کی گرفت سے محفوظ رہنے کی دعا مانگو۔ ظاہری اسباب بھی اپناؤ۔ مگر اسلامی ہدایات کو بھی قبول کرو۔ ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں ! حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں !

بھائیو! نئی نئی بیماریوں اور مصائب کا آنا ہمارے گناہوں کی بدولت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ

یعنی جو مصیبت بھی ہم پر آتی ہے۔ وہ ہمارے اپنے ہی اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتی ہے: ؎ جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

مگر افسوس کہ نئی تہذیب میں اپنے گناہوں پر تو نظر پڑتی نہیں اور ان مصائب کے ظاہری اسباب اور فلسفیانہ وجہیں بیان کرنے لگتے ہیں۔ سیلاب آیا تو کہہ دیا کہ دریاؤں کی زمین کی سطح بلند ہو گئی ہے۔ زلزلہ آیا تو کہہ دیا کہ گندھک کا پہاڑ پھٹ گیا ہے۔ نئی تہذیب کی نظر بس یہیں تک پہنچتی ہے۔ مگر اسلامی تہذیب ان سب ظاہری اسباب کے خالق و مسبب کو دیکھتی ہے اور وہ یہ بتاتی ہے کہ اپنے خالق و مالک کو راضی کر لو۔ تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو وہ گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ وہ بزرگ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور خدا کے حضور عرض کرنے لگے۔ الٰہی! آج یقیناً مجھ سے تیری کوئی نافرمانی ہوئی ہے۔ اسی کی وجہ سے یہ گھوڑا میری نافرمانی کر رہا ہے۔ سچ ہے ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ !
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ !

نئی اور پرانی تہذیب میں ایک فرق

میرے بھائیو! ایک موٹی بات کہہ دوں کہ اسلامی تہذیب کے پیشِ نظر تو اللہ ہے اور نئی تہذیب کے پیشِ نظر محض دنیا ہے۔ اس پر ایک حکایت سن لیجئے۔ ایک بزرگ کے مرید ان بزرگ کی لونڈی پر فریفتہ ہو گئے۔ حضرت شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس لونڈی کو ایک تیز جلاب دے دیا۔ لونڈی کو دست آنے شروع ہوئے تو حضرت نے بھنگن سے کہا کہ اس کے سارے دست ایک مٹکے میں جمع کرتی جاؤ۔ بہت زیادہ دست آنے سے لونڈی کا رنگ پیلا پڑ گیا اور اس کے چہرے کی ساری رونق اور حسن و جمال جاتا رہا۔ اس کے بعد آپ نے اس مرید کو طلب فرمایا اور جب آپ نے وہی لونڈی اس کے سامنے پیش کر دی۔ اس نے جو اسے دیکھا تو بجائے

ملتفت ہونے کے اس کو ایک نفرت پیدا ہوئی اور اس کی طرف کچھ بھی التفات
نہ کیا۔ اس لیے کہ اس کا عشق تو اس کے رنگ و روغن کی وجہ سے تھا جو دست
آنے سے باقی نہ رہا تھا۔ حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ وہ نجاست بھرا
مٹکا لاؤ۔ چنانچہ وہ مٹکا لایا گیا اور آپ نے اس مرید سے فرمایا کہ لو تمہارا محبوب
اس مٹکے میں موجود ہے۔ اس لیے کہ یہ لونڈی تو وہی ہے۔ جو پہلے تھی۔ اس
میں صرف یہی نجاست کم ہوگئی ہے۔ جس وجہ سے تمہارا اس کی طرف میلان
باقی نہیں رہا۔ معلوم ہوا کہ اصل محبوب تمہارا یہی ہے جو مٹکے کے اندر ہے۔
افسوس کہ تم محبوبِ حقیقی کو چھوڑ کر اس گندگی پر گرے تھے۔ ؎

عشق ہائے از پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار
عشق را باحیّ و باقیوم دار

بھائیو! سمجھے آپ؟ کہ نئی تہذیب کا میلان دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور
فانی رنگ و روغن کی طرف ہے اور اسلامی تہذیب کے پیشِ نظر محض خالقِ حسن و جمال
کی ذات ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں "اپ ٹو ڈیٹ" ہونے سے بچائے،
اور سچا مسلمان بننے کی توفیق دے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

۳۴
چونتیسواں وعظ

اُسوۂ حسنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(پ ۲۱ ع ۱۹)

حضرات! آج میں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "اُسوۂ حسنہ" کے متعلق
کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ "اُسوہ" کا معنیٰ ہے "پیشوائی" خداوند کریم جل شانہٗ نے
اس آیت کریمہ میں ہمیں مخاطب فرما کر فرمایا ہے کہ بیشک تمہارے لیے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں بہترین پیشوائی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سوا دنیا بھر کے لیے اور کوئی دوسرا پیشوا نہیں ہے اور زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اگر کسی کی ذاتِ گرامی کامل نمونہ اور بہترین پیشوا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے مگر یہ حقیقت ہے کہ جو جامعیت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ وہ کسی اور پیغمبر میں نظر نہیں آتی۔ انبیاء سابقہ علیہم السلام مخصوص قوموں، مخصوص ملکوں اور مختلف زمانوں کے لیے تشریف لاتے رہے اور ان کی تعلیمات بھی مخصوص پہلوؤں ہی کے لیے تھیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو دیکھئے تو آپ میں جلوۂ جمال نمایاں نظر آتا ہے۔ ساڑھے نو سو برس کی عمر تبلیغ میں آپ نے قوم کو دن رات وعظ سنایا۔ مگر وہ بدنصیب ایمان نہ لائے۔ تو آپ نے ان کے حق میں دعائے عذاب مانگ لی اور فرمایا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔

یعنی اے میرے ربّ! ان بے دینوں کو جڑ سے اکھیڑ دے اور ان کا بیڑہ غرق کر دے۔

چنانچہ آپ کی اس پیغمبرانہ جلال آمیز دعا کا یہ اثر ہوا کہ ایک ہولناک اور فقید المثال سیلاب آیا جس سے بجز چند مومن افراد کے جو کشتی پر سوار تھے کوئی انسان نہ بچ سکا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو دیکھیے۔ آپ کی ذاتِ گرامی میں بھی جلال نمایاں نظر آتا ہے اور اس سے بڑھ کر جلوۂ جلال اور کیا ہوگا کہ ملک الموت جان مبارک قبض کرنے کو آیا تو آپ نے اسے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

(دیکھئے مشکوٰۃ شریف باب ذکر الانبیاء ص ۴۹۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر جب

فرعون کی ہدایت کے لیے اس کے پاس چلے تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ——— "یعنی فرعون سے بات نرمی سے کرنا"۔

سبحان اللہ! کیا شانِ جلال ہے کہ پروردگارِ عالم حضرت سے فرما رہا ہے کہ موسیٰ! اس ملعون کے پاس جا تو رہے ہو مگر دیکھنا وہاں جلال آمیز گفتگو نہ فرمانا۔ بلکہ نرمی سے ہدایت فرمانا۔

سراپا جمال

بھائیو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شانِ جلال کو دیکھا آپ نے؟ کہ خدا تعالیٰ نرم گفتگو فرمانے کا فرما رہا ہے اور ایک ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ جمال بھی ہے کہ بس رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے حضور سے یوں ارشاد فرمایا کہ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اے رحمتِ عالم! ان بے دینوں پر کبھی شدت و سختی بھی فرمایا کیجئے۔ چنانچہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمتِ عالم ہونے کے باوجود حسب موقعہ شدت بھی اختیار فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی کا صرف ایک ہی پہلو واضح ہے اور وہ جلال و جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے اور اس پہلو کے سوا ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق و واجبات اور فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ ان کے سامنے موجود نہیں۔ مثلاً میاں بیوی کے حقوق، باپ، بیٹے، بھائی، دوست و احباب کے متعلق احکام اور مال و دولت کے خرچ کرنے کے مصارف ان کا ذکر ان کی کتاب سیرت میں نہیں ملتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک سیرتوں میں بھی بعض مخصوص پہلوؤں پر تو روشنی پڑتی ہے۔ مگر زندگی کے ہر شعبہ کے لیے کامل نمونہ کوئی سیرت نظر نہیں آتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو دیکھئے تو وہاں صرف عفو و کرم اور حلم و تواضع ہی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ

آپ کی یہ تعلیم تو مشہور ہی ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسری گال بھی آگے کر دو۔ کہ لو اس پہ دوسرا طمانچہ بھی مار لو (دیکھئے انجیل متی) آپ کی کتاب سیرت میں حکومت و سلطنت۔ جلال و انتقام اور میاں بیوی کے حقوق کے متعلق کوئی باب نظر نہیں آتا۔

جامعیت

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے "جامعیت" ایک ضروری شرط ہے۔ یعنی مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت و روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا فردِ انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "نمونہ کی زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں۔

ہمارا دعوےٰ ہے کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام میں صرف ایک سید الانبیاء حضور احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ایک ایسی ذات گرامی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ایک کامل نمونہ ہے اور قیامت تک کے لیے مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے آپ ہی کی ذاتِ پاک میں مکمل و بہترین پیشوائی موجود ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شہنشاہ کشور کشا بھی ہیں اور عابد و زاہد بے ریا بھی ہیں۔ یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کے غمخوار بھی ہیں۔ عدیم المثال سپہ سالار بھی ہیں۔ سلطان دو عالم اور امیر بھی ہیں۔ غرباء و مساکین اور بے سہاروں کے دستگیر بھی ہیں اور شوہر و باپ اور دُرِّ یتیم بھی ہیں۔ جری و قوی دلیر اور بے نظیر بہادر بھی ہیں۔ امین و سخی اور تاجر بھی ہیں۔ الغرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کے لیے آپ کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی موجود ہے اور سارے عالم کے لیے آپ کی ذات بابرکات ایک کامل و اکمل نمونہ ہے اور اس شعر کی پوری پوری مصداق کہ ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حکومت و سلطنت

میرے بھائیو! آج اگر عیسائیوں سے دریافت کریں کہ تمہیں جو انگلستان یا بعض دیگر ممالک میں حکومت و سلطنت حاصل ہے تم اپنے پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی کتاب سیرت سے حکومت و سلطنت کے متعلق احکام و دستور نکال کر دکھاؤ اور اپنے پیغمبر کی عملی زندگی کے مطابق اپنی حکومت چلا کر دکھاؤ۔ تو بھائیو! عیسائی اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تو اپنی مبارک زندگی زاہدانہ و متوکلانہ گزاری ہے اور انھوں نے کبھی کسی ملک پر حکومت اختیار ہی نہیں فرمائی یعنی آپ کسی ملک کے فرمانروا نہیں رہے اور سلطنت کے آپ بانی نہ تھے۔ پھر آپ کی کتاب سیرت میں حکومت و سلطنت کا باب ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عیسائی اپنے پیغمبر کی کتابِ سیرت سے میاں بیوی کے حقوق اور اولاد کی تربیت کے متعلق کوئی نمونہ یا حکم دیکھنا چاہے تو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے کہ حضرت عیسےٰ عیسیٰ علیہ السلام نے تو شادی کی ہی نہ تھی۔ پھر آپ کی ذات گرامی میں میاں بیوی اور اولاد کے متعلق حقوق و مسائل کا عملی نمونہ کیسے نظر آئے۔

لطیفہ

میں نے ایک اردو رسالے میں ڈاکٹر اقبال صاحب کے متعلق ایک واقعہ پڑھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب جب یورپ گئے تو وہاں ایک "عیسائی لیڈی" ڈاکٹر صاحب کی بیوی بننے کے لیئے تیار ہو گئی۔ اور ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا آپ سے عقد ہو جائے۔ مگر میں عیسائی ہوں اور آپ مسلمان۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ بھی عیسائی ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا اور بڑا ہی مزیدار جواب دیا۔ کہا کہ "تم اگر واقعی میرے نکاح میں آنا چاہتی ہو تو اس کی یہ صورت

نہیں کہ میں عیسائی ہو جاؤں۔ اس لیے کہ عیسائی ہو کر ہمیں اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت کو دیکھنا پڑے گا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی عملی سنت یہ ہے کہ آپ نے نکاح کیا ہی نہ تھا تو اس طرح پھر ہمارا نکاح ہو ہی نہ سکے گا۔ ہاں اگر میرے نکاح میں آنا ہی چاہتی ہو تو تم مسلمان ہو جاؤ اور حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لو۔ اس لیے کہ نکاح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور میاں بیوی کے مکمل حقوق و مسائل کی حضور کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی موجود ہے۔ یہ بات سن کر اس لیڈی نے پیچھا چھوڑ دیا۔

رحمت عالم

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ آج عیسائی ماں باپ کے ہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا دعوےٰ ہے کہ وہ حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی رحمت کے صدقہ میں آتا ہے اور وہ بچہ زبانِ حال سے اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ کہ لوگو! میں جو دنیا میں آیا ہوں۔ تو یہ صدقہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس لیے کہ میرے ماں باپ اپنے پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی سنت پر عمل کرتے تو نکاح ہی نہ کرتے۔ اور اگر وہ نکاح ہی نہ کرتے تو میں دنیا میں یا تو آتا ہی نہ۔ اور اگر آ بھی جاتا تو سب مجھے "ناجائز بچہ" کہتے۔ مگر میں جو دنیا میں ایک جائز بچہ کی صورت میں آیا ہوں۔ تو یہ اس لیے کہ میرے ماں باپ نے حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ نکاح پر عمل کیا تو گویا ایک میرا ہی نہیں بلکہ ہر عیسائی مولود کا وجود جیتا جاگتا ہے۔ شاہد ہے اس بات کا کہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔

پڑھئے درود شریف۔ ؎

شاہِ معظم نورِ مجسم! صلے اللہ علیہ وسلم
باعثِ دنیا رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم

اُن کا آنا رَبّ کی رحمت دُنیا بھر میں ان کی برکت
وہ جو نہ ہوتے ہوتے کب ہم صلے اللہ علیہ وسلم
سب سے بڑھ کر اُن کا پایا اُن کا پایا کس نے پایا
سب سے اونچا ان کا پرچم صلے اللہ علیہ وسلم
صلے اللہ علیہ وسلم
صلے اللہ علیہ وسلم

رحمت

میرے بزرگو اور دوستو! یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ ہر نعمت کا اصل اور حقیقی دینے والا اللہ ہی ہے۔ مال و دولت اور اولاد وغیرہ اُسی کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ کسی کو اولاد اگر ملتی ہے تو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے۔ مگر بھائیو! اللہ کی رحمت، رحمت اسی وقت ہے۔ جب کہ درمیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ آجائے اور اگر حضور کا وسیلہ درمیان نہ رہے تو پھر وہ رحمت نقطہ لے کر آتی ہے اور زحمت بن جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں سے پاک و منزہ ہے۔ اس کی شان لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے، نکاح کرنا تو حضور علیہ السلام کی سُنّت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جب کسی اپنے بندے کو بچہ دینا چاہتا ہے تو اس کا گویا یہ اعلان ہوتا ہے کہ اے میرے بندے مجھ سے اگر اولاد کی "رحمت" کے طلب گار ہو تو میرے اور اپنے درمیان میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے آؤ یعنی میرے محبوب کی سنت نکاح پر عمل کر لو۔ نکاح کر لینے کے بعد جو بچہ تمہیں ملے گا۔ وہ میری رحمت ہی ہوگا۔ اور اگر بغیر میرے محبوب کی سنت کے وسیلہ کے کوئی بچہ مجھ سے لیا۔ تو وہ "رحمت" بھی تمہارے لیے "زحمت" بن جائے گی۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہی بات۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر اگر کچھ ملا بھی۔ تو وہ رحمت نہیں زحمت ہے۔ تو پھر کیوں نہ ہم کہیں کہ ؎

رافع نافع دافع شافع کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

رَبّ معطی ہے یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اِس کی بخشش اُن کا صدقہ دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر نعمت اور اس کی ہر رحمت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم سے ملتی ہے۔

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد

چنانچہ شارح بخاری حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السِّرِّ مَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ اَمْرٌ اِلَّا مِنْهُ وَلَا يَنْقُلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ (مواہب لدنیہ صـ۶ جلد ۱) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رازہائے حق کے خزانہ ہیں اور امر الٰہی کے جائے نفاذ ہیں۔ کوئی حکم صادر نہیں ہوتا۔ مگر حضور کے دربار سے۔ اور کسی کو نعمت نہیں ملتی۔ مگر حضور ہی کی سرکار سے۔"

دیکھا آپ نے کہ بڑے بڑے محدثین کرام علیہم الرحمۃ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اللہ کی ہر نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم سے ملتی ہے۔ پھر ہم کون ہیں جو حضور کے محتاج نہ ہوں اور ان سے طلب نہ کریں اور ان سے فریاد نہ کریں۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ اس نے اپنی ساری مخلوق پر رحمت فرمانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا ہے اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے تو اب میری مخلوق میں سے تمہارے پاس کوئی مانگنے کے لیے آئے تو اُسے جھڑکنا مت۔ میں نے تمھیں دیا ہے۔ تم میری مخلوق کو دو۔ ساری کائنات تمہاری محتاج۔ تم میرے محتاج۔ مخلوق تم سے مانگے۔ تم مجھ سے مانگو۔ میں تمھیں دوں۔ تم میری مخلوق کو دو۔ میں

تمہارا داتا تم کائنات کے داتا۔ میں نے ایک رُباعی میں لکھا ہے کہ ؎

ہم منگتے ہیں احمد کے وہ داتا ہے ہمارا!
جو مانگیں گے ہم اس سے ہمیں دیگا وہ پیارا
گر شور مچاتے ہیں یہ منکر تو مچائیں!
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را

وسیلہ

میرے بھائیو! وسیلہ کا مسئلہ سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کردوں۔ دیکھیے آپ نے اگر چائے بنانا ہو اور آپ کے پاس چینی بھی ہو۔ چائے کی پتی بھی پانی بھی اور آگ بھی۔ مگر باوجود ان سب چیزوں کے آپ چائے تیار نہیں کرسکتے۔ آپ آگ سے اگر کہیں کہ اے آگ! یہ دیکھ میرے پاس پانی بھی ہے۔ چینی اور پتی بھی۔ تو میرے پانی کو گرم کرکے چائے تیار کردے۔ تو آگ کا یہ جواب ہوگا کہ میں نے مانا کہ تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ مگر میری حرارت سے اگر مستفید ہونا ہے اور اپنا پانی گرم کرنا ہے تو میرے اور پانی کے درمیان ایک وسیلہ پیدا کرو۔ یعنی "دیگچی" مہیا کرکے آؤ۔ دیگچی کو میرے اور پانی کے درمیان رکھ کر دیگچی مجھ پر رکھو اور پانی دیگچی میں ڈالو۔ پھر میں تو دیگچی کو گرم کروں گی اور دیگچی مجھ سے فیض لے کر پانی کو گرم کرے گی۔ اس لیے کہ پانی کا براہِ راست مجھ سے تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔ ضرورت ہے ایک ایسے واسطہ کی جس کا ایک رُخ میری طرف ہو اور ایک پانی کی طرف۔ اِدھر لے اور اُدھر دے۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہ درست بات۔ اور اگر کوئی وسیلہ کا منکر یوں کہنے لگے کہ نہیں صاحب نہیں! ہٹاؤ اس دیگچی کو درمیان سے۔ تو دیکھ لیجئے کہ اگر دیگچی کو درمیان سے ہٹا لیا گیا اور پانی کو براہِ راست آگ کے اوپر ڈال دیا گیا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آگ ناراض ہوجائے گی اور ایسی ناراض کہ نظروں سے غائب ہی ہوجائے گی (یعنی بجھ جائے گی) اور یوں کہے گی کہ اے نادان! یہ تو نے کیا کیا کہ وسیلہ کو بیچ سے ہٹا کر مجھ سے فیض پانا چاہا۔ مجھ سے اگر کچھ

حاصل کرنا تھا تو وسیلہ کا دامن پکڑ کر مجھ سے کچھ لیتے اور اگر تم وسیلہ کو چھوڑ بیٹھے ہو تو یہ لو میں چلی۔

بھائیو! بلا تشبیہ ہمارے پاس دل بھی ہے اور جذبۂ توحید بھی اور اُدھر اللہ کے عشق و معرفت کی آگ بھی موجود ہے۔ مگر اس آگ سے اگر اپنے دلوں کو گرمانا ہے تو ضرورت ہے۔ اس امر کی کہ ہم وسیلہ عظمیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکات کو درمیان میں لاکر اس آگ سے اپنے دلوں کو گرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عشق و معرفت کی آگ سے ہمارے دلوں کو گرمانے کے لیے یہ وسیلۂ عظمیٰ اپنے فضل سے خود پیدا فرمایا ہے اور یہ ایک ایسا وسیلہ ہے۔ جو ع

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

کے مطابق ایک ہاتھ آپ کا اللہ کے یدِ قدرت میں ہے اور ایک ہاتھ امت کے ہاتھ میں۔ اُدھر اللہ سے لیتے جاتے ہیں اور امت کو دیتے جاتے ہیں اور اگر یوں کہے کہ نکالو اس وسیلہ کو درمیان سے تو سمجھ لیجیئے کہ خدا ناراض ہو گیا اور اس کی رحمت غائب ہو گئی اور اس کا یہ اعلان ہوا کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔

"یعنی ان لوگوں کو اگر خدا کی مغفرت و رحمت درکار تھی۔ تو (اے محبوب) تیرے پاس آتے"۔

سبحان اللہ! کیا شانِ والا ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی، کہ اللہ تعالیٰ اپنے مجرموں کی رہائی کے لیے حضور کے دربار میں حاضری کا ارشاد فرما رہا ہے۔ یعنی مجھ سے اگر کچھ پانا ہے تو یہاں آؤ۔

بخدا خدا کا یہی ہے در۔ نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اعلیحضرت کا عشقِ رسول

یہ اعلیحضرت کا شعر ہے۔ اور کیا ہی ایمان افروز اور بحقیقت مآب شعر ہے۔ اسی نعتِ پاک کا

ایک اور شعر سنیئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب۔ ہے انھیں سے سب ہے انھیں کا سب
نہیں ان کی مِلک میں آسمان کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کیا اچھا فرمایا۔ کہ انھیں کی بدولت سب کچھ پیدا ہوا۔ اور انھیں کو عطا بھی سب کچھ فرما دیا گیا۔

بیشک! بیشک! ہمارا ایمان ہے کہ حضور ساری کائنات کے باذن اللہ مالک و مختار ہیں۔ بھائیو! اس شان کا آقا اور کس امت کو ملا ہے؟ زہے نصیب ہمارے۔ اسی لیے اعلیحضرت فرماتے ہیں کہ ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے نام پر میری جان فدا ہو۔ اور صرف میری ہی ایک جان کیا یا رسول اللہ۔ یہ دونوں جہان آپ کے نام پر فدا ہوں۔ مسلمانو! ذرا اعلیحضرت کا عشقِ رسول دیکھیئے۔ فرماتے ہیں۔ حضور! کہاں آپ کی شانِ والا اور کہاں یہ دو جہان۔ یہ جہان بھی کیا چیز ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

میرے آقا! دو جہاں فدا کرکے بھی دل سیر نہیں ہوا۔ مگر کروں کیا۔ کہ دو جہان دو ہی ہیں۔ کروڑوں نہیں ہیں۔ اگر کروڑوں جہان ہوتے تو کروڑوں جہان ہی آپ کے نام پر فدا کر دیتا۔ اعلیحضرت واقعی سچے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ مقطع میں فرماتے ہیں کہ ؎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا!

یعنی میں دولت والوں کی مدح و تعریف کیوں کروں۔ اس بلا میں میری بلا پڑے۔

"کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا!"

"میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں"

سبحان اللہ! میں گدا ہوں اپنے کریم کا "میں گدا ہوں اپنے رسول کا"

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

خدا کی سو سو رحمتیں نازل ہوں مرقدِ اعلیحضرت پر کیا ہی درسِ عشقِ مصطفےٰ دے گئے اور کتنے بے خبر اور ناآشنائے عشقِ مصطفےٰ ہیں وہ لوگ جنھیں اعلیحضرت سے خواہ مخواہ کا عناد ہے۔

ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ انبیاء سابقہ علیہم السلام کی مبارک زندگیاں زندگی کے مخصوص پہلوؤں کے لیے تو مشعلِ راہ بنیں۔ مگر زندگی کے ہر پہلو کے لیے مشعلِ راہ صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مبارک زندگی ہے اور ہر فردِ انسان کے لیے ہمارے حضور کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی موجود ہے۔

آپ سن چکے کہ اگر کوئی بادشاہ و فرمانروا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی سے حکومت و سلطنت کے متعلق عملی ہدایات لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔ مگر آئیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ کہ آپ ایک حاکم و فرمانروا کو بھی مخاطب ہو کر فرمائیں گے کہ آؤ میرا دامن تھام لو۔ میں نے ملکِ عرب پر فرمانروائی بھی فرمائی ہے اور میری ذاتِ گرامی میں فرمانروائی و حکومت کے لیے بھی پیشوائی موجود ہے اور اس شعبہ کے لیے بھی میری ذاتِ پاک کامل نمونہ ہے۔

سلطانِ عرب میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار اور سلطانِ عرب بھی ہیں۔ آپ نے عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی جو کام کیے۔ وہ سارے عالم کے بادشاہ ہر ہیں اور کوئی بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور کے دورِ حکومت میں دنیا کی کچھ ایسی کایا پلٹی کہ "اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا" کے مطابق حضور نے جہالت کی تاریکی کو دور فرما کر نورِ علم سے سب کو منور فرما دیا۔ ظالموں کو محسن و ایثار پیشہ بنا ڈالا۔ مغروروں اور فرعون مزاجوں کو منکسر المزاج اور متواضع و حلیم بنا دیا۔ ظلم و ستم کو مٹا کر عدل و انصاف

کا سکہ جاری فرما دیا۔ فاقہ کشی کو راحت و آسائش کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ غلاموں اور عورتوں کو ظلم و ستم سے بچا کر انھیں عزت کے مقام پر بٹھا دیا۔ شیر و بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پلا دیا۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا　　خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دنیا بھر کے بادشاہوں، حاکموں اور فرمانرواؤں کے لیے بھی حضور کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی و نمونہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مثالی فرمانروائی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود و عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا بننے کی درخواستیں کیں۔ حضور ہی کی حکومت کے آئین تھے۔ جنھیں سن کر قیصرِ روم نے دربارِ عام میں اقرار کیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو میری اس قدم گاہ تک "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبضہ ہو جائے گا اور ہو کر رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی اور آپ کی اقتداء میں اسلام میں ایسے ایسے حکمران نظر آئے کہ جن کے سنہری کارنامے رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کو لیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ان کی پیشوا تھی اور یہ اپنے آقا کی پیشوائی میں ایک ایسے عظیم الشان فرمانروا تھے کہ قیصر و کسریٰ ان کا نام سن کر بھی کانپ جاتے تھے۔ مگر ان کی سادگی اور رعایا پروری کا یہ عالم تھا کہ لباسِ اقدس میں پیوند لگے ہوتے ہیں اور ساری ساری رات مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پہرہ دیتے پھرتے ہیں۔ اور یہ سب صدقہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس پیشوائی کا۔ کہ آپ سلطانِ عرب نہیں بلکہ سلطانِ دوجہان ہیں۔ مگر سادگی اس قدر مرغوب ہے کہ آپ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں تشریف فرما ہوتے تو نووارد کو پتہ نہ چلتا کہ ان میں سلطان کون ہے اور دربان کون؟

حضور نے دربارِ عام میں بیٹھنے کی کوئی خاص نشست گاہ نہ بنا رکھی تھی، نہ کوئی کرسی تھی نہ تخت، عرش نشین ہو کر آپ فرش پر ہی تشریف فرما کر مقدمات سنتے اور فیصلے فرماتے۔ وہیں فوجیں مرتب ہوتیں۔ وہیں سے حکومتوں کے نام نامہ و پیام جاری ہوتے۔ نہ کوئی تکلف تھا اور نہ کوئی خرچ۔ باوجود اس سادگی کے رعب و دبدبہ سرکار کا اس قدر تھا کہ دشمن سامنے آتے ہی لرزہ براندام ہو جایا کرتا تھا۔

شاہِ فارس کا انجام

چنانچہ شاہِ فارس نے اپنے ماتحت صوبہ یمن کے حاکم کو حکم بھیجا کہ بہت جلد دو پہلوان بھیج کر مدعی نبوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر اتار کر (معاذ اللہ) میرے پاس بھیج دے یا زندہ گرفتار کر کے یہاں بھیج دے۔ حاکم یمن نے اس حکم کے مطابق دو قوی پہلوان ایک کا نام بانویہ دوسرا خرخسرہ یمن سے مدینہ منورہ کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے یا گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیئے۔ یہ دونوں پہلوان جب یمن سے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تو حضور کو اطلاع ملی کہ دو پہلوان فارس سے حکم پا کر حضور کو ایذا دینے کے لیے آ رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان میرے مہمانوں کو بڑے اخلاق کے ساتھ اچھے نفیس مکان میں ٹھہراؤ۔ اور اُن کی خوب مہمانداری کر کے جب تکان دُور ہو جائے۔ میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں پہلوانوں کو مدینہ منورہ پہنچنے پر بڑے آرام سے چند روز رکھا گیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش کیا گیا۔ یہ دونوں پہلوان جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر کئے گئے۔ تو دونوں بید لرزاں کی طرح کانپنے اور لرزنے لگے۔ پیروں میں جنبش اور ہاتھوں میں رعشہ اور زبانوں میں لکنت تھی۔ حضور نے انھیں بیٹھنے کی اجازت دی مگر وہ فرطِ رُعب سے بیٹھ نہ سکے اور اوندھے منہ گر گئے۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ تمھیں کس نے بھیجا ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بولے کہ شاہ فارس نے

آپ کے قتل کے لیے ہمیں بھیجا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ شاہ فارس تو آج ہی رات کو اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔ اب تم کس کے حکم سے میرے پاس آئے ہو۔ جاؤ حاکم یمن کو شاہِ فارس کے قتل کی خبر کرو۔ حضور نے ان دونوں مجوسیوں کی داڑھی منڈی ہوئی اور مونچھیں بہت بڑھی ہوئی دیکھ کر فرمایا۔ کہ ایسی مکروہ صورت تم نے کیوں بنائی ہے۔ وہ بولے۔ ہمارے بادشاہ کا یہی حکم ہے حضور نے فرمایا کہ میرے بادشاہ کا مجھے یہ حکم ہے کہ میں مونچھیں کترواؤں اور داڑھی بڑھاؤں۔ پھر یہ دونوں پہلوان شاہ فارس کی موت کی خبر سُن کر جب حضور کے پاس سے باہر نکلے تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے اس قدر رعب بڑے بڑے بادشاہوں میں بھی نہیں پایا۔ جیسا کہ ان کا دیکھا ہے۔ اگر تھوڑی دیر ہم اور وہاں بیٹھے رہتے تو ہم مر ہی جاتے۔

بڑے دربار دیکھے اور شہنشاہِ زمیں دیکھے
محمّد کی کچہری سے مگر جلوے نہیں دیکھے

یہ لوگ جب واپس یمن پہنچے تو شاہِ فارس کے مرنے کی خبر وہاں بھی پہنچ گئی۔

مونچھیں

میرے بھائیو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ داڑھی منڈانا اور مونچھیں بڑھانا یہ سنتِ مجوس ہے اور سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹانا ہے۔ میرے بھائیو! ذرا سوچو تو سہی۔ کہ آج یہ مرض بھی کس قدر عام ہے۔ مسلمان کے چہرے پر داڑھی کا ہونا ضروری ہے اور مونچھیں بھی ہوں۔ مگر نہ اِس قدر کہ مُونچھ کی بجائے "پونچھ" نظر آئے۔

علمی لطیفہ

یہاں مجھے ایک پُر لطف لطیفہ یاد آیا۔ دہلی کے ایک نواب صاحب ایران سے فارسی سیکھ کر آئے اور خوب استعداد بہم پہنچائی۔ ایک ایرانی زادے نے سُنا تو نواب صاحب سے کہا۔ نواب صاحب اپنا کوئی شعر تو سُنائیے۔ نواب صاحب نے فی البدیہہ شعر کہا۔

سیہ چوڑی[1] بدستِ آں نگارے نازنیں دیدم بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے آتشیں دیدم

[1] چوڑی

ایرانی زاد تف تف کرنے لگا اور کہا اتنی طوالت! اس قدر درازی۔ بس اتنا کافی تھا۔ ے

سیہ چوری بدست آں نگارے ... بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے

ناظرین فیصلہ فرمالیں کہ اس طوالت کے مقابلہ میں یہ اختیار کتنا پسندیدہ ہے۔ بھائیو! مونچھوں کی طوالت پہلا شعر ہے اور ان کا اختصار دوسرا شعر۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں حکمرانوں اور سلطانوں کے لیے بھی پیشوائی موجود ہے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر اسلام میں ایسے ایسے عادل اور انصاف پسند فرمانروا نظر آتے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

عدالتِ اسلام

چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے رموزِ خودی میں ایک مسلمان فرمانروا کا قصہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ے

بود معمارے در اقلیم خجند ... در فنِ تعمیر نامِ او بلند

یعنی ملک خجند میں ایک نامور معمار تھا جس کے فن کا شہرہ دور دور تک تھا ے

ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد ... مسجدے از حکمِ سلطان مراد

بادشاہ خجند سلطان مراد کے حکم سے اس نے ایک مسجد تعمیر کی یعنی بادشاہ کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اس کی مملکت میں ایک عظیم الشان مسجد تیار ہو۔ چنانچہ اس نے اس نامور معمار کو بلا کر حکم دیا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرے اور شاہی خزانے سے جس قدر سرمایہ درکار ہو لے اور ایک عظیم الشان مسجد تیار کرے۔ اس معمار نے بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے مسجد تیار کرنا شروع کی اور جب وہ اس مسجد کو تیار کر چکا تو بادشاہ کو اطلاع دی کہ مسجد تیار ہے آکر ملاحظہ فرمائیے۔ بادشاہ آیا اور مسجد کو دیکھا مگر ے

خوش نیامد شاہ را تعمیرِ او
خشمگیں گردید از تقصیرِ او

بادشاہ کو اس کی تعمیر پسند نہ آئی اور وہ اپنی اس ناپسندیدگی کی بنا پر چند غصہ میں آگیا اور غصہ میں آکر کیا کیا ے

آتش سوزندہ از چشمش چکید
دستِ آں بیچارہ از خنجر برید

اس قدر غصہ میں آیا کہ اس کی آنکھوں سے آگ برسنے لگی اور غصہ میں آکر اس نے اس معمار کا ہاتھ کاٹ دیا۔ مسلمانو! دیکھنا ذرا ایک طرف سلطانِ وقت ہے اور ایک طرف ایک غریب معمار۔ سلطانِ وقت نے اس غریب کا ہاتھ کاٹ دیا تو کیا وہ اس خیال سے کہ معاملہ بادشاہ سے ہے۔ خاموش بیٹھا رہا؟ اور اس ڈر سے کہ کہیں اور آفت نازل نہ آجائے۔ چپ رہا؟ نہیں نہیں!! بلکہ ے

جوئے خوں از ساعدِ معمار رفت ... پیشِ قاضی ناتواں و زار رفت

اس بازو سے خون بہنے لگا اور وہ اسی حالت میں عدالت میں قاضی کے سامنے پہنچ گیا۔ قاضی نے اسے جو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ یہ ظلم تمہارے ساتھ کرنے والا کون ہے؟ جلدی بتاؤ۔ تاکہ ظالم کو عدالت میں طلب کیا جائے۔ معمار نے صاف صاف بتا دیا کہ اس ظلم کا مرتکب خود سلطانِ وقت ہے۔ بھائیو! دیکھنا ذرا عدالتِ اسلام کا رنگ۔ کہ قاضی صاحب نے سن کر یہ نہیں کہا کہ بیوقوف کہیں کے۔ بادشاہ کے خلاف شکایت لے کر آتے ہو میں بھی اُسی کا مقرر کردہ اور اسی کا ملازم ہوں۔ کیوں میرا بیڑہ بھی غرق کرانے لگے ہو۔ جاؤ۔ خاموش رہ کر گھر بیٹھو۔ اور خبردار جو بادشاہ کے خلاف لب کشائی کی۔ بھائیو! نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ ے

قاضیٔ عادل بدنداں خستہ لب! ... کرد شہ را در حضورِ خود طلب

قاضی صاحب نے بادشاہ کا یہ جور و ستم سن کر دانتوں میں لب دبائے اور فوراً بادشاہ کو عدالت میں طلب کر لیا۔ مسلمانو! یہ ہے زورِ آئینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا کرشمہ کہ

جن لوگوں کے پیشِ نظر یہ اسوۂ حسنہ ہے۔ وہ ہر حال میں عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے اور بڑے سے بڑے آدمی کو بھی اس کی بڑائی کے باعث اسے ظلم و ستم کرنے کے لیے کھلا نہیں چھوڑ دیتے۔ اور اگر بادشاہِ وقت بھی ہو تو قانونِ محمدی اور اُسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسے قانون سے مستثنیٰ نہیں کرتا۔

چنانچہ سلطان مراد کے نام وارنٹ جاری ہو گئے اور عدالتِ اسلام میں حاضر ہونے کا اُسے حکم مل گیا۔

بھائیو! سلطان مراد کو جب قاضیٔ شرع کا حکم ملا۔ تو کیا وہ چیں بجبیں ہوا، اور کیا وہ اپنے ہی مقرر کردہ قاضیٔ وقت پر ناراض ہوا؟ اور یہ کہا کہ میری ہی بلی اور مجھ ہی سے میاؤں؟

نہیں نہیں!! بلکہ ؎

رنگِ شاہ از ہیبتِ قرآں پرید — پیشِ قاضی چوں خطاکاراں رسید

بادشاہ کا رنگ قرآن کی ہیبت سے اُڑ گیا۔ اور ——

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ"

کی آیت سامنے آگئی اور مجرموں کی طرح عدالتِ اسلام میں حاضر ہو گیا۔ میں کہ سبحان اللہ! کیا زور ہے قانونِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہ اتنا بڑا بادشاہ مجرموں کی طرح عدالت میں حاضر ہو رہا ہے۔ حضرات! ہے کوئی دنیا بھر میں ایسا زوردار قانون؟ جو ایک بہت بڑے بادشاہ کو بغیر کسی ظاہری زور کے عدالت میں کھینچ کر لے آئے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ زور تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا عطا فرمودہ ہے۔

غریب کے قدموں میں

بھائیو! ضمناً میں آپ کو قانونِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے زور کا ایک اور منظر بھی دکھاتا چلوں۔ دیکھئے کسی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لیے ایک بہت بڑا بادشاہ جو کسی بڑے سے بڑے آدمی سے بھی گفتگو کرنا اپنی کسرِ شان سمجھتا ہو۔ چہ جائیکہ کسی غریب سے

ہمکلام ہو۔ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے اور اتفاقاً اس وقت آئے جب کہ اگلی سب صفیں پُر ہو چکی ہوں اور پچھلی صف ہی میں اُسے جگہ ملے۔ تو بھائیو! کیا شریعت یہاں یہ فرماتی ہے کہ بادشاہ سلامت تشریف لے آئے ہیں لہٰذا اگلی صف والو غریب مسلمانو! اگلی صف سے تم اُٹھ بیٹھو اور بادشاہ کو آگے بیٹھنے دو اور تم پیچھے بیٹھ جاؤ۔ نہیں نہیں۔ یہاں بادشاہ سلامت بادشاہ سلامت نہیں ہیں۔ بلکہ مسجد میں سارے مسلمان کیا امیر اور کیا غریب کیا راعی اور کیا رعایا سب برابر ہیں۔ ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

لطیفہ

ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کو خلیفۂ وقت نے ایک بار ناراض ہو کر یہ حکم دیا کہ شام کے پہلے پہلے وہ اس کی حدودِ سلطنت سے باہر نکل جائیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حکم پا کر کہا میں انشاء اللہ شام سے پہلے پہلے اس کی حدودِ سلطنت میں نہ رہوں گا اور اطمینان سے اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما رہے۔ خدام نے عرض کی حضور! ایسا نہ ہو کہ حکومت کی طرف سے کوئی گزند پہنچے۔ آپ ضرور کہیں تشریف لے جائیں۔ فرمایا میں حسبِ وعدہ شام سے پہلے پہلے اس کی حدودِ مملکت سے باہر نکل جاؤں گا' خدام کی سمجھ میں یہ بات اس وقت آئی جب آپ شام سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مسجد میں کسی حاکم کی حکومت نہیں یہاں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ میں اب اس کی حدودِ مملکت سے باہر ہی ہوں۔

ہاں تو بھائیو! اگر کوئی بادشاہ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے اور اُسے پچھلی صف میں جگہ ملے۔ تو شریعت کا فیصلہ ہے کہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھو۔ اب ذرا اپنے ذہنوں میں نقشہ جمائیے۔ نماز باجماعت کی جماعت کھڑی ہوئی اور سب لوگ صف بصف کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ سلامت بھی اپنی

جگہ کھڑے ہو گئے۔ اب فرض کیجئے کہ بادشاہ سلامت سے اگلی صف میں بادشاہ کے بالکل آگے جو آدمی کھڑا ہے۔ وہ ایک غریب و بیکس آدمی ہے۔ اس قدر غریب کہ کوئی بھی اُسے منہ نہیں لگاتا۔ مگر تصور کیجئے کہ جب جماعت کھڑی ہوئی تو وہ غریب آدمی آگے ہے اور اتنا بڑا جلیل القدر بادشاہ بالکل اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے۔ اب جبکہ سب رکوع میں گئے۔ تو آگے غریب آدمی جھکا ہوا ہے۔ اور پیچھے بادشاہ سلامت جھکے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ جب سجدے میں گرے تو نقشہ سامنے کیجئے اپنے ذہنوں میں۔ کہ اگلی صف میں وہ غریب بے کس آدمی سجدے میں ہے اور اس کے پیچھے بادشاہ سجدے میں ہے اور نقشہ یہ ہے کہ:

ایک آدمی کے قدموں میں بادشاہ کا سر

پڑا ہے۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہی نقشہ۔ بولئے کس قانون میں اتنی طاقت ہے اور کونسا اسوۂ مبارک اتنا زور رکھتا ہے۔ کہ اتنے بڑے ایک متکبر بادشاہ کا سر ایک غریب و بیکس آدمی کے قدموں میں جھکا دے۔ اقرار کرنا پڑے گا ہر انصاف پسند و عادل مزاج کو۔ کہ یہ طاقت اور زور صرف قانونِ محمدی اور اسوۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں ہے۔

پڑھئے درود شریف

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ

ہاں تو وہ بادشاہ یعنی سلطان مراد خطا کاروں کی طرح عدالت میں حاضر ہو گیا۔ اب عدالتِ اسلام کا نقشہ یہ تھا کہ ؎

ایں طرف فریادئے دعوے گرے — آں طرف شاہنشہِ گردوں فرے

ایک طرف غریب معمار فریادی کھڑا تھا اور دوسری طرف اتنا بڑا عظیم الشان بادشاہ مجرمانہ طور پر کھڑا تھا۔ قاضی صاحب کی عدل پروری نے اس وقت گویا

یہ کہا کہ اے بادشاہِ وقت! اگرچہ آپ حاکم ہیں۔ فرمانروا ہیں۔ میں آپ کا ملازم ہوں۔ مگر اس وقت آپ "مدعا علیہ" ہیں اور قانونِ محمدی و اسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر آپ کو مدعی کے ساتھ برابر کھڑا ہونا پڑے گا۔ بادشاہ نے حاضر ہو کر کیا کہا؟ سنیئے ؎

گفت شاہ از کردہ خجلت بردہ ام

اعتراف از جرم خود آوردہ ام

بادشاہ نے کہا کہ میں اپنے کئے پر نادم ہوں اور اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات — زندگی گیرد زایں قانون ثبات

قاضی صاحب نے کہا کہ قرآنِ پاک کے فیصلہ کے مطابق قصاص و بدلہ میں زندگی ہے۔ اب آپ قصاص کے لیے تیار رہیئے کہ ؎

عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست! — خون شہ رنگیں تر از معمار نیست!

ایک غلام مسلمان دوسرے آزاد مسلمان سے کچھ کم مرتبہ نہیں۔ غریب و امیر سب برابر ہیں اور بادشاہ کا خون اس غریب معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔ جتنا رنگین خون بادشاہ کا ہے۔ اتنا ہی رنگین خون معمار کا بھی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ غریب کا خون اگر بہایا گیا ہے تو بدلے میں بادشاہ کا خون نہ بہایا جائے۔

؎ چوں مراد ایں آیہ محکم شنید — دستِ خود از آستیں بیروں کشید

سلطان مراد نے جب قرآن پاک کی آیت وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ" سنی۔ تو اپنا ہاتھ فوراً آستین سے نکالا اور قاضی صاحب کے آگے کر دیا۔ کہ لیجئے میرا ہاتھ حاضر ہے۔ بدلے میں اسے کاٹ دیا جائے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اے قانونِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اور اے اسوۂ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تجھ پر ہزار جان سے صدقے۔ کیا زور ہے، کیا طاقت ہے کہ ایک بادشاہ خود بخود بدلہ و قصاص کے لیے اپنا ہاتھ کاٹ دیئے جانے کے لیے آگے بڑھا رہا ہے۔

اب آگے سنیئے کہ وہ غریب معمار جب اپنی فریاد رسی دیکھ لیتا ہے، کہ

میرے حق میں انصاف کیا گیا ہے اور بادشاہ اپنا ہاتھ کٹوانے پر تیار ہے۔ تو ؎

مدعی را تابِ خاموشی نہ ماند　　آیۂ بالعدل والاحسان بخواند

معمار نے بیقرار ہو کر کہا کہ قاضی صاحب! قرآن پاک میں بھی

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

موجود ہے اور خدا تعالیٰ نے احسان کا حکم بھی دیا ہے۔ اس لیے ؎

گفت از بہرِ خدا بخشید مش !　　وز برائے مصطفےٰ بخشید مش !

میں نے بادشاہ کو خدا کے واسطے معاف کیا اور جنابِ مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے واسطے معاف کیا۔ ؎

یافت موسے بر سلیمانے ظفر　　سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

یہ ہے سطوتِ آئینِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اور عظمتِ اُسوہ حسنہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم)

سپہ سالارِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دنیا کے ہر فرد اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے پیشوائی موجود ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اگر کوئی فرمانروا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حکومت و سلطنت کے آئین سیکھنا چاہے تو اُسے حضور کی ذاتِ گرامی میں یہ چیز بھی ملے گی اور اسی طرح مثلاً کوئی جرنیل اور سپہ سالار یہ چاہے کہ میں سپہ سالار رہوں۔ حضور کی ذاتِ گرامی میں اس کے متعلق بھی پیشوائی موجود ہے یا نہیں۔ تو حضور کا ارشاد ہو گا کہ اِدھر آؤ اور مجھے دیکھو کہ میں اللہ کا محبوب اور رسُول بھی ہوں۔ سلطانِ عرب بھی ہوں اور بے مثل سپہ سالارِ اعظم بھی ہوں۔ چنانچہ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ کر جب آپ کی سیاسی زندگی پر نظرِ ثانی کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے سیاستدانوں میں بھی سب سے بڑھ کر سیاستدانوں اور دنیا بھر کے جرنیلوں کے سب سے بڑے جرنیل

تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نپولین اور واشنگٹن وغیرہ دنیا کے بڑے بڑے جرنیلوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ تاریخی طور پر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر۔ حضور کے ضبط۔ حضور کی فنونِ جنگ سے مہارت اور حضور کی ماتحتوں سے ہمدردی وغیرہ اوصافِ سپہ گری میں آپ کا لگا نہیں کھا سکتے۔

غزوۂ بدر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ماتحت صرف ۳۱۲ صحابہ کا لشکر تھا اور مخالفین ابوجہل جیسے سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس لشکر اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا۔ مگر ؎

یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اور کیا خوب لکھا ہے شاعر نے کہ ؎

نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اِک سادی سی کالی کملی والے پر

باوجود اس کے یہ مٹھی بھر مقدس لشکر اپنے سے تگنے لشکر کے ساتھ جہاد کرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فنونِ جنگ سے کمال مہارت کے باعث دشمن پر فتحیاب ہُوا اور پھر کمال پر کمال یہ کہ اس جنگ میں مسلمان صرف ۱۴ شہید ہوئے۔ نہ کوئی زخمی ہُوا نہ اسیر۔ اور دشمن ستّر کی تعداد میں مقتول ہوئے اور ستّر کی تعداد میں اسیر۔

غزوۂ احزاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین ہزار مسلمان تھے۔ مگر کفّار دس ہزار کی تعداد میں حملہ آور ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہارتِ جنگ سے ناکام واپس پھرے۔

شجاعت و بہادری

ایک جرنیل میں شجاعت و بہادری کا ہونا ضروری ہے۔ سپہ سالار ہی اگر بہادر نہ ہو تو فوج میں بہادری کیا

ہو گی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات بھر میں شجاع و بہادر نظر آتے ہیں، صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں۔کہ کبھی گھمسان کا رن پڑتا تھا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تو اس وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سب سے آگے دشمن کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے تھے۔

انگوٹھا بھائیو! دنیا میں بعض لیڈر انگوٹھے کی طرح بہادر بھی ہوتے ہیں، ہاتھ کا گھونسا بنا کر دیکھیئے کہ انگوٹھا گویا لیڈر بن کر تن کر کھڑا رہتا ہے اور بچاری انگلیوں کو آگے کر کے انھیں اُکساتا ہے کہ لگاؤ دشمن کے منہ پر۔ اور اگر اس گھونسے کا رُخ پلٹا کر انگوٹھے والی جانب دشمن کے سامنے کی جائے تو لیڈر صاحب جھٹ انگلیوں کی پناہ میں اندر گھس جاتے ہیں۔ گویا یہ ایسا بہادر ہے کہ انگلیوں ہی کو مروانا چاہتا ہے، خود پیچھے رہتا ہے یا اندر گھس جاتا ہے۔

ہم بہادر ہیں حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جہاد میں سب سے آگے ہوتے تھے اور یہ حضور کی شجاعت و بہادری کا کمال ہے۔

بھائیو! ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور حضور کے صدقہ میں ہم بھی بہادر ہیں۔ آج دنیائے کفر اگر مسلمانوں کو للکارے گی تو انشاء اللہ ہم میدانِ جہاد میں مجاہدانہ و غازیانہ جوہر دکھائیں گے۔ ہم اللہ کی راہ میں اعلاء کلمۃ الحق کے لیے لڑنا مرنا جانتے ہیں۔ مسلمان لڑائی میں پہل نہیں کرتا۔ مگر دشمن پہل کر دے تو پھر پیٹھ بھی نہیں دکھاتا۔ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ

"کسی کو مت چھیڑو۔ اور اگر کوئی چھیڑے۔ تو مت چھوڑو"

ہم مجاہدوں کو یہ سبق پڑھایا گیا ہے۔ کہ ؎

پہلو میں ہو دل۔ دل میں ہو یقیں، سر پر ہو کفن، کف میں ہو سناں
جب جمع یہ اجزاء ہوتے ہیں۔ بنتا ہے قوام آزادی کا!

مسلمان کو اسلام کی بدولت مرتے ہی مزے ہیں۔ اسے علم ہے کہ میدانِ جہاد

میں اگر میں بچ گیا تو غازی۔ قتل ہو گیا تو شہید۔ گویا نہ کھائے تو روزہ۔ اور کھائے تو عید۔ اسے گھاٹا کسی طرف سے ہے ہی نہیں۔ مزے ہی مزے ہیں اور کفر؟ کفر تو یہ بتاتا ہے کہ مر گئے تو کسی دوسرے جسم میں خدا جانے کیا بن کے آؤ گے۔ ممکن ہے چوہے، کتے، گدھے وغیرہ کی شکل میں آنا پڑے گا۔ اس لیے ایک کافر مرنے سے اس لیے بھی ڈرتا ہے کہ مر گیا تو خدا جانے کس شکل میں آؤں گا۔ اس لیے جتنی دیر انسان کی شکل میں رہوں غنیمت ہے۔ مگر مسلمان جانتا ہے کہ شہادت پاتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو گا۔ اپنے اللہ کا دیدار بھی ہو گا۔ پھر وہ مرنے سے کیوں ڈرے اور کیوں نہ یوں کہے کہ

مگر عشاق اپنی جان کی پروا نہیں کرتے
خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے

اور ایک شاعر یوں کیوں نہ لکھے کہ ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم — چو مرگ آید تبسم برلبِ اوست

مسلمان اللہ کے فضل سے بہادر ہے اور کافر؟ کافر ایسا بہادر ہے

لطیفہ کہ ایک بھارتی سورما نیفا کے محاذ سے گھر واپس اور لگا ڈینگیں مارنے کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے ایک چینی سپاہی کی ٹانگ کاٹ دی۔ لوگوں نے کہا ٹانگ کیوں کاٹی تھی۔ سر کاٹا ہوتا۔ تو وہ بولا۔ سر اس کا پہلے ہی کٹا ہوا تھا۔ واہ کیا کہنے۔ گویا مرے کو مار آئے۔

مسلمانو! اپنے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھو اور اپنے اللہ کی خاطر اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے ہر وقت تیار رہو اور خلافِ شریعت حرکات کو چھوڑ کر نمازی و غازی، مجاہد و عابد اور نیک و پاک بن جاؤ۔

حضرات! آپ سن چکے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دنیا والوں کے لیے زندگی کے ہر شعبہ کے لیے پیشوائی موجود ہے اور

ہمارے حضور میں زندگی کے ہر پہلو کے لیے نمونۂ کاملہ موجود ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اگر کوئی جج حاضر ہو اور عرض کرے کہ اے پیشوائے کل! میں ایک جج ہوں۔ کیا میرے لیے بھی آپ کی ذاتِ گرامی میں کوئی نمونہ ہے؟ تو حضور فرمائیں گے کہ ہاں ہاں!! ادھر آؤ۔ یہ میری ہی جناب ہے۔ جس میں کسی بات کی کمی نہیں اور یہاں سے کوئی خالی اور نامراد نہیں لوٹتا۔ میری مقدس زندگی کا مطالعہ کرو اور اپنے لیے بھی سامانِ رشد و ہدایت پالو۔ چنانچہ اے میرے بزرگو اور عزیزو!

مقدس جج صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقدس اور عدیم النظیر منصف و جج بھی ہیں۔ قدرت نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بہت سی خصوصیتوں سے نوازا ہے وہاں آپ کو عدل و انصاف اور قوتِ فیصلہ کا وہ بے نظیر ملکہ بھی عطا فرمایا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ جو مسائل بڑے بڑے دماغ حل نہ کر سکتے تھے، آپ معمولی باتوں ہی میں طے فرما لیتے تھے۔ سچ کہا ہے شاعر نے کہ ؎

جو نکتہ دروں سے حل نہ ہوا اور عقدہ کشوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوت سے پیشتر ہی مکہ میں جج تسلیم کیے جا چکے تھے۔ قوم آپ کو امین و صادق کا لقب دے چکی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بات اور جو فیصلہ فرما دیں۔ حق ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ابوجہل جیسا ہمارے حضور کا دشمن بھی قبل از وقت نبوت آپ کی خوبیوں کا معترف رہا۔ اور نبوت کے بعد بھی آپ کی ذات سے پرخاش نہ رکھتا تھا۔ بلکہ حضور کی تعلیم اور آپ کے مشن کا مخالف تھا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کا اظہار ہے:۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

بِاٰيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے۔ ہاں یہ ظالم ذاتِ الٰہی سے انکار کرتے ہیں"۔[1]

بہرحال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت اور حضور کے عدل و انصاف کا ڈنکا مخالفین میں بھی بجتا رہا۔ اور اب بھی بج رہا ہے۔

حجرِ اسود

چنانچہ حضور کے عدل و انصاف کا ایک واقعہ سنیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے ۵ سال قبل بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی جس سے وہ مسمار ہو گیا۔

بھائیو! یہاں ایک اور بات بھی ضمناً سنتے چلیئے۔ پچھلے دنوں لاہور کے طوفان باد میں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی مسجد کے دو مینار گر گئے تھے۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے عرس شریف کا موقعہ تھا۔ اس حادثے میں چند مسلمان شہید بھی ہو گئے۔ اس موقعہ پر منکرین اولیاء کرام نے بڑی بڑی چہ میگوئیاں کیں اور یہ بات کہتے ہوئے سنے گئے کہ دیکھا۔ اگر کسی ولی میں کوئی طاقت ہوتی تو داتا کی مسجد کے مینار کیوں گرتے اور یہ کہ عرس کی مجلس خدا کو پسند نہ آئی۔ اس لیے یہ حادثہ ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! یہ باتیں کتنی مضحکہ خیز ہیں۔ اس عالم میں کیا کیا حادثے نہیں ہوتے۔ یہاں کسی مسجد کا گر جانا اور کسی سینما ہال کا برقرار رہنا کسی صداقت کا معیار ہی کب ہے؟ کوئٹہ کے بڑے زلزلے میں میں نے خود دیکھا تھا کہ جامع مسجد شہید ہو گئی تھی —— اور سینما ہال بدستور قائم رہا تھا۔

میدانِ کربلا میں حضرت امام مظلوم رضی اللہ عنہ نے جو شہادت کا جام نوش فرما لیا تھا اور یزید بدستور تخت نشین تھا۔ ابھی پچھلے دنوں بھارت کی ایک جامع مسجد کے گرنے اور نمازیوں کی شہادت کی خبر آئی ہے۔ ٹیکسلا بھاٹہ راولپنڈی کی ایک مسجد کے مینار گرنے کی بھی اطلاع آئی تھی تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ

---

[1] تفسیر حقانی صفحہ ۲۳۳ جلد ۲

اللہ تعالیٰ میں جس کی یہ مسجدیں ہیں۔معاذ اللہ کوئی طاقت نہیں ہے؟ اور یہ کہ جو نمازی نماز پڑھنے کے لیے آئے اور شہید ہو گئے۔ اللہ کو ان کا یہ فعل نماز پسند نہ تھا۔ اس لیے وہ اس حادثہ کا شکار ہوئے۔معاذ اللہ! یہ بات ہرگز نہیں۔بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں لاکھوں حکمتیں مضمر ہوتی ہیں اور اس عالم کون و فساد میں سبھی کچھ ہوتا ہے۔سب سے بڑی بات یہی دیکھ لیجیے کہ اللہ کے گھر کعبہ شریف کو آگ لگ گئی اور وہ مسمار ہو گیا تو اب اگر کوئی منکر اسلام اللہ کے گھر اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض کرنے لگے تو اس کا کیا جواب ہے؟ بھائیو! جو لوگ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کو اتنا ہی جواب کافی ہے کہ دیکھ لو اتنے بڑے طوفان میں داتا کا مزار تو ویسے ہی کھڑا رہا۔گرے ہیں تو اللہ کے گھر کے مینار۔پھر داتا پر اعتراض کیا۔ اعتراض کرنا ہے تو اللہ پر کرو۔

داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی کرامت

اور بھائیو! حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی اہل حق ہے، تو مانے گا کہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے اس عرس شریف میں پبلک کی حاضری بہت کم رہی۔جنھوں نے کوہستان میں لاہور کی ڈائری کے زیر عنوان اس عرس شریف کی روئداد پڑھی ہے۔انھیں علم ہے کہ نامہ نگار نے بیحد تعجب کا اظہار کیا تھا کہ حضرت داتا صاحب کے عرس شریف میں ہر سال جس قدر ہجوم و اجتماع ہوتا تھا اس دفعہ اس کا دسواں حصہ بھی ہجوم نہ تھا۔نامہ نگار نے لکھا تھا کہ موری دروازے سے لے کر حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے دربار شریف تک اتنا ہجوم ہوا کرتا تھا کہ راہ چلنی دشوار ہو جایا کرتی تھی۔مگر اس دفعہ اس قدر کم رونق تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہاں کوئی تقریب ہے۔اور حضرت داتا صاحب کا عرس ہے۔اسی طرح عرس شریف میں شرکت کرنے والوں کا بھی بیان تھا۔کہ اس دفعہ عرس شریف میں غیر معمولی طور پر حاضری کم رہی اور کسی کو اس کی وجہ معلوم نہ ہوئی تا آنکہ

جب طوفان آیا اور مسجد کے مینار گرے تو پھر لوگوں کو پتہ چلا کہ حاضری کا کم ہونا یہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی کرامت تھی کہ زیادہ ہجوم ہونے ہی نہیں دیا۔ تاکہ اس حادثہ میں زیادہ نقصان نہ ہو۔

لطیفہ

یہاں ایک لطیفہ بھی سُن لیجیے۔کسی مسجد میں ایک نمازی بعد از نماز وظیفہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" پڑھ رہا تھا۔ساتھ ایک صاحب بیٹھے تھے۔انھیں اس بات پر خواہ مخواہ کا غصہ آگیا اور ایک چیونٹے کو جو بدقسمتی سے اس کے پاس سے گزر رہا تھا۔پکڑ کر اس کی ایک ٹانگ توڑ دی اور وظیفہ خواں سے کہنے لگا۔لو اگر تمھارے عبدالقادر میں کوئی طاقت ہے تو اس سے کہو، کہ اس کی ٹانگ جوڑ دے۔اس نے چیونٹے کو پکڑ کر اس کا سر اُتار دیا اور کہا کہ لو تم اللہ سے کہو کہ اس کا سر جوڑ دے۔تم سر جڑوا لاؤ۔میں ٹانگ جڑوا دونگا۔ سمجھے کچھ آپ؟ بات یہ ہے کہ اس عالم کون و فساد میں سب کچھ ہوتا ہے۔ بزرگان دین اللہ کی مخلوق ہیں اور انھیں جو کمالات بھی حاصل ہیں۔وہ اللہ ہی کی عطا ہے اور وہ اپنے اللہ کی مرضی پر راضی رہتے ہیں اور اللہ کے ہر کام میں صدہا حکمتوں کو مضمر جانتے ہیں۔اسی قسم کا وہ اعتراض بھی ہے کہ صاحب! ان بزرگوں میں اگر کوئی طاقت تھی تو مشرقی پنجاب میں جہاں بڑے بڑے بزرگوں کے مزار ہیں۔اُنھوں نے اس انقلاب کو کیوں نہ روکا۔کیوں بھائیو! مشرقی پنجاب میں تو بڑی بڑی مسجدیں بھی تھیں۔دہلی میں شاہی مسجد بھی تھی۔پھر اگر کوئی غیر مسلم یوں کہے کہ یہ اگر اللہ کے گھر تھے۔تو جس خدا نے بیت اللہ بچانے کے لیے ابرہہ بادشاہ پر ابابیلوں کا لشکر بھیج کر انھیں تباہ کر دیا تھا۔ اس اللہ نے یہاں کیوں اس انقلاب کو نہ روکا؟ تو جو جواب اس کا وہی ہمارا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی اور وہ مسمار ہو گیا۔ مکہ والوں نے اس گھر کو از سرِ نو بنانا چاہا۔اور جب وہ اس کی تعمیر کر چکے اور حجرِ اسود کو نصب کرنے کا موقعہ آیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ حجرِ اسود کو اُٹھا کر اپنی جگہ پر نصب

کرنے کے شرف سے کون مشرف ہو؟ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اس شرف سے
میں مشرف ہوں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک فرد اس بات پر زور دینے لگا کہ
حجرِ اسود کو مَیں اُٹھاؤں گا۔ اور مَیں ہی اسے نصب کروں گا۔ اس متبرک خدمت کو
سرانجام دینے کے لیے ہر ایک بڑھ بڑھ کر بات کرنے لگا۔ اور کوئی اس خدمت
کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہُوا۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہر شخص نے یہاں تک
کہہ دیا کہ اس حجرِ اسود کو میرے سوا اگر کسی دوسرے نے اٹھایا اور ہاتھ بھی لگایا
تو اُسے اپنی جان سے ہاتھ بھی دھونے پڑیں گے۔ اس جھگڑے نے پھر یہاں
تک طول پکڑ لیا کہ تمام قبیلے بگڑ گئے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

میرے بھائیو! عرب کی جہالت اور بات بات پر جھگڑتے اور مرمٹنے
کی تاریخ کسے یاد نہیں۔ غور فرمایئے کہ یہ کتنا نازک موقعہ پیدا ہو گیا تھا قریب
تھا کہ جنگ شروع ہو جاتی اور حرم شریف میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ مگر
پڑھیئے درود شریف اپنے آقا و مولا پر۔

الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ
الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عدالت یہاں کام آئی اور ایک
عظیم فتنہ کا سدِباب حضور کی مقدس دانائی سے ہُوا۔

مدبرین نے ہزار ہا چاہا کہ یہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے اور تمام قبائل کسی
ایک شخص پر متفق ہو جائیں۔ اس لیے کہ "حجرِ اسود" ایک تھا اور اس کے
اُٹھانے کے متمنّی کئی ایک۔ بالآخر سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
رجوع کیا اور فیصلہ یہ ہُوا کہ جو فیصلہ محمّد امین و صادق و عادل (صلی اللہ
علیہ وسلم) کر دیں۔ وہ ہم سب کو منظور ہو گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

"کہ میں جو کچھ فیصلہ فرما دوں۔ وہ تم سب کو منظور ہو گا؟"

ان سب نے کہا کہ ہاں منظور ہو گا۔ حضور نے ان سب قبیلوں میں سے ایک
ایک نمائندہ منتخب فرمایا اور ایک مضبوط چادر بچھا کر فرمایا کہ حجرِ اسود کو اٹھا
کر اس چادر میں رکھنے کے لیے تم سب مجھے وکیل بنا کر اجازت دو۔ کہ یہ
حجرِ اسود میں اٹھا کر اس چادر میں رکھ دوں۔ پھر تم سب نمائندے مل کر
چادر کے کونے پکڑ کر اُسے اس کی اصل جگہ پر رکھ دو۔ سب نے اس فیصلہ
پر اظہارِ اطمینان کیا اور حضور سے کہا کہ اچھا آپ ہم سب کی طرف سے حجرِ اسود
اس چادر میں رکھ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھ دیا۔ پھر سب نے مل
کر چادر کے کونے پکڑ کر اُسے اُٹھا لیا اور اس کی اصل جگہ پر اُٹھا کر رکھ دیا اور ان کے
کہنے سے پھر حضور ہی نے حجرِ اسود اپنی جگہ پر نصب کر دیا۔ اس فیصلہ سے تمام لوگ
خوش ہو گئے اور جھگڑا وہیں ختم ہو گیا۔ پڑھیئے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم پر۔

پھر ایک مرتبہ درود شریف
صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ
صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

شاعر لکھتا ہے۔ یا رسول اللہ! ؎

جہاں سے نقشِ خودی کے مٹا دیئے تُو نے
چراغِ مجلسِ عرفاں جلا دیئے تُو نے
وہ سر کہ جن میں بھری تھی ہوائے کبر و غرور
خدا کے سامنے لا کر جھکا دیئے تُو نے
تری نگاہ کے قرباں کہ مل گئی تسکین
ترے نثار کہ روتے ہنسا دیئے تُو نے

بھائیو! غور تو کرو۔ اس قسم کا بہترین فیصلہ بجز ہمارے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذاتِ گرامی کے کہیں اور نظر آتا ہے؟ نہیں نہیں یہ اُسی ذات

بابرکات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال ہے۔ جس کے متعلق خدا نے

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

فرمایا ہے۔ آج دنیا بھر کے جج اور منصف ہمارے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں اپنے لیے نمونہ دیکھ لیں۔

جج کے اوصاف بھائیو! ہر منصف و عادل اور جج کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذاتی اغراض سے بے نیاز ہو۔ فریقین سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرے اور کسی کی ناجائز طرفداری نہ کرے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکورہ بالا اور جملہ وہ اوصاف جو ایک عادل میں ہونے لازمی ہیں موجود نظر آتے ہیں۔ بلکہ حضور کچھ اس شان سے نظر آتے ہیں کہ آپ کی سیرت آپ کے عدل و انصاف اور آپ کے فیصلوں کو دیکھ دیکھ کر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جج ہو گئے اور آج تاریخ اسلام پر نازاں ہے کہ عدل و انصاف کے جو نمونے ہمارے ججوں نے پیش کئے ہیں۔ اس مہذب دنیا کا کوئی اور جج ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی قیامت تک کر سکے گا۔

فاطمہ بنت الاسود چنانچہ ایک اور واقعہ سنیئے۔ ایک دفعہ قریش میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ ثبوت مل جانے پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ چونکہ وہ عورت قریش میں سے تھی اور معزز شمار کی جاتی تھی اس لیے اس کا ہاتھ کٹ جانا باعثِ عار تھا۔ اس بنا پر ان لوگوں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو معاف فرما دیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت اسامہ کو اس کام کے لیے مامور کر کے حضور کے پاس سفارش بنا کر بھیجا۔ اسامہ نے جب حضور سے یہ درخواست کی کہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آگئے۔ اور فرمایا:- وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ (رضی اللہ عنہا)

بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (زاد المعاد ص ۲۸۵ ج ۳)

"مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میری فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ عدل ہے۔ کہ قانون کے معاملے میں اپنے بیگانے کی کوئی تمیز نہیں۔ کیا ایسا عدل و انصاف اور ایسی مساوات کوئی دوسرا قانون یا کوئی دوسرا جج بھی پیش کر سکتا ہے؟

بھائیو! یہی وہ انصاف ہے جس کی تعلیم ہمیں حضور نے دی اور اس قسم کا انصاف ہمیں قانون محمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں مل سکتا ہے اور آج اس دنیائے جور و استبداد میں بیکسوں اور مظلوموں کو اگر پناہ مل سکتی ہے تو دامنِ مصطفےٰ ہی میں مل سکتی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مسلمانو! تم اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتے ہو۔ آؤ اور اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں آجاؤ کہ یہیں سکھ اور راحت پاؤ گے ؎

بجھا دو خرافات کی مشعلوں کو حرم کا چراغ از سرِ نو جلاؤ
محمدؐ کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے
فلک کے ستاتے ہوئے سر چھپاؤ

چور کی سزا میرے بھائیو! ہمارے دینِ اسلام کے قانون میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور نئی تہذیب میں چور کو جیل بھیج کر کسی فن کا کاریگر بنا کر تیار کرنا ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ چور کو جب ہاتھ کٹ جانے کی فکر نہ ہوگی تو وہ بے فکری میں کیا کچھ نہ کرے گا اور اگر اسے یہ فکر و اندیشہ لاحق رہے۔ کہ اگر میں پکڑا گیا تو ہاتھ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ چوری سے باز رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں مجرموں کی سزا شرع کے مطابق ہے وہاں جرم شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں اور جہاں شرع کا قانون نافذ نہیں وہاں ایک ایک منٹ میں سینکڑوں جرم سرزد ہوتے

ہیں۔ چنانچہ آجکل کی مہذب دنیا کے مرکز یورپ کو دیکھ لیجئے۔ جہاں دن رات ڈکیتیوں، چوریوں اور لوٹ مار کی بھرمار رہتی ہے اور مجرم قانون کی لچک سے فائدہ اُٹھا کر اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھرتے ہیں اور اپنے وکلاء کی موشگافیوں کی بدولت اپنے جرموں کی سزاؤں سے بھی بچے رہتے ہیں۔

انگریزی قانون کی لچک بھائیو! انسان کا بنایا ہوا قانون ہمہ گیر اور جامع ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں انسان ہی سینکڑوں سقم نکال سکتا ہے اور اسی لیے انسانی قانون ہر روز ترمیم کا شکار رہتا ہے۔

لطیفہ چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں میں ایک مرتبہ رائے پور سی پی گیا اور تقریروں کے سلسلہ میں میرا وہاں ایک مہینہ قیام رہا۔ سی پی میں مسلمانوں کی آبادی ۳ فیصدی تھی۔ وہاں ان دنوں سی پی کی اسمبلی میں ہندوؤں نے ایک بل منظور کرا کے یہ قانون بنا لیا کہ کوئی مسلمان گائے ذبح نہیں کر سکتا۔ یعنی گائے کا ذبح کرنا قانونی جرم قرار دے دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہاں کے ایک قانون کے ماہر مسلمان بیرسٹر کے مشورہ سے مسلمان قصابوں نے بیل (نر) ذبح کرنے شروع کر دیئے اور معاملہ عدالت میں پہنچنے پر اُسی بیرسٹر نے قانونی لچک سے یوں فائدہ اُٹھایا اور بیان دیا کہ گائے (مادہ) کا ذبح کرنا جرم ہے۔ نہ کہ بیل (نر) کا۔ آخر اس قانون میں ترمیم کرنا پڑی کہ گائے ہو یا بیل۔ یعنی نر اور مادہ دونوں کا ذبح کرنا جرم ہے۔ دیکھا آپ نے یہ ہے۔ انسانی قانون۔ اور خدا کا قانون؟ ؎

برسوں فلاسفوں میں چناں و چنوں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

نئی تہذیب کے دلدادہ بھائیو! اس حقیقت کے باوجود آج نئی تہذیب

کے دلدادہ خدائی قانون کی خوبیوں کا تو اعتراف کرتے ہیں۔ اور اپنے خام و سقیم یورپین قانون ہی پر نازاں ہیں۔ حالانکہ انسانی قانون کی بدولت دنیائے انسانیت سخت حیران و پریشان ہے۔

بھائیو! خدا سے ڈرو اور خدائی قانون کے آگے جھک جاؤ۔ مانا کہ آج سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے مگر کچھ بھی ہو۔ خدا تعالےٰ سے تو بے نیازی ہو ہی نہیں سکتی۔ اپنی موجودہ ترقی پر ناز کر کے خدا کو فراموش کر دینا بیحد حماقت ہے۔ بلکہ موجب ہلاکت ہے۔

ایک فلسفی کی حکایت چنانچہ مثنوی شریف میں مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک فلسفی کی حکایت درج کی ہے۔ جو اپنے فلسفہ کے گھمنڈ میں قرآن پاک کا مضحکہ اُڑاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرآن پاک کا درس ہو رہا تھا اور آیت مبارکہ تلاوت کی جا رہی تھی۔

اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ۔

"اگر تمہارا پانی زمین کی پستی کی طرف چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے ایسا صاف و شفاف اور پاک و طاہر پانی لا سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چشمے خشک کر دیں اور پانی زمین کی تہ میں چھپا دیں تو کون ہے جو پانی لا سکے۔ ایک منطقی و فلسفی اس وقت درس گاہ کی طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے سنا تو بآواز بلند پکار کر کہا ؎

آب را آریم از پستی زبر
ما بہ زخم بیل و تیزیٔ تبر

اگر پانی کا چشمہ خشک ہو جائے تو ہم پھاوڑوں اور بیل یعنی گیتی اور تبر کے زور اور ضرب و تیزی سے زمین کھود کر پانی نکال لیں گے۔ یہ بات ہی کیا ہے۔ ہمارا منطق و فلسفہ ہماری عقل اور ہماری سائنس ہمارے رہبر ہیں۔ پھر ہمیں رکاوٹ ہی کیا ہے' جب شام کی تاریکی نے دن کی روشنی پر غلبہ پایا اور رات آئی اور فلسفی لامذہب بھی حسب سو گیا۔ تو اس نے خواب میں ایک پیر مرد کو دیکھا۔ اس پیر مرد نے کیا

کہا؟ اس واقعہ کو حضرت مولانا اپنی زبان فیض ترجمان میں مختصر طور پر فرماتے ہیں ؎

شب بخفت و دید او یک پیر مرد — زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد

گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی — با تبر نورے برآر ار صادقی

اس بزرگ مرد نے ایک طمانچہ مار کر اس فلسفی کی دونوں آنکھیں اندھی کر دیں۔ اور کہا۔ اے شقی اگر تو اپنے قول میں سچا ہے اور تجھ کو اپنے فلسفہ اور منطق پر ایسا ہی ناز ہے کہ خدا کی قدرت کو بھلا بیٹھا ہے اور اس کے کلام پاک کا منہ چڑاتا ہے تو اپنی آنکھوں کے دونوں چشموں سے تو نور کو پیدا کر ذرا تبر تو لا۔ کہاں ہے وہ گینتی اور کہاں ہیں وہ پاوڑے۔ نکال اور ان سے چشموں کو کھول اور پانی کا ایک قطرہ تو نکال۔

جب دن نکلا اور وہ فلسفی خواب سے بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھیں بے نور ہیں۔ اس کی چشم بصارت گم ہو گئی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ مگر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کل تک جن آنکھوں سے دنیا کی ہر شے دیکھتا تھا۔ آج وہی آنکھیں اپنی بینائی کھو چکی ہیں اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

عمر خیام کا قصہ

یہاں عمر خیام کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ مشہور ہے کہ عمر خیام نے نشہ کی حالت میں ایک مرتبہ یہ رباعی کہی۔ ؎

ابریق مے مرا شکستی ربّی — برمن درِ عیش را بہ بستی ربّی

برخاک بریختی مئے ناب مرا — خاکم بدہن مگر تو مستی ربّی

رباعی کے کہتے ہی عمر خیام کے تمام چہرہ کا رنگ سیاہ ہو گیا اور محفل کے جلیس اور انیس سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ یعنی رباعی کے کہنے پر خیام کے چہرہ کو مسخ دیکھ کر عتابِ الٰہی سے خوفزدہ ہو کر محفل میں خیام کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور خیام نے اس امر کو محسوس کر کے خادم سے آئینہ منگوایا اور آئینہ میں اپنی شکل کو دگرگوں دیکھا۔ تو نہایت عجز و الحاح سے بارگاہِ ایزدی میں اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ اس ذاتِ پاک کے حضور میں جو اپنی رحمت کے

بہا دینے کے لیے صرف کسی بہانہ کی متلاشی رہتی ہے۔ اسی حال میں عرض کیا۔ ؎

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو — آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

اس رباعی کے کہنے سے خیام کی صورت پھر اصلی حالت پر آ گئی اور اس نے خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔

لیکن یہ بے ادب منطقی و فلسفی توبہ کی نعمت سے بھی محروم رہا۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

گر بنالیدے و مستغفر شدے — نور رفتہ از کرم ظاہر شدے

لیک استغفار ہم در دست نیست — ذوقِ توبہ نقلِ ہر سرمست نیست

اگر وہ منطقی و فلسفی روتا اور توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم ہے۔ اپنے فضل و کرم سے اس کا گناہ معاف فرما دیتا۔ لیکن وہ بدنصیب توبہ کس طرح کرتا۔ اور توبہ کی لذت سے کس طرح آشنا ہوتا۔ کیونکہ اس کو تو خدا پر یقین ہی نہ تھا۔ وہ تو ایک لامذہب منطقی و فلسفی تھا۔ جو آیاتِ الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کرتا تھا۔ مگر آج ہم اس چودھویں صدی میں دیکھتے ہیں کہ خود مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور کتابِ الٰہیہ پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور اسلام کا علمبردار کہلاتا ہے۔ کہیں تو آیاتِ الٰہیہ میں تحریف کا مجرم ہے اور کہیں آیاتِ الٰہیہ کو سن کر استہزاء کرتا ہے اور کہیں اسی لامذہب فلسفی کی طرح اپنی عقل کو کلام الٰہیہ پر ترجیح دیتا ہے۔ "العیاذ باللہ"

کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اپنی انہی بداعمالیوں کے سبب آج مسلمان گرانی۔ کساد بازاری، بیماری اور دیگر بلاہائے ناگہانی میں گھرا ہوا ہے۔ خیر و برکت مفقود ہو چکی ہے۔ آخر یہ سب کیوں؟ محض اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے؟ کاش! مسلمان صحیح معنوں میں اپنے مقام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اسلام کے پیش کردہ ضابطۂ حیات کو اپنے لیے لازم کر لے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے۔

تو وہ ذاتِ رحیم وکریم جو ہر وقت رحمتوں کے دریا بہا دینے کے لیے صرف بہانہ کی متلاشی ہے۔ یقیناً رحم وکرم فرمائے گی اور مسلمان پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت و سربلندی کو واپس پالے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اپنے اندر پیشوائی اور نمونہ رکھتی ہے اور جہاں آپ سلطانوں اور سپہ سالاروں کے لیے پیشوائے کامل ہیں۔ وہاں آپ منصفوں اور ججوں کے لیے بھی بہترین نمونہ موجود ہے۔ اور بجا طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ

ے
کس چیز کی کمی ہے آقا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۳۵

پینتیسواں وعظ

صحبتِ صالحین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (پ۲۱ ع۱۱)

"اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع کرے"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "صحبتِ صالحین" یعنی اللہ کے مقبول اور صالح بندوں کی معیت وصحبت کی برکات اور اس کے فوائد کا مجھے بیان کرنا ہے۔ بھائیو! آجکل ہمارا معاشرہ جس قدر گندہ ہوچکا ہے اور جو بُرائیاں اُس میں پیدا ہوچکی ہیں۔ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ اس لیے کہ موجودہ دور میں جو جو کچھ ہو رہا ہے سب کے سامنے ہے۔

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! قرآن پاک کا ایک ارشاد میں نے آپ کے سامنے پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ بھی آپ کو سنا دیا ہے کہ "اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا"۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اور اس کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوتے ہے۔ ہمیں اس مقبول بندے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس کی راہ چلو۔ کیونکہ وہی ایسی راہ ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ بھائیو! ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میں ایسی راہ چلوں جو آسان ہو، خطرات سے خالی ہو اور منزل تک بآسانی پہنچا دینے والی ہو۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ دین میں وہ کونسی ایسی راہ ہے۔ جو ان خوبیوں کی حامل ہے تو اس آیت شریفہ نے ہمیں بتا دیا کہ وہ راہ ان نیک لوگوں کی ہے جو اللہ کی طرف مائل ہیں۔ سورہ فاتحہ میں بھی اس امر کی تلقین ہے کہ اپنے اللہ سے یہ دعا مانگو۔

صراطِ مستقیم

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۔

"یعنی اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ چلا جن پر تیرا انعام واحسان ہوا۔ نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو بھٹکے ہوئے ہیں۔"

دیکھئے صراطِ مستقیم کی تعریف قرآن نے یہ کی ہے کہ جو اللہ کے انعام یافتہ یعنی نیک اور صالح لوگوں کی راہ ہے وہی صراطِ مستقیم ہے۔ مقامِ غور ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تلقین نہیں فرمائی کہ یوں دعا مانگو کہ ہمیں سیدھی راہ چلا، جو قرآن کی راہ ہے یا جو حدیث کی راہ ہے۔ نہیں۔ یوں فرمایا۔ کہ یوں کہو کہ وہ راہ جو تیرے انعام یافتہ بندوں کی راہ ہے۔

حضرات! سمجھے آپ اس حکمت کو؟ کہ خدا نے قرآن و حدیث کی راہ کیوں نہیں فرمایا؟ اور نیک بندوں کی راہ کیوں فرمایا؟ بھائیو! بات یہ ہے کہ

خدا کے علم میں یہ بات تھی کہ کئی لوگ قرآن و حدیث کے نام سے غلط راستے بھی تجویز کر لیں گے۔ کوئی قرآن کا لبادہ اوڑھ کر الحاد پھیلانے لگے گا۔ اور اس الحاد کا نام "قرآن کی راہ" رکھے گا اور کوئی حدیث کے نام سے ائمہ کرام اور بزرگانِ دین کے خلاف کہنے لگے گا اور اس کا نام حدیث کی راہ رکھے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ جتنے بھی نئے نئے خیالات کے علمبردار نظر آتے ہیں وہ اپنے اپنے خیالاتِ فاسدہ وعقائدِ باطلہ کا ثبوت قرآن و حدیث ہی سے دینے کے مدعی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ قرآن ہے تو سراپا رشد و ہدایت کا منبع و مخزن اور اسی طرح حدیث بھی۔ مگر قرآن ہی نے یہ بھی بتا دیا کہ وَيُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۔ یعنی کئی لوگ قرآن میں خدا کا ارشاد پڑھ کر گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا پڑھنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہی ہو۔ بلکہ بعض قاری ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو قرآن پڑھ کر بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور یہ قصور ان کا اپنا ہے۔

مثال

دیکھئے۔ خالص گھی ہوتا تو بڑا مفید اور مقوی ہے۔ مگر اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے معدہ کا درست ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی کمزور معدہ رکھنے والا مریض خالص گھی استعمال کرنے لگے تو اسے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچتا ہے۔ تو یہ گھی کا قصور نہیں۔ مریض کا معدہ ہی اس قابل نہیں کہ خالص گھی سے مستفید ہو سکے۔ کونین کی ٹکیہ بخار اتار دیتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جب بخار اترا ہوا ہو تو اس وقت کھائی جائے۔ اور اگر بخار کے ہوتے ہوئے کھا لیجئے گا تو بخار دگنا ہو جائے گا۔ میرے بھائیو! اسی طرح قرآن پاک کے رشد و ہدایت سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ طبیعت اعتدال پر ہو اور مزاج صحیح ہو۔ اور اگر "فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ" کے مطابق دل مریض ہو تو "فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا" کے مطابق مرض اور بھی بڑھے گا۔ اور یہ قصور اپنا ہے۔ قرآن پاک کا نہیں۔

امامت

حضرات! یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لیجیے۔ نماز باجماعت پڑھنے کے لیے امام ایسا ہونا چاہیے جو دل کا مریض نہ ہو۔ یعنی جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہو۔ قرآن پڑھے تو ایسا نہ ہو کہ ان پڑھنے والوں سے ہو جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ (مشکوٰۃ شریف صـ۱۸۳)

"یعنی قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہ اُترے گا۔"

بعض حضرات بڑی سادگی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب! آگے کوئی بھی ہو۔ ہمیں کیا؟ ہم قرآن کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بھائیو! اگر یہی بات ہے تو مصلّیٰ پر گراموفون رکھ کر اس پر ایک ایسا ریکارڈ لگا دیا جائے جس میں قرآن بھرا ہوا ہو۔ تو کیا اس طرح بھی قرآن کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے گی؟ یقیناً اس طرح کوئی بھی نماز پڑھنے پر تیار نہ ہو گا۔ مگر کیوں؟ کیا آگے قرآن نہیں پڑھا جا رہا؟ معلوم ہوا کہ صرف قرآن کا پڑھا جانا ہی نہیں دیکھا جاتا بلکہ قرآن پڑھنے والے کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آریوں کا ایک مبلغ رامچندر نامی تھا۔ جو مسلمانوں سے مناظرے کیا کرتا تھا۔ اُسے قرآن پاک کی اکثر آیات زبانی یاد تھیں اور اپنے مناظروں میں وہ قرآن پاک پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ تو فرمائیے کہ یہاں بھی وہی اصول برتا جائے گا؟ اور قرآن پڑھتا دیکھ کر اُسے بھی سچا سمجھ لیا جائے گا؟ بھائیو! امامت ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ امام کے لیے صحیح العقیدہ، عالم و عامل ہونا ضروری ہے۔

قبلہ کی طرف تھوکنے والا

حضرات! ایک حدیث پاک سنیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو ایک قوم کا امام تھا۔ اس نے ایک مرتبہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چنانچہ اس کے بعد پھر جو وہ امامت کرانے لگا۔ تو قوم نے اسے امامت سے روک دیا اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اس نے یہ بات سُنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا کہ حضور! کیا واقعی آپ نے میرے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں!

اِنَّکَ قَدْ اٰذَیْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مشکوٰۃ شریف صـ۶۳)

"تو نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔"

یعنی قبلہ کی طرف منہ کر کے تم نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ اس لیے میں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔ بھائیو! غور کرلو۔ کہ آجکل جسے ایک معمولی بات سمجھا جاتا ہے۔ اسی کی بنا پر حضور نے ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا ارشاد فرما دیا۔ حالانکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا تھا۔ مگر حکم یہی ہوا کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بھائیو! پھر آج اگر کوئی شخص بدعقیدہ ہو یا بدعمل ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی کیسے درست ہو سکتی ہے۔

پلید کپڑا

لیجیے۔ موٹی سی ایک بات پیش کرتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ امام صاحب کے اگر کپڑے ناپاک ہوں تو وہ چاہے سارا قرآن بھی پڑھ ڈالے تو بھی اس کے پیچھے نماز نہ ہو گی۔ کیوں نہ ہو گی؟ صرف اس لیے کہ امام کے کپڑے ناپاک ہیں اور کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ بھائیو! اور اگر امام کا دل ہی پلید ہو اور بدعقیدگی کی نجاست سے ملوث۔ تو انصاف سے کہنا کہ اس کے پیچھے نماز کیسے ہو سکتی ہے؟ افسوس کہ بعض حضرات نے نماز کو بڑا ہی معمولی کام سمجھ رکھا ہے اور وہ نماز کے آداب، امامت کے فرائض اور جماعت کے مسائل کو نہ سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی کچھ پروا

کرتے ہیں ـــــــــــ

ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اللہ کے نیک بندوں کی راہ پر چلنے کی دعا کا ارشاد فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دعا یوں مانگو کہ اے اللہ! ہمیں قرآن وحدیث کی راہ پر چلانا اور یہ اس لیے کہ قرآن وحدیث کے نام سے بہت سے لوگوں نے غلط راہیں بھی نکال رکھی ہیں۔ ہاں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اُن کی جو راہ ہے وہی دراصل قرآن وحدیث کی صحیح راہ ہے لہٰذا ہمیں دُعا یہی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ ہمیں اس راہ پر چلا جو راہ تیرے نیک بندوں کی راہ ہے۔

سوادِ اعظم

میرے بھائیو! جس راہ پر ٹریفک عام ہو اور جس سڑک بڑی بڑی بسیں اور بڑے بڑے لوگوں کی کاریں، موٹریں، سائیکل اور تانگے آتے جاتے نظر آئیں۔ سیدھی راہ وہی ہے اور بے خطر بھی ہے اور جو راہ ایسی ہو کہ جس پر ٹریفک عام نہیں، کوئی موٹر کوئی بس، کوئی کار اس پر چلتی نظر نہ آئے۔ وہاں کبھی کبھی کوئی شخص بھولا بھٹکا اس پر چلتا نظر آجائے تو عقلِ سلیم کا یہی فتویٰ ہے کہ یہ راہ سیدھی راہ نہیں اور خطرات سے خالی بھی نہیں۔

میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے ہمیں جو یہ تلقین فرمائی ہے کہ اس راہ پر چلنے کی دعا مانگو۔ جو راہ اللہ کے مقبول بندوں کی ہے تو اُس کا فلسفہ یہی ہے کہ یہی وہ راہِ عظیم اور صراطِ مستقیم ہے۔ جس پر صحابہ کرام، بڑے بڑے اولیاؒ، غوث، قطب اور اللہ کے دیگر نیک بندے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہی وہ راہ ہے جس راہ پر ایک جمِ غفیر اور سوادِ اعظم چلتا نظر آرہا ہے۔ لہٰذا یہی راہ سیدھی راہ ہے اور خطرات سے خالی بھی۔ خبردار! کسی دوسری راہ کا خیال بھی نہ کرنا۔ جس راہ پر نہ کوئی ولی، نہ کوئی غوث، نہ کوئی قطب اور نہ ہی کوئی جمِ غفیر گذرتا ہوا نظر آئے۔ ایسی راہ سیدھی نہیں اور خطرات سے خالی

بھی نہیں۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرما دیا ہے کہ :-

عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ۔ (ابن ماجہ ص۲۹۱)

"یعنی ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔" مطلب یہی کہ جس راہ پر بڑی جماعت گزرتی ہو۔ وہی راہ اختیار کرو۔ بھائیو! اب یہ دیکھنا آپ کا کام ہے کہ بڑی جماعت کونسی راہ پر گذرتی نظر آرہی ہے۔ یہ اللہ کے مقبول بندے کس راہ پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے فرمایا ہے کہ :-

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

"یعنی اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔"

دو بیماریاں

حضرات! خوب یاد رکھیے کہ بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک جسمانی اور ایک رُوحانی۔ جسمانی بیماریاں تو سب کے علم میں ہوتی ہیں اور رُوحانی بیماری کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

"یعنی ان کے دلوں میں (کفر ونفاق) کی بیماری ہے اور (قرآن نازل فرما کر) اللہ ان کی بیماری اور بھی زیادہ کرتا ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا :-

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ "پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔"

بھائیو! اس رُوحانی اور قلبی بیماری کا اگر علاج نہ کرایا جائے تو جس طرح بیمار آدمی لاعلاج ہو کر مر جاتا ہے اسی طرح رُوحانی اور قلبی بیماری کی طرف بھی اگر توجہ نہ دی جائے تو اس کا نتیجہ بھی رُوحانی موت ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ :- مَثَلُ الَّذِيْنَ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ

مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ (مشکوٰۃ شریف ۱۸۸)

ذاکر و غافل کی مثال زندہ و مُردہ کی ہے۔"

یعنی جو شخص اپنے خالق و مالک کی یاد میں رہتا ہے وہ زندہ ہے اور جو بھول جائے وہ مُردہ ہے۔ اس ارشادِ حق بنیاد سے معلوم ہوا کہ اصل زندگی دل کی زندگی ہے۔ بظاہر زندہ ہو اور دل مردہ ہو تو وہ برائے نام زندہ ہے اور جس کا دل زندہ ہو اس پر موت بھی طاری ہو جائے تو بھی وہ زندہ ہی ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جس غافل کا دل مُردہ ہے وہ کاروں میں بھی بیٹھا ہو تو مردہ ہے اور جس ذاکر کا دل زندہ ہے وہ مزار میں بھی لیٹا ہو تو زندہ ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے   مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

اولیاء کرام

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! سب جانتے ہیں کہ آجکل جسم کے ہر عضو کے لیے مخصوص ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ کوئی صرف کان کا سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ کوئی صرف ہی کا معالج ہوتا ہے۔ کوئی صرف پیٹ کے مرض کا ڈاکٹر ہوتا ہے اور کوئی صرف حلق کا ہی علاج کرتا ہے۔ خوب یاد رکھیے کہ اسی طرح جسمانی بیماریوں کے طبیب اور ہیں اور رُوحانی بیماریوں کے طبیب اور، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ جسم کے معالج تو ہوں مگر رُوح کے علاج کے لیے کوئی نہ ہو۔ بھائیو! جس طرح جسمانی بیماریوں کے معالجین ہیں۔ اسی طرح رُوحانی دلی بیماریوں کے معالج بھی موجود ہیں اور جسمانی بیماریوں کے معالجین کو ڈاکٹر یا طبیب کہتے ہیں اور رُوحانی بیماریوں کے معالجین کا نام ہے اَوْلِیَاءِ کِرَام ۔۔ اور جس طرح ہم ڈاکٹروں کے محتاج ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام کی بھی ہمیں احتیاج ہے۔

آج کل

افسوس کہ آجکل رُوحانیت سے لوگوں نے بڑی بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ جسم کی صحت کے لیے تو ہم دن رات کوشاں رہتے ہیں اور

جسم کے لیے نت نئے کھانے اور اس کی زیبائش و آرائش کے لیے نئے فیشنوں کو اپناتے رہتے ہیں۔ مگر رُوح کی نہ غذا کی فکر رہتی ہے اور نہ اس کی دوا کی ۔۔ جسم سلامت رہے۔ رُوح اور قلب کا چاہے کچھ بھی نہ رہے۔ بھائیو! آج کل جو غیر شرعی حرکات عام ہیں۔ اور ان کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ دل ہمارے مر چکے ہیں۔ دل زندہ ہو تو اسے احساس بھی ہو۔ افسوس کہ رُوحانی اور دلی بیماریاں بڑھ رہی ہیں اور ان کے علاج کی فکر کوئی بھی نہیں کرتا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔

عرفان اولیا

حضرات! یہ روحانی معالجین جن کا نام اولیاء کرام ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ان سے ہم اپنی قلبی بیماریوں کا علاج کرائیں۔ شفا دیتے والا تو اللہ ہی ہے۔ مگر جس طرح جسمانی بیماری کے ازالہ کے لیے ہم کسی حکیم کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور اس کے پاس جانا، اس کے سامنے اپنا دکھ درد بیان کرنا توحید کے منافی نہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہونا اور ان سے فریاد کرنا بھی توحید کے منافی نہیں اور جس طرح جسمانی طبیب صرف نبض دیکھ کر ہی اندرونی شکایات جان جاتا ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام بھی اپنے عرفان سے سب کچھ جان لیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

این حکیمانِ بدن دانشور اند!   بر سقامِ تو ز تو واقف تر اند!
ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم!   بو برند از تو بصد گونہ سقم
پس طبیبانِ الٰہی در جہاں   چوں نہ دانند از تو اسرارِ نہاں
حال تو دانند یک یک مو بمو   زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ہو

یعنی یہ بدنی حکیم بہت عقلمند اور دانا ہوتے ہیں کہ نبض رنگ اور خون دیکھ کر تجھ سے بھی زیادہ تیری بیماریوں پر واقف ہو جاتے ہیں۔ پس جب ان بدنی حکیموں کا یہ حال ہے کہ اپنی حکمت سے تیری پوشیدہ باتوں کا سراغ لگا

لیتے ہیں تو پھر جو حکیمانِ الٰہی اولیاء کرام ہیں وہ تیری چھپی باتوں پر کیوں نہ واقف ہوں گے۔ بلکہ یہ لوگ تیرے بال بال کا حال جانتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ نور و عرفان سے تیرے اک اک حال کا انھیں علم ہو جاتا ہے۔
چنانچہ حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ سنیئے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمۃ

حضرت کے زمانہ میں ایک مجوسی رہتا تھا۔ ایک روز اس نے گلے میں زنار پہن لیا اور اس کے اوپر مسلمانوں کا لباس پہن کر حضرت جنید کے پاس آیا اور کہنے لگا، حضور! ایک حدیث کا مطلب پوچھنے آیا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے:۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" اس حدیث کا کیا مطلب؟ حضرت جنید مسکرائے اور فرمایا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنا زنار توڑ، کفر چھوڑ اور کلمہ پڑھ کر اسلام سے رشتہ جوڑ۔

مجوسی نے جب یہ کرامت دیکھی تو جھٹ پکار اٹھا:
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۲۳۳)

بھائیو! یہ ہے اللہ کے ولی کا علم و عرفان۔ اور سب جانتے ہیں کہ اولیاء کرام کے جملہ علوم و کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہیں اور انھیں کے اتباع سے انھیں یہ سب کمالات حاصل ہوئے۔ پھر کس قدر جاہل ہوگا وہ شخص جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علم و عرفان میں کلام کرنے لگے اور انھیں کو دیوار کی پیچھے کی چیز سے بھی بے خبر بتانے لگے۔ خدا تعالیٰ ایسے بُرے خیالات سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بھائیو! ان اللہ والوں نے اپنے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اس قدر صاف و شفاف کر لیا ہے کہ وہ اسرار و رموز کا مظہر بن جاتا ہے۔ صاحب تفسیر حسینی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

ضمیرے کہ او روشن است از غبار — شود نقش غیبی در او آشکار

یعنی جو دل کہ گناہوں کی گرد سے آئینے کی طرح صاف ہوتا ہے۔ اس میں غیبی نقش خود بخود ظاہر ہونے لگتے ہیں اور ایسے روشن ضمیر حضرات کی مبارک آنکھوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی نظریں لوحِ محفوظ تک بھی جا پہنچتی ہیں چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اسی لیے فرمایا ہے کہ: ع

لوحِ محفوظ است پیشانیٔ یار

اسی لیے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ؎

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا
كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِىْ

یعنی میں نے اللہ کے تمام شہروں کو دیکھ لیا اور میری نگاہ میں وہ سب رائی کے دانہ کے برابر ہیں"۔

اور ایک شاعر نے یوں لکھا ہے کہ ؎

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا مجھ کو
کہ فلک خال سے چھوٹا نظر آیا مجھ کو

صحبتِ صالحین

ہاں تو بھائیو! ان پاک لوگوں کے پاس جانا اور ان سے اپنی روحانی بیماریوں کا علاج چاہنا بہت ضروری ہے، یہ لوگ اپنی مبارک نظروں سے دل کی اصلاح فرما دیتے ہیں اور ان کے پاس بیٹھنے ہی سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نیک بندوں کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔
اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ ۔" یعنی جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے"
چنانچہ دیکھ لیجئے۔ کہ ان اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے دل میں اللہ کی محبت اور زبان پر اللہ کا نام جاری ہو جاتا ہے اور غافل سے غافل انسان بھی صحبتِ صالحین کی بدولت اللہ اللہ کرنے لگتا ہے۔

حضرات! یہ فائدہ ہے کہ جس قسم کے ماحول میں پہنچیے۔ اُسی قسم کے
خیالات آنے لگتے ہیں کسی سینما ہال کے علاقہ میں پہنچیے تو فلمی خیالات آنے
لگیں گے۔ کسی غیر عورت کا سامنا ہو تو شیطان کو اپنی "تبلیغ" کا موقعہ مل جاتا ہے،
کپڑے کے بازار میں پہنچیے تو قسم قسم کا کپڑا خریدنے پر دل چاہنے لگتا ہے۔
صرافہ بازار میں جائیے تو زیورات کی خواہش اُبھرنے لگتی ہے۔ دوستو! اسی
طرح کسی اللہ والے کی مجلس میں پہنچو تو "اللہ اللہ" کرنے پر دل چاہنے لگتا ہے،
اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں ایسے مواقع نظر آئیں اور جوان نیک
لوگوں کی صحبت سے مستفید ہو کر "ذکر اللہ" کو اپنالیں۔ بھائیو! ان اللہ والوں کی صحبت
کا یہ اثر دیکھ لو کہ ان کے پاس حاضر ہونے والے کی زبان پر اللہ کا نام کچھ ایسا
جاری رہنے لگتا ہے کہ کسی ایسے ہی شخص کو جو اللہ والوں کی صحبت میں رہنے
کا عادی ہو۔ کسی وقت بے خبری میں اُسے ڈرا کر دیکھئے تو اچانک اس کے
منہ سے نکلے گا "اللہ" مگر جو بازار میں رہنے والا، بُری سوسائٹی میں بیٹھنے
والا اور کبھی مسجد میں نہ آنے والا اور کسی نیک بندے کے پاس نہ بیٹھنے والا ہو
اُسے ڈرا کر دیکھئے تو اچانک اس کے منہ سے نکلے گا "ارے تیری ماں کو"
دیکھا آپ نے صحبت کا اثر؟ صحبتِ صالحین کی بدولت ہر وقت اس کی
زبان پر ذکرِ حق ہی رہے گا۔ اور یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ قبر میں جب
فرشتے آکر جگائیں گے تو اس وقت بھی وہ "اللہ اللہ" ہی کرتا اُٹھے گا۔

لطیفہ

بھائیو! یہ قاعدہ ہے کہ دن بھر جس شغل میں رہا جائے۔ رات کو خواب
میں بھی اُسی قسم کے خیالات سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک
کپڑے کا تاجر ہندو لالہ رات کو سو رہا تھا تو آدھی رات کے وقت اس کی
دھرم پتنی نے اچانک ایک آواز سنی "چرر" یہ "چرر" کی آواز سن کر
"للائن" اُٹھی اور اس نے دیکھا کہ لالہ جی مہاراج نے اپنی ہی دھوتی کھول کر
درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں اور ایک ٹکڑا اس ہاتھ میں اور

دوسرا ٹکڑا اُس ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے۔ دھرم پتنی نے کہا۔ مہاراج! یہ کیا بات؟
تو لالہ جی بولے۔ کیا بتاؤں خواب میں دکان پر ایک گاہک آیا تھا۔ اس نے
ایک دھوتی مانگی اور پسند کرکے کہا کہ اس تھان سے ایک دھوتی پھاڑ دو۔
میں نے اس تھان سے ایک دھوتی جو پھاڑی تو "چرر" کی آواز سے آنکھ
کھل گئی۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ اپنی ہی دھوتی کھول کر میں نے پھاڑ دی ہے۔
دیکھا کہ آپ نے لالہ جی مہاراج جس شغل میں دن بھر رہتے تھے۔ وہی
شغل خواب میں بھی نظر آیا اور اپنی دھوتی کو پھاڑ ڈالا۔

میرے بھائیو! اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ اللہ کرتے ہی مرو تاکہ قبر میں
جب اُٹھو تو اللہ اللہ کرتے ہی اُٹھو۔ ایسا نہ ہو کہ سینما دیکھتے ہوئے ہارٹ فیل
ہو جائے اور قبر میں جب اُٹھو تو وہاں بھی پوچھنے لگو کہ ہاف ٹائم ہوا ہے یا نہیں؟
میں کہہ رہا تھا کہ ان اللہ والوں کی صحبت بڑی اچھی چیز ہے اور جو ان
کی صحبت پالیتا ہے وہ بہت کچھ پالیتا ہے اور اس کی کایا ہی پلٹ جاتی
ہے اور جو شخص دُنیا ہی میں مگن رہتا ہے اور ان اللہ والوں سے دُور رہتا
ہے۔ وہ خسارے میں رہتا ہے۔ اسی لیے مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہمچو بلبل دوستیٔ گل گزیں — تا شوی با حزنِ گل ہمنشیں
زاغ چوں مردار را شد ہم نفس — یارِ او مردار خواہد بود و بس

یعنی بلبل کی طرح پھول سے دوستی رکھ اور کوّے کی طرح مردار پسند نہ بن۔
بھائیو! وہ دنیا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی ہو مردار ہی تو ہے۔
یہ اللہ والے اپنے فیض سے انسان کو اس غفلت کا شکار نہیں ہونے دیتے۔
اور اسے ذکرِ حق اور یادِ رسول جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور
انسان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

نسبت کا فائدہ

بھائیو! عربی گرامر یعنی نحو کا مسئلہ ہے کہ جو نکرہ معرفہ کی طرف
مضاف ہو۔ وہ نکرہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو عام چیز

کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہوجائے تو وہ عام بھی خاص ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھئے جب کتے کا نام لیا جائے اور کہا جائے کہ "کتا" تو یہ ایک عام لفظ ہے۔ اور یہ نام سن کر ہر ایک اسے حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ مگر جب یوں کہا جائے "اصحابِ کہف کا کتا" تو اب ہر کوئی اُسے عزت کی نظر سے دیکھنے لگے گا اور یہ لفظ اب عام نہ رہے گا بلکہ اسے بھی ایک خصوصیت حاصل ہو جائے گی اور یہ بات اُسے کیسے حاصل ہوئی؟ صرف اللہ والوں کی طرف نسبت حاصل ہوجانے سے۔ یہی وہ کتا ہے جو راتوں رات اللہ کے مقبول بندوں کی معیت میں نکلا تھا اور جب ان اللہ والوں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کے بھونکنے سے دشمن کو ہماری خبر نہ ہو جائے۔ خدا نے اُسے زبانِ گویائی عطا فرمائی تو وہ یوں بولا تھا (پنجابی شعر) ؎

نہ میں بھونکاں نہ میں ٹونکاں نہ میں شور مچاواں
شاید صحبت نیکاں لوکاں میں بھی بخشیا جاواں

خوشبودار مٹی

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم

یعنی ایک روز میں حمام گیا تو وہاں کسی دوست سے مجھے ایک خوشبودار مٹی ملی۔

بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے
کہ از بوئے دلآویزے تو مستم

میں نے اس مٹی سے کہا تم مشک ہو یا عبیر؟ تمہاری دلآویز خوشبو سے میں تو مست ہوا جا رہا ہوں۔ جلدی بتاؤ کہ تم کیا ہو۔ مشک ہو یا عبیر؟ ؎

بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم

مٹی بولی کہ میں تو ایک ناچیز مٹی ہوں۔ مگر کچھ عرصہ پھولوں کے ساتھ رہی ہوں۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

"ہمنشیں پھولوں کی صحبت کا یہ اثر ہے کہ ان کے جمال نے مجھ میں خوشبو کا اثر پیدا کر دیا ہے ورنہ میں تو وہی ایک "مٹی" ہوں۔"

سبحان اللہ! کیا ہی پُر لطف واقعہ ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے کس پیارے انداز میں صحبتِ صالحین کے فوائد بیان فرما دیئے ہیں۔ ایک مٹی جب پھولوں کے گلدستہ کے گرد لپیٹ جاتی ہے اور کچھ عرصہ ان کی صحبت میں رہتی ہے تو اس مٹی میں بھی وہی پھولوں والی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی کو دیکھنے والا پھر اُسے مٹی نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ پوچھتا ہے کہ تو مشک ہے یا عنبر؟ اور پھر دیکھئے۔ اس پھولوں کی فیض یافتہ "مٹی کا انکسار اور اس کی تواضع" کہ وہ یوں جواب دیتی ہے کہ میرا کیا ہے میں تو وہی ایک مٹی ہوں۔ یہ سارا فیض تو پھولوں کا ہے۔

مسئلہ بشریت

میرے بھائیو! یہیں سے مسئلہ بشریت بھی سمجھ لیجئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک لباسِ بشریت میں ملبوس تشریف لائے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ مگر یہ بشریت مقدسہ ما وشما کی بشریت جیسی نہیں۔ یہ مقدس و نورانی بشریت بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور ایسی کو دیکھنے والا جب دیکھتا ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر درخت چلے آ رہے ہیں۔ جانور آ آ کر سجدے کر رہے ہیں۔ اس مبارک انگلیوں سے دریائے رحمت جاری ہو رہے ہیں۔ ایک انگلی مبارک کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو رہے ہیں اور حکم پا کر غروب شدہ سورج پلٹ رہا ہے تو ایسے ایسے عظیم الشان معجزات و واقعات دیکھ کر دیکھنے والا پوچھتا ہے کہ حضور! آپ کون ہیں؟

بھائیو! ہمارے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم اس سوال کا جواب دیکھئے کس تواضع سے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ

شیخ سعدی کے سوال پر جواب یہ ملا تھا کہ "من گلے ناچیز بودم" میں تو ایک مٹی ہوں۔ مگر "مدتے باگل نشستم" کچھ عرصہ پھولوں کے ساتھ رہی ہوں۔ بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً یوں فرماتے ہیں کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "یُوْحٰی اِلَیَّ" یعنی بشر تو ہوں۔ مگر ایسا کہ "مدتے باگل نشستم" ساری مخلوق سے بھی پہلے کا مخلوق ہوں اور ساری کائنات سے اوّل میرے ہی نور کو پیدا کیا گیا اور ہزاروں سال پہلے بھی یہ نورِ پاک نورِ ازلی کے شرفِ معیت سے مشرف ہوا۔ اور اب بھی میرا التعلق اس ذاتِ ابدی و ازلی سے ایسا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ یہ اسی تعلق و صحبت کا فیض ہے کہ میری ذاتِ بابرکات میں سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہونے لگا ہے اور میرے جملہ کمالات و معجزات اُسی ذاتِ ابدی و ازلی کے جمالِ پاک کی تاثیر پاک ہیں۔

بھائیو! حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ خوشبودار مٹی کو دیکھنے والا تو یہی کہے گا کہ

مشکی یا عبیری ؟

مگر خوشبودار مٹی کا اپنا جواب تواضعاً یہ ہوگا۔ کہ

"من گلے ناچیز بودم"

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا تو یہی کہے گا کہ

تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مگر حضور تواضعاً یوں فرماتے ہیں۔

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

چنبیلی کا پھول

دوستو اور عزیزو! چنبیلی کے پھول بڑے خوشبودار ہوتے

ہیں۔ مگر تلوں کا تیل خوشبودار نہیں ہوتا۔ غور فرمائیے کہ یہی تیل دو دو پیسہ میں سیر بھر مل جاتا ہے مگر جب اُسے چنبیلی کے پھولوں کی صحبت میں تیار کیا جائے تو پھر یہ عام تیل نہیں رہتا۔ بلکہ خوشبودار ہو جاتا ہے اور صرف "تیل" بھی نہیں کہلواتا۔ بلکہ "چنبیلی کا تیل" کہلانے لگتا ہے اور بجائے دو دو پیسہ فی سیر کے چوگنی قیمت پر بکنے لگتا ہے۔ یہ جو اس میں خوشبو پیدا ہو گئی اور نام بھی "چنبیلی کا تیل" ہو گیا اور قیمت بھی دُگنی ہو گئی۔ یہ کس لیے؟ یہ سب فیض ہے چنبیلی کے پھولوں کی صحبت کا ـــــ!

بھائیو! اب اگر مٹی کا تیل صرف لفظ تیل کے اشتراکِ اسماء کے پیش نظر چنبیلی کے تیل سے یوں کہنے لگے کہ تو بھی تیل اور میں بھی تیل ـــ لہٰذا تو میری مثل ہے تو سب کہیں گے کہ کیسی فضول بات ہے۔ کہاں چنبیلی کا تیل اور کہاں یہ مٹی کا تیل۔ وہ خوشبودار، یہ بدبودار۔ وہ محبوبوں کے سر پر ملنے کے لیے اور یہ چولہوں کی آگ میں جلنے کے لیے۔ بھائیو! کچھ سمجھے آپ؟ کہ کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی بشریت اور کہاں منکرینِ رسالت کی ناری بشریت، وہ عرش کا جمال اور یہ جہنم کا مال، اس کا عرش بھی خواہاں اور اس سے فرش بھی نالاں ہے

تو رینگتا ہے فرش پر اور عرش پر ان کی گذر!
اب خود ہی تو انصاف کر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟

ہاں تو ان بزرگانِ دین کی صحبت میں رہنا اور دل سے عقیدت رکھنا بڑی اچھی بات ہے اور اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اُس عالم میں بھی۔ چنانچہ آپ کو ایک حدیث پاک سناؤں۔

قیامت کے دن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے مقبول جب جنت کو جا رہے ہوں گے تو جہنمی لوگ راستے میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے تو ایک دوزخی ایک

جنتی سے اس کا نام لے کر کہے گا۔

یَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِیْ اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُکَ شَرْبَۃً
وَقَالَ بَعْضُھُمْ اَنَا الَّذِیْ وَھَبْتُ لَکَ وَضُوْءً
فَیَشْفَعُ لَہٗ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۶)

اے فلاں! کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ کہ میں وہی ہوں۔ جس نے تجھے ایک دفعہ پانی پلایا تھا۔ اور ایک اور دوزخی اس سے یوں کہے گا اور میں وہی ہوں جس نے تجھے وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ پس وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرکے اُسے جنت میں لے جائے گا۔"

بھائیو! دیکھ لو! ان اللہ والوں سے ذرا سا حسنِ سلوک بھی قیامت کے روز فائدہ دے گا۔ اس حدیث کے مطابق ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ کل قیامت کے روز ان والوں کی خدمت ہمارے کام آئے گی اور ہمارے لیے موجبِ نجات ہو گی۔

گیارہویں شریف

میرے بھائیو! یہ گیارہویں شریف کی نیاز جو ہوتی تو اللہ ہی کے واسطے ہے اور اس کا ثواب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں حاضر کیا جاتا ہے۔ اسی حدیث پاک سے اس کا فائدہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ کل قیامت کے روز ہم بھی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کریں گے کہ حضور! ہم وہی ہیں۔ جو گیارہویں شریف کی تقریب پر کچھ پکا کر اس کا ثواب حضور کی بارگاہ میں حاضر کیا کرتے تھے۔ تو بھائیو! جب ایک گھونٹ پانی پلانے والے اور صرف وضو کرانے والے کو اللہ والے جنت میں لے جائیں گے تو حضور غوث پاک اپنے عقیدت مندوں اور ان کی بارگاہ میں گیارہویں شریف کا ثواب حاضر کرنے والوں کو کیوں نہ اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں گے۔ سچ ہے کہ ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اللہ والوں کی پہچان

بھائیو! یہ اللہ والے پاک لوگ ہوتے ہیں کہ ان کی مجلس میں جاؤ تو بس خدا ہی خدا یاد آتا ہے اور انسان کی عاقبت سنور جاتی ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ والوں کی پہچان اور ان کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ۔

کیا میں تمھیں نیک بندوں کی علامات بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا۔

بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

ہاں! یا رسول اللہ۔ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

"تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن سے زیارت سے خدا یاد آ جائے۔"

سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے۔ واقعی ان لوگوں کے پاس جائیے اور ان کے مبارک چہروں کو دیکھئے تو خدا یاد آ جاتا ہے اور اُن کی زیارت سے ایمان جلا پانے لگتا ہے۔ بھائیو! یہ حقیقت ہے اور آزما کر دیکھ لیجئے کہ ان پاک لوگوں کے نورانی چہروں کو دیکھ کر روحانی انبساط اور نورانی سرور پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرات! چونکہ یہ پاک لوگ ہر وقت اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو اس مبارک ذکر و فکر کی بدولت اُن کے چہروں پر انوارِ الٰہی برسنے لگتے ہیں۔ اور جب ان کے چہروں کی طرف دیکھا جائے تو اللہ کی یاد سے دل منور ہو جاتے ہیں۔ اور بھائیو! یہ بھی دیکھا ہو گا آپ نے۔ کہ بعض "برائے نام بزرگ" ایسے بھی ہیں۔ جو کھدر مارکہ کپڑوں اور کھل نما کا گرسی ٹوپیوں میں ملبوس نظر آتے ہیں اور بخدا ایسے "بزرگوں" کو دیکھ کر خدا تو نہیں، ہاں گاندھی و نہرو کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ پس یہیں سے اندازہ لگا لیجئے ایسے افراد کی بزرگی کا۔ اللہ کا جو مقبول بندہ ہے اُسے دیکھ کر خدا یاد آ جانا

چاہیئے۔ نہ کہ گاندھی و نہرو۔ پس ایسے افراد سے بھی اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اور اپنے مقبول بندوں ہی کی صحبت سے ہمیں مستفید ہونے کی توفیق دے۔

ہاں تو بھائیو! اللہ والوں کی معیت وصحبت بڑی مفید چیز ہے۔

مرنے کے بعد اور نہ صرف یہ کہ اسی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان اللہ والوں کی برکت جاری رہتی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ

اَدْفِنُوا مَوْتَاكُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَتَاَذّٰى مِنْ جَارِ السُّوْءِ كَمَا يَتَاَذّٰى الْحَيُّ۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۲ صـ ۱۲۸)

یعنی اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لیے کہ میت کو بھی برے پڑوسی سے ایذا ہوتی ہے جس طرح زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔"

سبحان اللہ! کیا ہی مبارک ارشاد ہے اور ان اللہ والوں کے فیض و برکت پر یہ ارشاد کس طرح دلالت کر رہا ہے۔ گویا یہ اللہ والے انتقال کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے لیے موجب راحت و رحمت ثابت ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں میرے بھائیو! انبیاء کرام علیہم السلام پاک و معصوم ہوتے ہیں۔ مگر تعلیم اُمت کی خاطر ان کی پاکیزہ دُعائیں سنیئے جو اُنھوں نے اپنے رَبّ سے مانگیں حضرت یوسف علیہ السلام دُعا مانگتے ہیں:-

اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

"یعنی اے مولا! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا رفیق ہے۔ اس دُنیا سے مجھے مسلمان اُٹھا اور اپنے نیک و صالح بندوں سے مجھے ملا دے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام ہمیشہ یہ دُعا مانگا کرتے تھے۔

وَاَدْخِلْنِىْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔

"یعنی اے مولا! اپنی رحمت سے تو مجھے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ملاحظہ فرمایئے۔

رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

یعنی اے میرے رَبّ! مجھے حکم عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔"

سبحان اللہ! کیا مبارک دعائیں ہیں۔ گویا اُمت کے لیے یہ سبق ہے کہ ان اللہ والوں سے تعلق اس زندگی میں بھی رکھو اور مرنے کے بعد بھی انھیں پاک لوگوں سے تعلق رکھنے کی دُعائیں مانگو۔ بھائیو! ذرا سوچو تو ان اللہ والوں کی ہمیں کس قدر حاجت ہے اور ان کی معیت و نسبت کس قدر ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ پُرفتن دَور میں اللہ والوں پر مذاق اُڑانا ایک فیشن بن گیا ہے۔ خود یاد رکھیے کہ ؎

دوستیٔ مقبلاں چوں کیمیا است — چوں نظر شاں کیمیائے خود کجا است
چشمِ احمد بر ابوبکرے زدہ — او زیک تصدیق صدیق آمدہ
گر تو سنگِ خارہ مرمر شوی — گر بصاحب دل رسی گوہر شوی

نیک صحبت میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک صحبت کی ایک بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:-

مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ۔ (مشکوٰۃ شریف صـ ۴۲۶)

"یعنی نیک ہمنشیں اور برے ہمنشیں کی مثال کستوری اٹھانے والے اور مشک پھونکنے والے کی طرح ہے۔"

مطلب یہ کہ کستوری بیچنے والا اپنا دماغ خوشبو سے مفت معطر کر لیتا ہے اور

آگ کی بھٹی میں مشک دھونکنے والا دھوئیں سے بھی پریشان ہوتا ہے اور
اپنے کپڑے بھی جلا لیتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ آپ کسی عطار کی دکان پر جائیں
اور عطر چاہے خریدیں یا نہ خریدیں۔ خوشبو تو آپ کو آہی جائے گی۔ اور اگر
کسی لوہار کی آتشیں بھٹی کے پاس جاکر کھڑے ہو تو چاہے کوئی چیز بنوائیں یا
نہ بنوائیں۔ دھوئیں سے تو پریشان ہوں گے ہی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی
چنگاری اُڑکر کپڑوں پر پڑے تو کپڑے جل جائیں۔

بھائیو! اسی طرح آپ کسی بُرے ہمنشیں کے پاس بیٹھیں گے تو چاہے
آپ کو اُس سے کوئی مطلب ہو یا نہ ہو۔ اس کی بُرائی کی کوئی نہ کوئی چنگاری
آپ پر ضرور پڑے گی اور اگر کسی نیک ہمنشیں کے پاس حاضر ہوں گے تو چاہے
اس سے کچھ سیکھیں یا نہ سیکھیں۔ اللہ اللہ کی آواز اور ذکر فکر کی خوشبو تو آپ
کو آہی جائے گی۔

دیکھ لیجئے ——— کسی اللہ والے کی محفل میں حاضر ہونے سے ایک دم اللہ،
آخرت یاد آنے لگتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی خوشبو ہے جس سے ایمان معطر
ہونے لگتا ہے اور کسی بُرے آدمی کی مجلس میں پہنچئے تو ناچ گانے، لہو لعب
اور عشق و فسق کی باتوں سے نفس خوش ہو تو ہو۔ مگر روح مکدر ہو جاتی ہے۔
لہٰذا میرے بھائیو! ان اللہ والوں کی مجلس اختیار کرو اور بُری سوسائٹیوں سے
اپنے آپ کو بچاؤ اور مولانا رُومی کا ارشاد یاد رکھو کہ ؎

دُور شو از اختلاطِ یارِ بد — یارِ بد بدتر بود از مارِ بد!

ایک عام غلطی

میرے بھائیو! آجکل ایک عام غلطی یہ بھی ہے کہ لوگ بُری مجلس
سے نہ بچنے کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں۔ میاں اپنا عمل اپنے
ساتھ ہے۔ اگر کوئی بُرا ہے تو اپنے واسطے ہے۔ ہمارا تو خیر خواہ ہے۔ حضرات!
یہ بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ دیکھئے آجکل ڈاکٹر بعض بیماریوں کو متعدی
بتاتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ فلاں مرض کے مریض کے پاس نہ جاؤ۔ ورنہ

وہ مرض تمھیں بھی لگ جائے گا۔ بھائیو! حالانکہ یہ کوئی یقینی بات بھی نہیں ہے
کہ کسی ایسے مریض سے چھوجانے میں بیمار ہوجانا ضروری ہو۔ لیکن پھر بھی لوگ
ڈاکٹروں کی بات پر اس حد تک یقین کر لیتے ہیں کہ چاہے حقیقی باپ یا بیٹا
بھی بیمار پڑجائے تو اس کی عیادت تک کو نہ خود جاتے ہیں۔ نہ کسی دوسرے
کو جانے دیتے ہیں۔ مگر جو مرض ضرور لگ جاتا ہے۔ یعنی صحبتِ بد کا اثر۔ اُس
سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں کرتے۔ بلکہ اُن علمائے کرام کو کوستے ہیں کہ کیسی سے
ملنے ہی نہیں دیتے۔ بھائیو! یہ بات ڈاکٹروں کے لیے کیوں نہیں کہتے۔ کہ یہ لوگ
کسی سے ملنے ہی نہیں دیتے۔ ڈاکٹر بھی تو یہی کہتے ہیں نا! کہ فلاں مریض
متعدی مرض کا مریض ہے اس کے قریب نہ جانا۔ اُسے چھونا نہیں۔ پچھلے
دنوں جب انفلوئنزا کا مرض عام ہوگیا تھا تو اخبارات میں ڈاکٹروں کی ہدایات
چھپی تھیں کہ کسی انفلوئنزا کے مریض کے قریب ہو کر بات نہ کرو اور دوسرے
بھی بات نہ کرو۔ اگر کرو تو ناک پر رُومال رکھ لو۔ تاکہ اس کی سانس سے جراثیم تمھاری
ناک میں نہ گھس جائیں اور انفلوئنزا کے مریض کے بدن کے کپڑے دوسرا کوئی
شخص استعمال نہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیوں صاحب! ان ڈاکٹروں سے تو کسی نے
کہا کہ یہ بڑے مفسد ہیں۔ جو بھائی سے بھائی کو جُدا کر رہے ہیں۔ مگر جناب بات
اور ہے اور وہ یہ کہ جان زیادہ پیاری ہے ایمان سے۔ حالانکہ ایمان زیادہ
پیارا ہونا چاہیئے جان سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ
مَنْ یُّخَالِلُهٗ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۱)

"یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کو دیکھنا چاہیئے، کہ
اِس کا دوست کون ہے؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا رہا ہے کہ ہر شخص کا دوست جس دین وملت کا
ہوگا۔ وہ شخص اُسی کے دین پر اُٹھے گا۔ حدیث پاک میں خلیل کا لفظ وارد ہوا ہے جس
کا مطلب یہ ہے کہ جس سے دوستی ہو اور جس سے دل ملا ہوا ہو۔ دل سے ملنا اور
ہے اور ایک ضرورت سے ملنا ہوتا ہے۔ مثلاً بازار گئے تو وہاں سب طرح کے
لوگوں سے ملنا پڑتا ہے۔ تو یہ اور ملنا ہے۔ حدیث میں جس ملنے کا فرمایا گیا
ہے وہ دوستی کا ملنا اور دل سے ملنا ہے تو ہمیں یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ جن لوگوں
سے ہماری دلی دوستی ہے۔ وہ لوگ عقیدۃً اور عملاً کیسے ہیں۔ حضرات! یہ کوئی معمولی
بات نہ سمجھئے۔ اگر کسی بدعقیدہ و بدعمل سے دوستی ہوگئی تو اپنا دین برباد ہو
جانے کا خطرہ ہے۔ آجکل ایک مرض یہ بھی ہے کہ لوگ کہہ دیتے ہیں۔ جناب
ہمیں اس کے دلی خیالات سے کیا واسطہ! مگر بھائیو! جب حضور علیہ السلام کا
یہ ارشاد ہے کہ کسی بدعقیدہ سے دوستی اچھی نہیں۔ تو پھر ہم کون ہیں۔ جو خواہ مخواہ
کی باتیں بنانے لگیں۔ بعض کہہ دیتے ہیں۔ واہ صاحب واہ! آپ فلاں صاحب
کے عقیدہ کو لیے پھرتے ہیں۔ مگر ہم تو اس کا بظاہر زہد و تقویٰ دیکھتے ہیں۔ کتنا
شریف الطبع ہے۔ کتنا پرہیزگار اور زاہد ہے۔ بھائیو! ظاہری اعمال اپنی جگہ
خوب ہیں۔ مگر عقیدہ کی درستگی شرطِ اوّل ہے۔ اگر عقیدہ میں ذرا سی بھی خرابی
آگئی تو کوئی عمل عمل نہ رہے گا۔

مثال دیکھیے سیر بھر آبِ زمزم میں دو سیر خالص دودھ ڈالیے اور شربتِ
مفرح اور روح کیوڑہ اس میں ڈالئے اور پھر تولہ بھر اس میں پیشاب
بھی کر لیجیے تو ہر عالم ہر مفتی سارے شربت کے نجس ہونے کا فتویٰ دے
دے گا۔ اب اگر کوئی وہاں یہ کہنے لگے واہ صاحب واہ! آپ تولہ بھر پیشاب کو
لیے پھرتے ہیں مگر ہم تو کعبہ شریف سے آئے ہوئے آبِ زمزم کو دیکھ رہے
ہیں۔ خالص دودھ اور روح کیوڑہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیوں صاحب!
یہاں کیا جواب دیا جائے گا۔ یہی نا! کہ بھئی! تولہ بھر پیشاب نے آبِ زمزم

کو بھی ناپاک کر دیا۔ روح کیوڑہ اور دودھ کو بھی پلید کر دیا۔ اور اب یہ آبِ زمزم
بھی پینے کے قابل نہیں رہا۔ بھائیو! اسی طرح ذرا سی بدعقیدگی سے نماز روزہ
اور جملہ اعمالِ صالحہ کا کچھ باقی نہیں رہتا اور یہ سارا "شربت" ناپاک ہو کر رہ جاتا ہے۔
ہاں تو بھائیو! بدعقیدہ اور بدعمل کو دوست ہرگز نہ بناؤ۔ کیوں صاحب!
اگر آپ کو یہ علم ہو جائے کہ فلاں شخص میرے باپ کا دشمن ہے تو کیا آپ ایسے
شخص سے دوستی پیدا کر لیں گے؟ ہرگز نہیں! تو خدا تعالیٰ سے دشمنی رکھنے والے
سے منافرت کیوں نہ ہو۔ خائن و راشی اور کم تولنے والے جھوٹے، مکار اور
قوم وملت کے غدار اس قابل ہی نہیں کہ ان سے دوستی رکھی جائے۔ دوستی
رکھنا ہے تو اللہ والوں سے رکھ۔ اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ مولانا رومی
علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند — صحبتِ طالح ترا طالح کند

لطیفہ مولانا رومی نے لکھا ہے کہ ایک مینڈک اور ایک چوہا دونوں
دوست تھے۔ دونوں نے ایک لمبا سا دھاگہ لا کر اس کا ایک سرا
مینڈک نے اپنی ٹانگ میں اور ایک سرا چوہے نے اپنی ٹانگ میں اور ایک
سرا چوہے نے اپنی ٹانگ میں باندھ رکھا تھا۔ چوہے کو ضرورت پڑتی تو وہ دھاگہ
کھینچتا تو مینڈک تالاب سے نکل آتا۔ مینڈک بلانا چاہتا تو وہ دھاگہ کھینچتا تو چوہا
بل سے باہر آ جاتا۔ ایک دن ایک چیل نے چوہے کو بل سے باہر دیکھ کر اس پر
حملہ کر دیا اور اُسے پکڑ کر لے اُڑی۔ چوہا جب اوپر گیا تو دھاگہ کی وجہ سے
مینڈک بھی تالاب سے گھسٹتا ہوا باہر نکل آیا اور ہوا میں معلق ہو گیا۔ اب یہ
تماشا دیکھنے کے قابل تھا کہ چوہا چیل کے پنجوں میں اور مینڈک دھاگے سے
ہوا میں لٹکتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگوں نے یہ تماشا دیکھا تو ایک آدمی نے دوسرے
سے پوچھا کہ کیا چیل مینڈک کا بھی شکار کرتی ہے تو دوسرے نے اُسے جواب
دیا۔ ؎

بولا کہ یہ بات تو ممکن نہیں — اس کو نے ڈوبا ہے اس کا ہمنشیں

دیکھا آپ نے کہ بُرے ہمنشیں کے باعث کیا آفت نازل ہوئی۔ ہاں تو بھائیو! خدا تعالیٰ کے ارشاد :-

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۔

کے مطابق ہمیں ان اللہ والوں کی پیروی کرنا چاہیئے۔ اُنھیں کی پیروی سے ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

بیعت کی حقیقت میرے بھائیو! یہ جو کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جاتا ہے اور جسے بیعت کرنا کہا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس امر کا وعدہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ میں آپ کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔ مطلب یہ کہ آپ میری نظر میں متبع شریعت ہیں اور آپ کا ہر قدم شرع کی ہی راہ میں اُٹھتا ہے۔ اس لیے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر چلوں گا۔

متبع شریعت اسی لیے میرے بھائیو! پیر وہ پکڑنا چاہیئے جو متبع شریعت ہو جس کا ہر قدم شرع میں راہ میں اُٹھتا ہو۔ جس نے سیرت و صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا رکھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیر برائے نام پیر ہو اور بھنگی چرسی ۔۔ داڑھی مونچھ منڈا اور بے نمازی ہو۔ اور شریعت کے خلاف باتیں کرنے والا ہو اور شریعت و طریقت کو الگ الگ کر کے من گھڑت مسئلے بیان کرتا ہو۔

لطیفہ چنانچہ ایسے ہی ایک برائے نام پیر کا آپ کو قصہ سناؤں جو مجھے بڑے معتبر اشخاص نے سنایا تھا۔ ایک جلسہ میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں چند لوگوں نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ایک برائے نام پیر ہے جو نماز روزہ کا مخالف ہے اور عجیب عجیب مسئلے بیان کرتا ہے۔ اس برائے نام پیر نے اپنے مریدوں کو کتے کا گوشت کھلایا ہے اور بتایا یہ ہے کہ :-

" چونکہ نفس بھی ایک کتا ہے اس لیے اس

کی غذا بھی کتے کا گوشت ہونی چاہیئے۔"

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ـــ دیکھئے کس قدر جہالت اور الحاد ہے۔ بھائیو! ایسے برائے نام پیروں کو تو ہم بھی نہیں مانتے۔ پھر اس قسم کے جاہلوں کی مثالیں دے دے کر سچے پیروں کی بھی مخالفت کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ مگر بعض لوگوں نے پیروں کے خلاف کچھ نہ کچھ کہتے رہنا اپنی عادت بنا رکھی ہے اور یہ کوئی انصاف نہیں۔

ایک مثال دیکھئے! بعض ڈاکو پولیس کا لباس پہن کر ڈاکہ ڈالتے ہیں کوئی سب انسپکٹر بن جاتا ہے۔ کوئی سپاہی اور اس دھوکے سے وہ لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں اور اخبارات میں آجاتا ہے کہ فلاں گاؤں میں ڈاکوؤں نے پولیس کا لباس پہن کر دھوکہ دے کر گاؤں کو لوٹ لیا۔ تو بھائیو! کیا اس بات سے ہم پولیس کو بدنام کرنے لگیں۔ اور یوں کہیں گے کہ یہ پولیس ہوتی ہی ایسی ہے؟ ان لوگوں کا کام ہی لوٹ مار ہے، توبہ توبہ! ایسا کہنا سراسر حماقت اور غلطی ہے۔ اس لیے کہ اس میں پولیس کا کیا قصور! یہ تو ڈاکوؤں کی بدمعاشی اور عیاری ہے کہ پولیس کا لباس پہن کر لوٹ لیا۔ یہ لوگ پولیس کے افراد تو تھے ہی نہیں۔ بلکہ ڈاکو بلباس پولیس تھے اسی طرح بھائیو! بعض بدمعاش افراد پیروں کا لباس اوڑھ کر خلافِ شرع حرکات کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگ پیر ہرگز ہوتے ہی نہیں۔ ہاں بدمعاش بلباس پیر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ ایسے افراد کی شرارتوں کو سامنے رکھ کر پیروں ہی کو بدنام کیا جانے لگے اور یوں کہا جانے لگے کہ اجی پیر ہوتے ہی ایسے ہیں۔ ان کا کام ہی ایسی حرکات کا ارتکاب ہے۔ معاذ اللہ! پیر ایسا ہرگز نہیں کرتے۔ ہاں بدمعاش اپنی شرارتوں کے لیے پیروں کا لباس اوڑھ لیتے ہیں۔

ایمان کے چور میرے بھائیو! جس طرح مال و عزت کے چور پیروں کا لباس

پہن کر دولت و عزت پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض دین و ایمان کے چور بھی پیروں کا لباس پہن کر دین و ایمان برباد کر ڈالتے ہیں۔ اسی لیے اعلحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

سنّی و حنفی و چشتی بن بن کے بہکاتے یہ ہیں
جتنے ضلال ہوتے ہیں اب تک ان بہتوں کے کھاتے یہ ہیں

لہٰذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو پیر بتائے، وظیفے پڑھائے اور بیعت کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ سچّا ہی ہو۔ بعض برائے نام پیر بد عقیدہ بھی ہوتے ہیں۔ عقیدہ اگر درست نہیں تو ایسے شخص کی بیعت حرام ہے اسی لیے مولانا رُومی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ : ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نہ باید داد در ہر دست دست

یعنی ہر ہاتھ میں (بغیر دیکھے سمجھے) ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے شیطان بھی آدمیوں کے بھیس میں پھر رہے ہیں۔"

اب میری دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں رہنے کی توفیق دے اور ہر بُری مجلس سے محفوظ رکھے۔

آمین !

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

۳۶

چھتیسواں وعظ

اچھی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (پ ۱۴ ع ۱۹)

(ترجمہ) جو اچھا کام کرے، مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اُسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انہیں اجر دیں گے بسبب اُن کے اچھے اعمال کے۔"

حضرات ! آجکل ہر شخص کی زندگی جس طور پر گزر رہی ہے، سب پر عیاں

ہے۔ پریشانی و بے چینی میں ہر ایک مبتلا ہے۔ بڑی ہی پریشان زندگی کا یہ دور ہے۔ آئیے آج میں آپ کو قرآن پاک سے مطمئن اور اچھی زندگی حاصل کرنے کا طریقہ بتاؤں۔ قرآن پاک جو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے۔ اس میں اچھی زندگی حاصل کرنے کا جو طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اسے اپنا لیا جائے تو سب پریشانیاں دُور ہوسکتی ہیں۔

پہلے میں چند ایک تمہیدی کلمات عرض کرتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا ہے۔ کوئی تجارت کر رہا ہے۔ کوئی ملازمت کر رہا ہے۔ کوئی صنعت کا دلدادہ ہے اور کوئی زراعت کا شوقین ہے۔ کوئی مکانات کی تعمیر میں مشغول ہے اور کوئی باغات لگانے کی دھن میں ہے۔ غرضیکہ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ دیکھنے میں یہ سارے کام الگ الگ کام ہیں۔ مگر نظرِ عمیق سے دیکھا جائے تو سب کا مطلوب و مقصود ایک ہی ہے۔ یعنی ہر شخص اپنی اچھی زندگی کا خواہاں ہے۔ اور سب یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی آرام سے گزرے اور اسی مقصود کے لیے ہر کسی نے الگ الگ کام اپنا رکھے ہیں۔ جو تجارت کرتا ہے وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ میری زندگی راحت سے گزرے۔ جو ملازمت کر رہا ہے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ میری زندگی آرام سے گزرے۔ جو صنعت کا دلدادہ ہے یا جو زراعت پیشہ ہے وہ بھی اسی مقصد کے لیے یہ کام کر رہا ہے کہ میری زندگی اچھی گزرے۔ یعنی کام الگ الگ ہیں۔ مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے۔

ایک مثال عرض کردوں۔ ایک شخص کے پاس ایک سائل آتا ہے۔ وہ روٹی مانگتا ہے۔ دوسرا سائل آیا تو اس نے چاول مانگے۔ تیسرا آیا اس نے گندم طلب کی۔ چوتھا آیا تو اس نے ایک روپیہ مانگا۔ دیکھیئے۔ مانگا سب نے الگ الگ مگر مقصود چاروں کا یہ ہے کہ پیٹ بھرا جائے۔ اسی طرح دنیا میں کسی نے تجارت کی، کسی نے ملازمت اور کسی نے صنعت کو اپنایا اور کسی

نے زراعت کو۔ مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے کہ زندگی اچھی گزرے۔

میرے بھائیو! میں نے جو آیت شریفہ پڑھی ہے۔ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اچھی زندگی حاصل کرنے کا طریق بیان فرمایا ہے اور حقیقت ہے کہ طریق وہی کامیاب ہوسکتا ہے جو خود اللہ نے بیان فرمایا ہو۔ ہمارے اپنے جتنے طریقے ہیں۔ غور کر لیجئے کہ ان سے خاطر خواہ آج تک نہ راحت حاصل ہوئی نہ ہوسکتی ہے۔

دُنیا یہ دنیا ہے ہی ایسی کہ یہ ملے یا نہ ملے۔ ہر صورت میں پریشان ہی کرنے والی ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

إِذَا أَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَإِنْ أَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيرًا هُمُومُهَا

یعنی دنیا چلی جائے تو حسرت رہتی ہے اور اگر آجائے تو کئی فکر ساتھ لاتی ہے۔ جو لوگ بظاہر روپے پیسے میں کھیلتے نظر آتے ہیں۔ یہ مت سمجھئے کہ وہ مطمئن بھی ہیں۔ نہیں بلکہ جتنا مالدار ہوگا۔ اتنا ہی پریشان زیادہ ہوگا۔

لطیفہ کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے ہاں خیریت ہے۔ تو وہ سخت ناراض ہوکر بولا کہ خیریت ہو تمہارے ہاں میرے ہاں تو خدا کے فضل سے بیٹے، بیٹیاں، پوتے پوتیاں موجود ہیں۔ آج کسی کو بخار ہے تو کل کسی کو زکام ہے۔ کسی کو کھانسی تو کسی کو نمونیہ ہے۔ خیریت تو اس کے ہاں ہو جس کا کوئی نہ ہو۔ خبردار! آئندہ جو ایسا لفظ مجھ سے کہا۔

دیکھا آپ نے؟ یہی حال ہے اہل دنیا کا۔ ان کے ہاں اطمینان کہاں؟ کہیں تجارت میں گھاٹے کا اندیشہ تو کہیں مال کے چوری ہوجانے کا خطرہ کسی کو بھاؤ گر جانے کا غم تو کسی کو خاطر خواہ نفع نہ ہونے کا رنج۔

بھائیو! یہ دنیوی مال اطمینان و راحت نہیں لاتا بلکہ ہزار ہا ہموم و تفکرات ساتھ لاتا ہے۔ اس دن میں آپ ایک کام کر کے ہٹیے تو ہزار کام اور سامنے

آجاتے ہیں۔ مال و دولت موجود ہے مگر شادی کی فکر لگی ہوئی ہے۔ شادی بھی ہوگئی اب اولاد کی فکر ہے ۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں ساری جائیداد بجائے اطمینان کے اور بھی دل جلاتی ہے کہ اولاد ہی نہیں تو یہ جائیداد کس کام کی۔ کبھی خیال آتا ہے کہ اُسے کہیں وقف کردوں کبھی خیال آتا ہے کہ کسی بچے کو متبنیٰ بنالوں۔ ہزار علاج وکوشش اور دُعاؤں سے اولاد ملی تو اب یہ فکر ہے کہ اب یہ بڑا ہو تو اس کی شادی کردوں۔ بیٹے کی شادی کے بعد اب یہ دھن ہے کہ بیٹے کے بیٹا ہو۔ اور جب تک پوتے پوتی کا منہ نہیں دیکھ لیتے۔ اِسی فکر میں گھلے جارہے ہیں کہ اولاد کی اولاد نہیں ہے۔

غور کر لیجئے کہ یہ دنیا موجب راحت ہوئی یا موجب صد حسرت و کُلفت؟ اور اس کے مقابلہ میں جس کے پاس یہ دنیا نہیں ہے دیکھ لیجئے وہ ان پریشانیوں سے دُور ہے اور نسبتاً آرام میں ہے۔ اِسی لیے کسی نے کہا ہے کہ ؎

لنگے زیر لنگے بالا   نے غم زر دو نے غم کالا

اور کسی دوسرے نے یوں کہا ہے کہ ؎

مجرد سب سے اعلےٰ ہے   نہ جورو ہے نہ سالا ہے

عبرت آموز اشعار اس دنیا کے متعلق ایک شاعر نے خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

حسرتوں کا مزار ہے دنیا   کارواں کا غبار ہے دنیا
عمر برق و شرار ہے دنیا   کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی   کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا
ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع   عرصۂ کارزار ہے دنیا
گرچہ ظاہر میں صورتِ گل ہے   پر حقیقت میں خار ہے دنیا
ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر   چار دن کی بہار ہے دنیا!
رقص بالجبر ہر ایک پتلی کا   شعبدہ گر کی نار ہے دنیا

زندگی نام رکھ دیا کس نے   موت کا انتظار ہے دنیا

ہاں تو یہ دنیا ہزار ہا ہموم و تفکرات ساتھ لے کر آتی ہے اور جس قدر یہ زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ایک حکایت چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک سیٹھ صاحب نے جنگل میں ایک فقیر کو دیکھا جو ایک تہ بند باندھے ننگے جسم اور ننگے پاؤں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا سیٹھ صاحب کو اس سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ شہر میں آئے اور ایک اچھا سا جوتا خرید کر اس فقیر کے لیے جنگل میں لے گئے اور فقیر سے کہا کہ لیجئے یہ جُوتا پہن لیجئے تاکہ زمین کی تپش اور کانٹوں سے پیر بچا رہے۔ فقیر نے مسکرا کر کہا سیٹھ صاحب! مجھے جوتا لینے سے انکار تو نہیں۔ لیکن یہ جُوتا نہایت قیمتی اور خوشنما ہے۔ ننگے بدن کے ساتھ اس کی خوبصورتی پر دھبہ لگے گا۔ اس کے ساتھ اِسی قسم کی ایک قیمتی پوشاک لازم ہے' سیٹھ صاحب بولے۔ ہمیں تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ کوئی حکم دیں۔ یہ معمولی بات ہے میں ایک قیمتی پوشاک بھی لا دوں گا۔ فقیر نے کہا مگر سیٹھ جی اتنی قیمتی پوشاک اور خوبصورت جُوتے کے ساتھ کہیں دُور جانا پڑے تو پیدل چلنا شان کے خلاف ہے۔ سیٹھ جی نے کہا تو ایک گھوڑا بھی معہ زین کے حاضر کر دوں گا۔ فقیر نے کہا۔ مگر اس گھوڑے کی حفاظت کون کرے گا؟ سیٹھ نے کہا۔ بیشک گھوڑے کی خدمت کے لیے ایک نوکر بھی دے دوں گا۔ فقیر نے کہا۔ مگر نوکر کی تنخواہ، گھوڑے کا خرچ اور اس پوشاک کے پُرانے ہو جانے کے بعد نئے کپڑوں کا انتظام ۔ اتنا خرچ کون برداشت کرے گا؟ سیٹھ صاحب بولے۔ جناب! آپ کی دُعا سے میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے میں کچھ زمین آپ کے نام کر دوں گا۔ آپ آرام سے زندگی گزاریں گے۔ فقیر نے کہا تو پھر مجھے شادی خانہ آبادی کی بھی ضرورت ہے۔ سیٹھ صاحب بولے۔ یہ بھی ہو جائے گا۔ فقیر نے کہا تو میرے ہاں پھر بچے بھی پیدا ہوں گے۔ سیٹھ صاحب بولے ہاں

اس میں کیا شک ہے۔ فقیر نے پوچھا اور سیٹھ صاحب! یہ تو بتائیے کہ اگر میرا کوئی بچہ مرگیا تو پھر روئے گا کون؟

سیٹھ صاحب بولے۔ جناب رونا تو آپ ہی کو پڑے گا۔

فقیر نے ہنس کر کہا۔ تو بھئی اتنے بڑے جنجال میں پھنسانے والا جوتا واپس ہی لے جاؤ۔ نہ یہ جوتا پاؤں میں پڑے اور نہ اتنا دُکھ ہو۔

بھائیو! سُنا آپ نے کہ یہ دنیوی جُوتا جس نے بھی پہنا۔ ہزارہا دُکھ ان کے لیے موجود۔ تو یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ یہ دنیا موجب راحت نہیں۔ موجبِ راحت تو کچھ اور ہی چیز ہے اور اسی چیز کا مجھے بیان بھی کرنا ہے۔

بھائیو! اچھی زندگی گذارنے کے لیے جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، بس وہی طریقہ الیسا طریقہ ہے جسے اپنا کر اچھی زندگی حاصل کی جاسکتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اچھا عمل کرے اور ہو وہ مسلمان تو ہم اُسے اچھی زندگی عطا فرمائیں گے۔" بھائیو! یہ ہے اچھی زندگی پانے کا طریق کہ مسلمان بن کر نیک کام کرو۔ اللہ اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اچھی زندگی پالوگے۔

حضرات! یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ اللہ اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے جو تابعدار اور مطیع ہیں۔ وہ جس حال میں بھی ہیں خوش ہی ہیں اور راحت میں ہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے جو مطیع نہیں ہیں وہ ہر وقت پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ انھیں کسی وقت بھی چین نہیں آتا۔

ایک شُبہ کا ازالہ

یہاں ممکن ہے کہ کوئی یوں کہہ دے کہ نہیں صاحب دیکھئے فلاں شخص نماز بھی پڑھتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے اور خدا اور رسُول کا مطیع ہے۔ مگر اُسے کئی قسم کی پریشانیاں لاحق ہیں۔ بھائیو! پہلے یہ جان لو کہ نماز روزہ بڑی ضروری چیزیں ہیں۔ ان کا منکر کافر اور ان

تارک سخت گنہ گار ہے۔ مگر نیک اعمال صرف یہی دو کام نہیں ہیں۔ خدا اور اس کے رسُول کا مطیع ہونا ہر ایک کام میں ضروری ہے۔ اور جتنے احکام ہیں سب کی تعمیل ضروری ہے۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے۔ مگر زکوٰۃ نہیں دیتا۔ یا زکوٰۃ بھی دیتا ہے مگر سُود کھاتا ہے۔ جھُوٹ بولتا ہے تو وہ پورا مطیع نہیں ہے۔

ایک مثال

دیکھئے۔ اگر کسی شخص کے حُسن کی تعریف کی جائے کہ اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں۔ اس کے رخسارے بڑے حسین ہیں اور اس کی پیشانی چاند کی مثل ہے تو اس کے حُسن و جمال کی تعریف سن کر کوئی اس شخص کو دیکھنے کے لیے آجائے تو اُسے نظر آئے کہ واقعی اس کے رخسارے، پیشانی اور آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں مگر ناک جڑ سے کٹی ہوئی ہے تو بھائیو! خود ہی سوچ لو کہ ایسے نکٹے حُسن و جمال کی کیا قدر باقی رہ سکتی ہے۔ اُن آنکھوں، رخساروں کا حُسن و جمال تھا تو، مگر ناک کے نہ ہونے سے ان پر بھی پانی پھر گیا۔ اسی طرح سب نماز روزہ وغیرہ سب اچھے کام ہیں اور قابلِ تعریف مگر دوسری بُرائیوں کے ہوتے ہوئے شریعت کے نزدیک ان کی وہ قدر باقی نہ رہی جو کامل مطیع کے نماز و روزہ کی قدر ہے۔

جس طرح اُسی کو حسین و جمیل کہا جائے گا جس کے سب اعضاء صحیح سالم ہوں۔ اُسی طرح مطیع بھی وہی کہلا سکے گا جس کا ہر کام اللہ اور اس کے رسُول کے حکم کے مطابق ہو اور اچھی زندگی کا وعدہ بھی اسی کامل مطیع سے ہے۔

میرے بھائیو! ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور بعض اعمال کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا باطن سے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ان کا تعلق ظاہر سے ہے اور اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع، حلم، صبر و رضا اور کبر و غضب سے دُوری۔ ان کا تعلق باطن سے ہے اور کامل مطیع وہ ہے جس کا ظاہر بھی مطیع ہو باطن بھی۔ یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی ہو اور

تواضع، بُردباری، حلم و انکسار اور صبر و رضا بھی ہو۔ غیر شرعی علامات سے ظاہر بھی صاف ہو اور کبر و غرور اور بغض و عناد سے باطن بھی صاف ہو بس ایسا شخص کامل مطیع ہے اور ایسے ہی کامل مطیع کے لیے وعدہ ہے کہ اُسے اچھی زندگی عطا کی جائے گی۔ یہ نہیں کہ دو چار اچھے کام کر لیے اور اپنے آپ کو پورا دیندار اور کامل مطیع سمجھنے لگے۔ خوب یاد رکھیے کہ جو پورا پورا مطیع ہے۔ آیت شریفہ کے مطابق یقیناً اُس کی زندگی پریشانیوں سے دُور ہے۔

کامل مطیع

حضرات! کامل مطیع بننے کے لیے اللہ تعالےٰ نے ہم پر ایک خاص فضل یہ فرمایا ہے کہ اپنے محبوب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہم میں مبعوث فرما کر ہمیں فرما دیا ہے کہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی کامل مطیع بننا ہے تو میرے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو اور ان کی اداؤں کو اپنا لو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ہمارے لیے ایک مقدس نمونہ بنا کر بھیج دیا ہے۔ گویا اس نمونہ کے مطابق جو شخص اپنے آپ کو بنا لے گا وہی مطیعِ کامل ہے اور جو شخص کسی بات میں بھی ان کا متبع نہیں وہ مطیعِ کامل نہیں۔

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ اور ایک بہروپیا

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ بڑے خدا ترس اور متبع شریعت بادشاہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے دربار میں ایک بہروپیا آگیا۔ آپ اس قسم کے نقالوں اور بھانڈوں کے مخالف تھے۔ آپ نے اس بہروپیا کو ایک لطیف حیلے سے ٹالنا چاہا اور کہا کہ تم جب کسی ایسی شکل میں ہمارے پاس آؤ کہ ہم پہچان نہ سکیں تو انعام دیں گے۔ ورنہ نہیں۔ بہروپیہ نے سلام کیا اور واپس چلا آیا۔ پھر وہ کئی بار مختلف شکلوں میں آیا مگر بادشاہ نے ہر بار پہچان لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ دکن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ نے سُنا کہ یہاں ایک بہت بڑے باکمال درویش ہیں حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کو درویشوں اور بزرگوں سے بڑی

عقیدت تھی۔ چنانچہ اس درویش کا شہرہ سن کر آپ خود اس کی ملاقات کو گئے اور مل کر بڑے خوش ہوئے۔ حضرت عالمگیر نے بعض مسائل تصوف کا ذکر کیا اور اپنے کچھ شبہات پیش کیے جن کے شافی جواب اس درویش نے دیئے اور بادشاہ بڑا مطمئن اور خوش ہوا، اور متاثر ہو کر اشرفیوں بھری ایک تھیلی پیش کی۔ درویش نے وہ تھیلی دور پھینک دی اور کہا مجھے بھی اپنی طرح دنیا دار سمجھ لیا ہے۔ حضرت عالمگیر اور بھی زیادہ متاثر ہوئے اور وہ تھیلی اٹھا کر واپس آ گئے اور راستے میں اس کی تعریف کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ وہ بزرگ پیچھے تشریف لا رہے ہیں اور آتے ہی بادشاہ کو جھک کر سلام کیا۔ اور انعام مانگا۔ عالمگیر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور غور کر کے پہچانا تو یہ وہی بہروپیا تھا۔ بادشاہ نے حسبِ وعدہ انعام دیا اور یہ پوچھا کہ میں نے اب مان لیا کہ تو بڑا ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر ہے۔ مگر یہ تو بتلا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اُس وقت میں نے تجھ کو اس سے کہیں زیادہ دیا تھا اور اشرفیوں بھری تھیلی دی تھی۔ وہ تو نے دُور کیوں پھینک دی تھی۔ وہ بولا کہ جو نقل میں نے کی تھی۔ تھیلی کا لے لینا اس نقل کے خلاف تھا۔

حضرات! جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس بہروپیا سے بھی گئے گزرے ہیں۔ بھائیو! دین کی نقل ہی کرو۔ یہاں تو نقل میں بھی فائدہ ہی فائدہ ہے۔ سکول میں کوئی لڑکا کسی کی نقل کرے تو فیل ہو جائے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کی جو نقل کرے گا۔ وہ پاس ہو جائے گا۔

ہاں تو بھائیو! کامل مطیع جو ہے، حسبِ وعدۂ ایزدی اُسے اچھی زندگی ضرور حاصل ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ اور بڑے بڑے مقبولوں پر بڑے بڑے مصائب و آلام نازل ہوتے اور وہ بڑی بڑی تکلیفوں

میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر مرنے دار یا اچھی زندگی کیسے ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والوں کو ان مصائب میں بھی مزہ آتا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہر آزمائش و تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور پریشان نہیں ہوتے۔ انھیں عاشقوں کے متعلق کسی شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

مزہ جو مرنے کا عاشق بیاں کبھو کرتے ۔۔۔ مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

خدا کی رضا

میرے بھائیو! بات دراصل یہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں نے اپنی رضا کو خدا کی رضاء کے سامنے مٹا دیا ہوتا ہے۔ اور ان کا اللہ سے گویا یہ وعدہ ہوتا ہے کہ اے مولا! جو تیری رضاء، وہی میری رضاء۔

حضرت بہلول کا قصہ

چنانچہ حضرت ہارون رشید علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ قبرستان میں سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں اور بڑے اطمینان سے ذکرِ حق کر رہے ہیں ــــ ہارون رشید نے جو امورِ سلطنت کے ہزارہا فکروں میں گھرا ہوا تھا۔ بہلول سے پوچھا کہ جناب! آپ کو بھی کوئی فکر ہے یا نہیں؟ بہلول بولے۔ اے ہارون! مجھے فکر کیسی؟ جبکہ سورج میری مرضی سے چڑھتا ہے، رات میری مرضی سے ہوتی مینہ میری مرضی سے برستا ہے اور ساری کائنات چل ہی میری مرضی سے رہی ہے۔

ہارون رشید بڑا حیران ہوا۔ اور پوچھا۔ حضرت! یہ سب کچھ آپ کی مرضی سے کیسے ہو رہا ہے؟ ذرا سمجھائیے تو۔ بہلول بولے۔ بات یہ ہے ہارون! میں نے خدا کی مرضی کے سامنے اپنی مرضی فنا کر ڈالی ہے اور اس سے عہد کر لیا ہے کہ الٰہی! جو تیری مرضی وہی میری مرضی۔ تو سورج اگر چڑھتا ہے یا رات ہوتی ہے یا مینہ برستا ہے یا ساری کائنات کا جو نظام چل رہا ہے یہ خدا ہی کی مرضی سے تو چل رہا ہے۔ تو اس کی مرضی جب میری مرضی ہو چکی تو یہ جو کچھ ہو رہا ہے میری ہی مرضی سے ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ! کیا اطمینان بخش اور کیا ہی اچھی زندگی ہے کہ کچھ بھی ہو